آندھرا پردیش

قیمت ۵۰ پیسے جنوری ۸۰

12



آندھرا پردیش - اعداد و شمار بیک نظر

رقبہ (۱۹۸۱ء مردم شماری) (مربع کلومیٹر)	۲۷۵٫۱	
اضلاع	۲۳	
تعلقہ جات	۳۱۶	
پنچایت سمیتیاں	۳۳۰	
آبادی (۱۹۸۱ء مردم شماری)	۵۳۵٫۵۰	(لاکھوں)
مرد	۲۷۱٫۰۹	"
عورتیں	۲۶۴٫۴۱	"
درج فہرست اقوام کی تعداد	۷۹٫۶۲	"
درج فہرست قبائل کی تعداد	۳۱٫۷۶	"
محنت کش افراد کی تعداد	۲۳۵٫۰۶	"
اراکین پارلیمنٹ کی تعداد (بشمول راجیہ سبھا)	۶۰	
اراکین اسمبلی کی تعداد	۲۹۵	
اراکین قانون ساز کونسل کی تعداد	۹۰	
دواخانے (آلوپیتھک)	۲۹۵	
خصوصی امراض کے دواخانے	۴۵	
بستروں کی تعداد	۲۶,۹۳۸	
یونیورسٹیوں کی تعداد	۱۰	
جملہ آبپاشی سے سیراب کیا جانے والا رقبہ	۵۰٫۵۸	لاکھ ہیکٹر
کوئلہ کی پیداوار	۱۰۰٫۸۳	لاکھ ٹن

ماہنامہ

آندھرا پردیش

حیدرآباد

چیف ایڈیٹر

بی - وی - آر - کے - پرشاد (آئی اے ایس)

ایڈیٹر

خواجہ حسین احمد بی-اے (عثمانیہ)

JANUARY 1985 جنوری ۱۹۸۵ء

جلد : ۳۰ ✱ شمارہ : ۱

نیا سال مبارک

فہرست

• اس شمارہ میں اہل قلم حضرات نے انفرادی طور پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے اُن سے لازمی طور پر حکومت کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

• زرسالانہ : ٦ روپے • فی کاپی : ۵۰ پیسے ' زرسالانہ بذریعہ منی آرڈر روانہ کیجئے • منی آرڈر ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ کے نام روانہ کیجئے • مضامین بھیجنے کا پتہ : ایڈیٹر اعزازی ماہنامہ آندھرا پردیش محکمہ اطلاعات و تعلقات عامہ حکومت آندھرا پردیش نے شائع کیا • فوٹوز : نندگوپال ناٹیڈو • کتابت : الیس احمد

• طباعت : گورنمنٹ سنٹرل پریس چنچل گوڑہ حیدرآباد

یوم جمہوریہ ہند

۲۰۰ سالہ

نوآبادیاتی نظام حکومت کے خاتمہ کے بعد ۳۴ سال

قبل ہمارا ملک آزاد اور مقتدر اعلیٰ جمہوریت کے طور پر اُبھرا اُس سال

۲۶ جنوری کو ہندوستانی عوام نے اپنی مستقبل کی آرزوؤں اور خواہشوں کی تکمیل

کے لیے ایک جامع دستور تیار کیا جس کے ذریعے ہر شہری کو بنیادی

حقوق عزتِ نفس اور خوشحال زندگی کی ضمانت دی گئی۔ اور قوم کے لئے

وفاقی نظام حکومت تجویز کیا گیا۔ اس سال یوم جمہوریہ کی یاد

منانے کے لیے ہم یہاں پہلے صدر جمہوریہ ہند کی حیثیت سے

حلف برداری کے بعد ڈاکٹر راجندر پرشاد کی تقریر

اور ہندوستان کے پہلے وزیراعظم پنڈت جواہر

لال نہرو کا پیام شائع کر رہے ہیں

یہ ہماری تاریخ کا ایک یادگار دن ہے۔ آیئے ہم خدائے برتر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس دن کا آغاز کریں جس نے ہمیں یہ دن دیکھنا نصیب کیا۔ باباۓ قوم کا بھی شکریہ ادا کریں جنہوں نے ستیہ گرہ کے صاف و پاک اصول کے ذریعہ ہمیں اور سارے عالم کو آزادی حاصل کرنے کا راستہ دکھایا۔ ان تمام مرد و خواتین کا شکریہ ادا کریں جنکی مشقتوں اور قربانیوں کی بدولت ہمیں آزادی حاصل ہوئی اور ایک مقتدر اعلیٰ جمہوریہ ہندوستان کا قیام ممکن ہوا۔

ہماری پرتلاطم تاریخ میں آج پہلی دفعہ شمال میں کشمیر سے جنوب میں کنیا کماری تک مغرب میں کاٹھیاوار کچھ سے مشرق میں کاکی ناڈا اور کامروپ تک یہ وسیع قطعۂ ارضی ایک دستور کے چوکھٹے میں ایک یونین کی حیثیت سے کام کرے گا۔ نیز اس قطعۂ ارضی پر رہنے والے ۳۲ کروڑ مرد و خواتین کی فلاح و بہبود کی ذمہ داری کا بوجھ اپنے سر لے گا۔ اس قطعۂ ارض کا انتظام یہاں کے عوام خود سنبھالیں گے۔ یہ ملک قدرتی وسائل سے بے انتہا مالا مال ہے اور یہاں بسنے والی کثیر آبادی کو خوشحالی اور فارغ البالی سے ہمکنار کرنے کے اس ملک میں بے شمار مواقع اور امن عالم کے قیام میں اپنا حصہ ادا کرنے کی بے پناہ صلاحیت موجود ہے۔

اس وسیع قطعۂ ارضی پر رہنے والے مختلف طرز زندگی - مختلف زبانوں، مختلف مذاہب کے لوگوں کے درمیان بھائی چارگی پیدا کرنا آزادی۔ مساوات و انصاف کے اصولوں کو فروغ دینا ہماری جمہوریت کے مقاصد ہیں۔ ہم تمام

ممالک کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنا چاہتے ہیں۔ ملک کو ہر میدان میں ترقی دینا ہمارا مقصد ہے۔ امراض، غربت اور جہالت کی بیخ کنی ہمارا آئندہ کا لائحہ عمل ہے۔ گھروں سے بچھڑے ہوئے تمام لوگوں کو پھر سے آباد کرنے اور بسانے، انکے دکھ اور مشقتوں کو دور کرنے کے لیے ہم بے حد متفکر ہیں اور جو کسی طرح معذور ہیں وہ خصوصی مدد کے مستحق ہیں۔

متذکرہ امور کے حصول کے لیے یہ بے حد ضروری ہے کہ ہم اپنی آزادی کی حفاظت کریں۔ لیکن معاشی اور سماجی آزادی بھی ایسی ہی ضروری ہے جیسے سیاسی آزادی۔ ہمیں ماضی سے زیادہ ایثار و قربانیاں اب پیش کرنی ہوں گی۔ میں اُمید کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ ہمیں دستیاب مواقع کا بہترین استعمال کریں گے ہمیں چاہیئے ہماری مادی و جسمانی قوت کو عوام و ملک کی خدمت کے لیے وقف کر دیں۔

میں پُر اُمید ہوں کہ عوام اس مبارک اور پُر مسرت یوم کے آمد پر خوشیاں مناتے ہوئے اپنی بھاری ذمہ داریوں کو محسوس کریں گے اور ان مقاصد کی تکمیل کے لیے اپنے آپ کو از سر نو وقف کر دیں گے۔ انہیں مقاصد کے حصول کیلئے باپائے قوم نے زندگی بھر کوشش کی اور اپنے کو قربان کر دیا۔

(پہلے صدر جمہوریہ ہند کی حیثیت سے حلف برداری کے موقع پر ڈاکٹر راجندر پرشاد کی تقریر)

ایک تاریخی دن

جواہر لعل نہرو کا پیام

ہمارے ذہنوں میں واقعات کا اثر عام ہے کیونکہ یہ پے در پے وقوع پذیر ہونے والے حالات کی وجہ سے ہم انکی اہمیت کو نظر انداز کر جاتے ہیں ہر موقع پر ہم عوام کو جد و جہد اختیار کرنے کی تلقین کرنے کے لیے پیام دیتے ہیں۔ بار بار کے اعادہ سے یہ پیامات پھیکے پڑ جاتے ہیں۔

اس کے باوجود اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ۲۶ جنوری ۱۹۵۰ء کا دن ہندستان اور ہندستانی عوام کے لیے بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ اس دن قومی جد و جہد کے ایک مرحلے کی تکمیل ہوئی۔ ایک سفر ختم ہوا اس کی جگہ دوسرا شاید بہت سخت اور پُر مشقت سفر شروع ہوا ہے۔ ایک عہد پائے تکمیل کو پہنچا، ہر ایسے موقع پر ایک گونہ سکون حاصل ہوتا ہے اور مستقبل کے لیے ایک نئی قوت پیدا ہوتی ہے۔

اس ۲۶ جنوری کی ماضی کے ایام سے خاص مناسبت ہے کیونکہ یہ ماضی کو حال سے جوڑنے کی ایک کڑی ہے۔ ۲۰ سال قبل ہم نے آزادی حاصل کرنے کا عہد کیا تھا۔ ان ۲۰ برسوں کے دوران ہم نے کافی جد و جہد کی کبھی ناکام ہوئے اور کبھی کامیاب وہ شخص جس نے بظاہر ناکامیوں کے درمیان ہماری رہنمائی کی تھی اب وہ ہمارے درمیان موجود نہیں لیکن اسکی محنت کا ثمرہ ہمارا ہے۔ ہم اس کامیابی کو کیسے استعمال کرتے ہیں اس کا انحصار حالات پر ہے۔ بنیادی چیز اعلیٰ ظرفی اور بلند اخلاقی، راست بازی، جذبۂ تحمل۔ ایک دوسرے سے تعاون اور سخت محنت جس پر گاندھی جی زندگی بھر زور دیتے رہے۔ میں تو ہماری عوام کو صرف یہ مشورہ دیتا ہوں کہ ان ہی خصوصیات کو جمہوری آزادی کی بنیاد بنائیں اور اپنے ذہنوں سے نفرت و خوف کو نکالدیں اور ہمیشہ ہی اپنے لاکھوں عوام کی فلاح و بہبود کی فکر کریں۔

ہم خوش نصیب ہیں کہ ہم نے جمہوریہ ہند کے قیام کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اس کے لیے ہماری آئندہ نسل ہم پر رشک کرے گی۔ لیکن خوش قسمتی بھی ایک ذمہ داری ہے جس کی اچھے کاموں کے ذریعے سخت حفاظت کی جانی چاہیئے۔ یہ ایک ایسی شئے ہے جو غفلت اور کاہلی برتنے اور غلط سمت اختیار کرنے کی وجہ سے ہاتھوں سے نکل جاتی ہے۔

سنکرانتی

موسمی تہوار

زمانے قدیم سے تلگو عوام اپنے بے شمار تہواروں اور میلوں کی وجہ سے مشہور ہیں۔ موسم کے آغاز پر یا خصوصیت سے ہندستانی دیومالائی اہم واقعات کی اساس پر تقریباً تمام سال کے دوران کوئی نہ کوئی تہوار منایا جاتا ہے۔

مکارہ سنکرانتی یا اترایانہ سنکرانتی موسمی تہوار کے طور پر فصلوں کی کٹائی کے موقع پر تمام آندھرا پردیش میں منایا جاتا ہے۔ یہ تہوار اس وقت منایا جاتا ہے جبکہ سورج (مکارہ) بُرج (خط سرطان) کی سمت چلنا شروع کرتا ہے یا اسے اُترایانہ بھی کہتے ہیں یعنی سورج کی شمالی نصف کرہ ارض کی طرف واپسی۔ یہ تہوار ۱۳ر جنوری سے ۱۵ر جنوری تک منایا جاتا ہے۔ جنوبی ہند میں یہ تہوار پونگل کے نام سے موسوم ہے۔

سنکرانتی کو زراعت کی عظمت و بڑائی سے منسوب کیا جاتا ہے چونکہ زراعت پر ہماری ریاست کے عوام کی اکثریت کا راست یا بالراست دارومدار ہے۔ یہ وہ موسم ہے جبکہ ہر دیہات میں اناج کے ڈھیر دودھ کی بہتات۔ پھلوں، پھولوں اور ترکاریوں کی کثرت ہوتی ہے۔ ہر چیز افراط میں پائی جاتی ہے۔ لڑکے۔ لڑکیاں، مرد و عورت، جوان اور بوڑھے امیر و غریب سب ہی بڑی گرمجوشی اور مسرت سے اس تہوار کو افراط و بہتات کی نشانی کے طور پر خوش آمدید کہتے ہیں اور اس کو بڑی عید — "پدا پنڈوگا" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

گھروں کی آب پاشی اور "موگولو" رنگولی کے ذریعہ عید و مسرت کے ماحول کی عکاسی ہوتی ہے۔ "گوبیلو" گوبر سے مخروط نما شکلیں تیار کی جاتی ہیں جنھیں پھولوں سے سجا کر رنگولی کے بیچوں بیچ رکھا جاتا ہے۔

بھوگی

تہوار کا پہلا دن بھوگی کہلاتا ہے۔ اس دن لوگ صبح صادق سے قبل بیدار ہوتے ہیں۔ تیل سے حمام کرتے ہیں اور "بھوگی منٹلو" آگ کے شعلوں کے اطراف جمع ہوجاتے ہیں۔ ان شعلوں میں گوبر سے بنے اُپلے اور گھر کی دوسری جلنے کے لائق غیر ضروری اشیاء جلائی جاتی ہیں۔ بعض اوقات گھر کے بچے بعض کارآمد اشیاء بھی آنکھ بچا کر ان شعلوں میں ڈال دیتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "بھوگی منٹلو" کا مقصد گھر کی تمام غیر ضروری اور بے کار اشیا کو جلا کر گھر کو صاف ستھرا کرنا ہے۔ بعض مقامات پر نوجوان لڑکیاں اور بڑے حضرات بھی ان شعلوں کے اطراف رقص کرتے ہوئے خدائے برتر کے فصلوں کی تیاری اور موسم بہار کی آمد کے گیت گاتے ہیں۔ بعض گھروں میں خوشحالی کی تمنا میں بچوں کے سروں پر سے گُڑ بیر اور سکّے ڈالے جاتے ہیں۔

شراون۔ بھدراپد اشوین اور کارتک مہینوں کی مسلسل بارش اور سرد ہواؤں کے مقابلے میں سنکرانتی ایک خوشگوار موسم میں آتی ہے۔ فصلوں کی تیاری و کٹائی کی مسرت میں کسانوں کے چہرے خوشی سے تمتماتے رہتے ہیں۔ کھیتوں میں فصل کی کٹائی کے وقت ناچ اور

گیتوں کا سماں بندھ جاتا ہے ۔ عورتیں گھروں میں اناج جمع کرنے اور اپنے گھروں کی آہک پاشی کرنے میں مصروف ہو جاتی ہیں۔

بومالو کلاؤ

دیوی دیوتاؤں اور جانوروں کی مورتیوں کو سجانا اس تہوار کی ایک اہم خصوصیت ہے ۔ کھلونے گڑیاں اور مصنوعی پھلوں کو اپنے گھروں میں سجا کر رکھا جاتا ہے ۔ اس طرح سجائے ہوئے کھلونوں اور پھلوں کو دیکھنے کیلئے دوست احباب کو دعوت دی جاتی ہے گھر آنے والوں کی میوؤں اور پان ۔ سے تواضع کی جاتی ہے ۔

سجاوٹ کے طور پر رکھے گئے دیوی دیوتاؤں ' مویشیوں ' پرندوں اور جنگلی جانوروں سے نوجوان لڑکے لڑکیوں کو روشناس کرانے کے لیے اس تہوار کو ایک موقع کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے ۔ بعض مقامات پر دسہرہ میں اور تلنگانہ کے علاقے میں دیوالی کے موقع پر " بوما لا کلاؤ " کا اہتمام کیا جاتا ہے ۔

اس تہوار کے دوسرے دن سنکرانتی منائی جاتی ہے ۔ اس دن ... نو آف ... نا روپ دھار کر بازاروں میں نکلتے ہیں ... کر ... رب دکھائے جاتے ہیں ۔

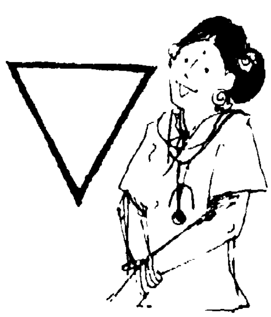
کنوما

تہوار کے تیسرے دن کو کنوما کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ۔ اس دن تمام کاروبار موقوف کر دیئے جاتے ہیں ۔ اس دن کوئی سفر اختیار نہیں کیا جاتا ۔ اسی دن کھیل کود مرغوں اور بکروں کو لڑایا جاتا ... بیلوں کی دوڑ کا اہتمام کیا جاتا ہے ۔

اس طرح سنکرانتی دیہات اور شہر ہر مقام کے رہنے والے مناتے ہیں ۔ لیکن دیہی علاقوں ہی میں حقیقی معنوں میں اس کی اہمیت نظر آتی ہے امیر اور غریب سب ہی نئے کپڑے زیب تن کرتے ہیں یہاں تک غریب ... اشخاص بھی نئے کپڑے خریدتے ہیں ۔ بعض علاقوں میں کچھ لوگ اس تہوار میں اپنے آبا و اجداد کی پوجا کرتے ہیں ۔ ••

محمد شمیم الدین شمیم قریشی

دو ہی اچھے



دو ہی اچھے ننھے بچے
گھر آنگن میں ہنستے غنچے

ایک دلارا ماں کا پیارا
دوجا پتا کی آنکھ کا تارا

جب یہ غنچے پھول بنیں گے
گلشن کو گلزار کریں گے

زینہ زینہ ، منزل منزل
ایسے جیسے شمعِ محفل

ان سے وفا کے باغ میں خوشبو
جوہی ، چمپا ، نرگس ، مجوہو

بھارت دیس کی آنکھ کے تارے
دو بچے جیون کے سہارے

خوشحالی کے ہیں گل بوٹے
ہنستے گاتے اچھے بچے

موچی کا کام کرنیوالوں نے زرعی پیشہ اختیار کرلیا

ایلورو سے ۲۰ کلو میٹر دور اونچائی پر واقع کوچیم پوڈی پڈاپاڈو پنچایت سمیتی کا ایک موضع ہے۔ جہاں ایک ہریجن واڑہ اور ایک گری جن واڑہ ہے یہاں موچی کے پیشے سے وابستہ (۳۰۱) خاندان (ماڈیگاس) رہتے ہیں۔ یہ خاندان چپل بنا کر اور کھیتوں میں کام کرتے ہوئے اپنی گزر بسر کیا کرتے تھے۔

فاضل اراضیات کی تقسیم ان خاندانوں کے حق میں ایک نعمت ثابت ہوئی۔ اس وقت ان میں کے نصف خاندان زمینات کے مالکین کی حیثیت سے گزر بسر کر رہے ہیں۔ کچھ تو اپنے بچوں کو تعلیم دلا رہے ہیں اور بغیر کسی کد و کاوش کے ان لوگوں نے اپنی لڑکیوں کی شادیاں رچائیں۔

ریاستی حکومت کی جانب سے ۲۵۰ ایکر قابل کاشت فاضل اراضی ۱۵۰ خاندانوں میں تقسیم کی گئی۔ یہ لوگ ان اراضیات کے لیے آبپاشی کے ذرائع اور بورویل کے قیام کے ذریعے زیادہ سے زیادہ زرعی پیداوار حاصل کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔

مسٹر سونگا ارجن راؤ کے تین لڑکے اور ایک لڑکی ہے۔ اور اس شخص کو ۳ ایکر زمین دی گئی تھی۔ اس زمین سے بہتر پیداوار کے نتیجے میں اپنے دو لڑکوں اور ایک لڑکی کو تعلیم دلانے کے قابل ہو گیا ہے۔ اور کوچیم پوڈی پنچایت کا یہ شخص نائب سرپنچ ہے۔ اس کے علاوہ کئی دوسرے ہریجن بھی حالیہ برسوں میں جن کی معاشی حالت بہت بہتر ہو گئی ہے۔

ہریجن واڑے میں اسٹریٹ لائٹ کا انتظام کیا گیا ہے اور بیشتر ہریجن جنہیں سرکاری زمینات دی گئی ہیں اپنے مکانوں میں بھی بجلی کا انتظام کرائے ہیں۔

درج فہرست اقوام کے ان لوگوں نے انہیں دی گئی اراضیات کیلئے آبپاشی کنوؤں کا انتظام کرنے کے لیے ڈسٹرکٹ کلکٹر سے ملاقات کی۔ کلکٹر نے اس معاملے میں تعاون کا وعدہ کیا ہے۔ اگر کچھ کمیونٹی بورویل آبپاشی کے لیے اس ہریجن کالونی کو مہیا کیے جائیں تو ان لوگوں کے معاشی حالات اور بھی بہتر ہو جائیں گے۔ اور اصلاحات اراضی کے مقاصد کی بہتر طور پر تکمیل ہو جائے گی۔

طوفان بادوباراں کے متاثرین کیلئے ضلع کرشنا میں ۱۰ ہزار مکانات کی تعمیر مکمل

ضلع کرشنا میں سنہ ۱۹۷۷ء کے طوفان سے متاثر ہونے والوں کی باز آبادکاری کے لیے ۱۰ ہزار پختہ مکانات تعمیر کر لیے گئے ہیں۔ ۱ لاکھ روپے کی لاگت سے مچھلی پٹنم میں ایک ہاسپٹل تعمیر کیا گیا۔ موضع سنداپاکلا تعلقہ دیوی میں ۳۶۔۴۹ لاکھ روپے کی لاگت سے دوسرا ہاسپٹل ساحلی مواضعات کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے تعمیر کیا گیا۔ موضع ناگا پالنکا تعلقہ دیوی میں ۵۰ ہزار روپے کی تخمینی لاگت سے ایک ڈسپنسری تعمیر کرنے کا فیصلہ بھی کیا گیا ہے۔

۱۹۷۷ء کے سمندری تموج میں ہلاک ہونے والے ایک ہزار اشخاص کی یاد میں موضع پلی گڈہ کے مقام پر ۶ لاکھ روپے کی تخمینی لاگت سے ایک ہاسپٹل تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ مقررہ نشانہ ۱۵۵ کے بالمقابل اب ۱۴۰ سائیکلون شیلٹرس تعمیر کر دیئے گئے ہیں۔ مابقی شیلٹرس تکمیل کے مرحلے میں ہیں۔

ضلع گنٹور میں خشک سالی کے امدادی کام کیلئے ۳۲ لاکھ روپے منظور

مسٹر وسنت ناگیشور راؤ وزیر زراعت نے بتایا کہ تعلقہ جات وینوکنڈہ۔ اپیور اور ماچرلہ ضلع گنٹور میں خشک سالی کے امدادی کاموں پر خرچ کرنے کے لیے حکومت نے ۳۲ لاکھ روپے منظور کئے۔ ضلع گنٹور کے کسانوں میں ۱۵ لاکھ روپے قلیل مدتی قرض کے طور پر تقسیم کئے جائیں گے۔

وزیر زراعت نے کہا کہ آندھرا پردیش میں ۴ لاکھ ایکر زمین پر کپاس کی کاشت ہوتی ہے۔ آندھرا پردیش میں پیدا ہونے والی کپاس کی مقدار ملک میں پیدا ہونے والی جملہ کپاس کا ایک چوتھائی ہے۔ لیکن کاٹن کارپوریشن آف انڈیا نے آندھرا پردیش میں اب تک اپنی کوئی شاخ قائم نہیں کی۔

تعلقہ جات اونگول اور کندوکور میں نقصانات

ضلع پرکاشم میں تعلقہ جات کندوکور اور اونگول میں حالیہ طوفان بادوباراں کی وجہ سے ۲ کروڑ روپے کے نقصانات ہوئے ہیں۔ اور جملہ نقصانات کا اندازہ لگایا جا رہا ہے۔ وزیر زراعت نے بتایا کہ ابتدائی اندازے کے مطابق تعلقہ کندوکور میں ۱۰۸۵ ایکر پر پھیلی ہوئی اور تعلقہ اونگول میں ۳۰۰ ایکر پر پھیلی ہوئی دھان کی فصل کو نقصان پہنچا۔

وزیر موصوف نے بتایا کہ ریاستی حکومت طوفان سے متاثر ہونے والے کسانوں کی بھرپور مدد کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ ریاستی حکومت نے ۶۸ لاکھ روپے منظور کئے ہیں جن میں سے ۳۰ لاکھ روپے بطور امداد دیئے جائینگے۔ اور ۳۰ لاکھ بطور ای ایم ایس قرض منظور کئے جائیں گے۔ جو بیج، کھاد اور کیڑے مار دواؤں کی خریدی کے لیے دیئے جا رہے ہیں۔

مرکزی حکومت کی جانب سے منظور کردہ ۷ کروڑ روپے کی امداد کا ذکر کرتے ہوئے وزیر موصوف نے اسے بہت ہی ناکافی بتایا اور کہا کہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے کم از کم ۲۵ کروڑ روپے عبوری امداد درکار ہونگے۔ انہوں نے کہا کہ محکمہ زراعت کو چاہیئے کہ زرعی پیداوار کی خریدی کے لیے معقول معاوضہ دینے کا انتظام کرے۔ انہوں نے کہا کہ قیمتوں کا تعین کرنے والی مرکزی زرعی کمیٹی میں جنوبی ریاستوں اور خاص طور پر آندھرا پردیش سے ایک رکن کو شامل کیا جانا چاہیئے۔ اس سے آندھرا پردیش کی زرعی پیداوار کے لیے بہتر قیمت کے حصول میں بڑی مدد ملے گی۔

ذاتی رکشہ فراہم کرنیکی اسکیم

ضلع اننت پور میں رکشہ چلانے والے ۱۲۵۰ افراد کو [illegible] فراہم کرنے کی اسکیم کے تحت ۴ لاکھ روپے [illegible] لاکھ روپے بطور قرض منظور کئے گئے۔ اس اسکیم پر ڈسٹرکٹ سوسائٹی برائے ٹریننگ اینڈ ایمپلائمنٹ پروموشن اننت [illegible] کے توسط سے عمل آوری کی جائے گی۔ ۲۰ فیصد رعایتی اسکیم کے تحت رکشا مہیا کئے جائیں گے۔

ضلع اننت پور میں ۲۵ ہزار کنوئیں

مسٹر جے یسو۔ مونہتی پراجکٹ ڈائرکٹر ڈسٹرکٹ رورل ڈیولپمنٹ

ایجنسی انت پور نے بتایا کہ محکمہ کی جانب سے آئندہ بجٹ (منصوبے) کے دوران ضلع میں ۲۵ ہزار کنویں کھدانے کی اسکیم پر عمل کیا جائے گا۔

انہوں نے ضلع کے کاشتکاروں پر زور دیا کہ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی درخواستیں ۲۰ دسمبر ۱۹۸۴ء یا اس سے قبل پراجکٹ ڈائرکٹر ڈسٹرکٹ رورل ڈیولپمنٹ ایجنسی کو روانہ کریں۔ انہوں نے مزید بتایا کہ مستحق کسانوں کو انٹیگریٹیڈ رورل ڈیولپمنٹ ایجنسی کی جانب سے امداد دی جائے گی اور ۵۰ فیصد کنویں درج فہرست اقوام اور درج فہرست قبائل کے لیے کھدائے جائیں گے۔ مزید تفصیلات پراجکٹ ڈائرکٹر سے حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

دوسری کاکتیہ کُل ہند صنعتی اور زرعی نمائش کا افتتاح

مسٹر آئی۔ پانڈو رنگاراؤ ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج ورنگل نے ۱۵ نومبر ۱۹۸۴ء کو دوسری کاکتیہ کل ہند صنعتی و زرعی نمائش کا افتتاح کیا۔ اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ نمائش کا مطلب یہ ہے کہ یہاں صارفین بڑھیا قسم کی اشیاء سستے داموں پر خریدتے ہیں۔ اس سے صنعت کاروں اور تاجروں کو بھی اپنی اشیاء کی نکاسی کے فروغ سے فائدہ پہنچتا ہے۔ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ حکومت توانائی کی قلت پر قابو پانے کے لیے متبادل ذریعے جیسے بائیو گیاس پلانٹ اور سورج کی توانائی وغیرہ جیسے ذرائع سے فائدہ اٹھانے کے نئے نئے طریقوں کو فروغ دیتی ہوئی صارفین کو یہ طریقے اپنانے کے لیے انکے ذہن تیار کرتی ہے۔ جب بھی عوامی خدمات سے وابستہ انجمنیں جیسے لائنز کلب روٹری کلب کی جانب سے ایسی نمائش منعقد کی جائیں تو انہوں نے حکومت پر زور دیا کہ وہ ان انجمنوں کی ہمت افزائی کریں اور ان کا ہاتھ بٹائیں۔ پروفیسر ٹی۔ واسو دیو وائس چانسلر کاکتیہ یونیورسٹی و صدر نمائش نے مالکین اسٹالس اور عوام سے نمائش کے کامیاب انعقاد میں تعاون کرنے کی اپیل کی۔ مسٹر پی۔ مروتنجیا راؤ اسوسی ایٹ پریسیڈنٹ ایگزیبیشن نے خیر مقدم کرتے ہوئے یقین دلایا کہ نمائش سے ہونے والی آمدنی کا قابل لحاظ حصہ مختلف عوامی فلاحی کاموں کے لیے مختص کیا جائے گا۔ یہ نمائش ہر سال منعقد کی جائے گی۔ مسٹر ایم۔ نرسمہا ریڈی صدر نشین ضلع پریشد ورنگل نے منتظمین کو نمائش کے کامیاب انعقاد پر مبارکباد دی۔

چرم کی صفائی کرنیوالوں کیلئے امید افزا پیش رفت

جگدیو پیٹھ تعلقہ اندکور پیٹھ ضلع نیلور میں چرم کی صفائی و دباغت کا کام کرنے والوں کے لیے چرم کی صفائی ایک مشکل کام تھا۔ پینا کینی گرامینا بینک نے اس پیشہ ورانہ کام کے طریقہ کار میں تبدیلی لائی ہے۔ بینک نے چرم کی صفائی و دباغت کے شعبے میں سنٹرل لیدر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی کی مدد سے ایک ٹریننگ کورس کا انتظام کیا۔

گوڈی پلی پاڈو کے ۹ موچیوں کو ماہانہ ۸۵ روپے فی کس وظیفہ مقرر کرکے ٹریننگ کا انتظام کیا گیا۔ اس سے قبل چمڑے کی صفائی اور دباغت کیلئے ۴۰ دن لگ جاتے تھے لیکن اب نئے طریقہ سے صرف ۱۵ دن میں یہ کام ہو جاتا ہے۔ اس طریقہ سے صاف و دباغت کردہ چرم بہت اعلیٰ معیار کا ہوتا ہے۔ اس طریقہ سے حاصل کردہ چمڑے سے تیار کردہ چپلیں اور دوسری اشیا اب بہت مقبول ہوتی ہیں۔ پینا کینی گرامینا بنک کی جانب سے ان ۹ موچیوں کو چرم صاف کرنے والے انکے اپنے یونٹ جگدیو پیٹھ میں قائم کرنے کے لیے مالی امداد دی گئی۔ فروری ۱۹۸۴ء سے نومبر ۸۴ء تک شیڈولڈ کاسٹ ایکشن پلان کے تحت بینک کی جانب سے فائنانس ۵۰۸۰ روپے کی خرچ سے مالی امداد کے ذریعے یونٹ قائم کیے گئے ہیں۔ اس رقم میں ۲۶۶۵/ روپے قرض ۱۴۰۰/ روپے امداد اور ۱۰۱۶ روپے بطور حاشیائی رقم کے شامل

ہیں۔ تمام مستفیدین کو رہائشی مکانات اور ورک شیڈز کے لیے فی کس ۲ سنٹ اراضی دی گئی۔

اب انکی تیار کردہ اشیاء سرکاری مارکٹ میں آرہی ہیں اور یہ لوگ اپنے کاروبار کو مزید وسعت دینے کے بیحد خواہشمند ہیں۔

نکونڈہ ضلع ورنگل میں ۳۳ کے۔وی بجلی کے سب اسٹیشن کا افتتاح

مسٹر بی۔ڈی۔ راما راؤ سکریٹری اے۔پی اسٹیٹ الکٹرسٹی بورڈ نے ۱۳ر نومبر ۱۹۸۴ء کو موضع نکونڈہ ضلع ورنگل میں ۱۱/۳۳ کے۔وی سب اسٹیشن کا افتتاح کیا۔ رورل الیکٹریفکیشن کارپوریشن نئی دہلی کی جانب سے رورل الیکٹریفکیشن پروگرام کے تحت اس سب اسٹیشن کے قیام کی منظوری دی گئی۔ اس سب اسٹیشن کی تعمیر پر ۹ ۷ ۱۶۶ لاکھ روپے خرچ کئے گئے اور یہ بہت قلیل مدت میں پائے تکمیل کو پہنچا۔ اس سب اسٹیشن سے تقریباً ۱۵۰۰ زرعی پمپ سیٹوں چھوٹی صنعتوں اور دوسرے صارفین کو بجلی مہیا کی جائے گی۔ نرسم پیٹھ اور وردھنا پیٹھ تعلقہ جات کے مواضعات میں بجلی کی سربراہی کا موقف بہتر ہو جائے گا۔ سکریٹری نے بتایا کہ کم وولٹیج کا مسئلہ ۱۹۸۵ء میں حل ہو جائے گا۔

زرعی قرضہ جات

حکومت نے سال ۸۵-۱۹۸۴ء کے دوران ریاستی زرعی قرضہ جات کے استحکام کے لیے ایک خصوصی فنڈ قائم کرنے کی منظوری دی ہے جس کیلئے ۲۷،۵۰ لاکھ روپے منظور کئے گئے ہیں۔ اس کے شرائط یہ ہیں:-

اسٹیٹ کوآپریٹیو بنک کو اوسط مدتی قرضوں کی فراہمی کے ذریعہ ۳ سال کی مدت تک امداد پہنچانا۔ جسکی ادائی تین اقساط میں کی جاسکے گی پہلی قسط ۱۵ ماہ کے بعد دوسری قسط ۲۴ ماہ کے بعد تیسری قسط ۲۶ ماہ کے بعد کی جاسکے گی۔

ضلع سریکا کلم

مسٹر ایس ایچ شرما ڈسٹرکٹ کلکٹر سریکا کلم نے "ہفتہ کمزور ط[illegible] کی بہبود" تقاریب میں ۲۴ر نومبر ۸۴ء کو شرکت کرتے ہوئے ۱۲،۱۹ لاکھ روپے اور ۸۵ رکشائیں کمزور طبقات کو معاشی منفعت کے لیے تقسیم کیے۔

ڈسٹرکٹ کلکٹر نے بتایا کہ ضلع میں ۱۹ زونوں کو خشک سالی سے متاثرہ قرار دیا گیا ہے۔ خشک سالی امدادی کاموں پر خرچ کرنے کے لیے ۵۰ لاکھ روپے جاری کئے گئے۔

۱،۵۸ لاکھ ایکر پر پھیلی ہوئی فصلوں کو نقصان پہنچا اور نقصان کا تخمینہ ۱۲،۳۶ کروڑ روپے کیا گیا ہے۔

آنکھوں کے علاج کا مفت کیمپ

وزیانگرم لائینز کلب کی جانب سے منعقد کردہ آنکھوں کے علاج کا مفت کیمپ میں ۱۱،۷۵ اسکول کے بچوں نے شرکت کی۔ یہ کیمپ ۱۴ تا ۱۹ر نومبر ۸۴ء منعقد کیا گیا۔ بچوں میں وٹامن ڈی کیاپسول مفت تقسیم کئے گئے۔

اسٹریٹ لائٹ، مسٹر کے اپالا نائیڈو وزیر نے ۲۴ر نومبر کو موضع لکشم پیٹھ تعلقہ ویام پیٹھ میں اسٹریٹ لائیٹس کا افتتاح کیا۔

آتشزدگی کے متاثرین کو مالی امداد: مسٹر ڈی۔ ستیہ نارائن تحصیلدار نیلی مرلہ نے بتایا کہ موضع تیشنگی میں آتشزدگی سے متاثر ہونے والے افراد کی امداد کے لیے ۲۳ر نومبر ۸۴ء کو (۳،۲۵۰) روپے دیئے گئے

اور ۵ تھیلے چاول تقسیم کئے گئے۔ آتشزدگی سے جائیداد کو پہنچنے والے نقصان کا ۳۴ لاکھ روپے تخمینہ لگایا گیا ہے۔

لوم رکشا راں : مسٹر کے۔ اپالا نائیڈو وزیر انڈومنٹ نے ۲۴ نومبر ۱۹۸۴ء کو ذاتی رکشا فراہم کرنے کی اسکیم کے تحت رکشا رانوں میں ۳۴ رکشا تقسیم کئے۔ ایگزیکٹیو افسر (ایس۔ای۔ٹی۔ ڈی۔ آئی۔ این) نے بتایا کہ مذکورہ بالا پروگرام کے تحت ضلع میں کمزور طبقات کے رکشا رانوں کو ۱۰۰۰ رکشا تقسیم کئے جائیں گے۔ اس اسکیم سے مستفیض ہونے والوں میں ۴۹۷ درج فہرست اقوام، ۳۱ درج فہرست قبائل ۳۵۲ پسماندہ طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد شامل ہیں۔

قبائلی علاقوں میں ۱۷۲۵ پمپ سیٹوں کو بجلی کی سربراہی

ایک سرکاری جائزے کے مطابق ماہ اگست ۱۹۸۴ء کے ختم تک قبائلی علاقوں کے ۱۷۲ پمپ سیٹوں کو بجلی سربراہ کی گئی۔ انٹیگریٹیڈ ٹرائبل ڈیولپمنٹ ایجنسیوں کے ایکشن پلانس کے تحت اب تک ۱۱۵۰ کنویں کھدائے گئے مزید ۵۸۵ کنوویں کھدانے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

ضلع واری پروگرام کے تحت حسب ذیل پمپ سیٹوں کی تعداد کو بجلی سربراہ کی جائے گی۔ سریکاکلم ۱۵۰، وزیانگرم ۴۷، وساکھاپٹنم ۱۶، مشرقی گوداوری ۷، مغربی گوداوری ۳۷، کھمم ۱۷۸، ورنگل ۴۱۰ اور عادل آباد ۴۵۰۔ اس پروگرام کی عمل آوری پر ۲۱۸ لاکھ روپے خرچ ہونگے۔

بے زمین غربا کیلئے وظائف

ڈسٹرکٹ کلکٹر ضلع مشرقی گوداوری نے مطلع کیا ہے کہ ریاستی حکومت نے ۶۰ سال سے زاید عمر کے بے زمین زرعی مزدوروں کو وظیفہ پیرانہ سالی دینے کے لیے ۲۷ لاکھ روپے منظور کئے ہیں۔ تقریباً ۲۱ ہزار بے زمین زرعی مزدوروں کو ان وظائف سے فائدہ پہنچے گا۔ وظائف کے لیے درخواستوں کے فارم متعلقہ تعلقہ دفتروں سے مفت حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

جنتا ساڑیوں اور دھوتیوں کی تقسیم

مسٹر وی۔ شرما راؤ ڈسٹرکٹ کلکٹر وزیانگرم نے مطلع کیا ہے کہ ماہ نومبر ۸۴ء میں تقسیم کرنے کے لیے ۱۱۲۰۸ عدد جنتا ساڑیاں اور دھوتیاں ضلع وزیانگرم کے لیے منظور کئے گئے ہیں۔ یہ کپڑے سبز راشن کارڈ رکھنے والوں کو علی الترتیب ۱۴ روپے ۳۵ پیسے اور ۸ روپے ۴۰ پیسے کے حساب سے ۵۰ فیصد رعایتی قیمت پر فروخت کئے جائیں گے۔ ضلع میں سیتی مستقروں کے دفاتر میں خصوصی کاؤنٹروں کے قیام کے بعد یہ کپڑے فروخت کئے جائیں گے۔

وظائف کی منظوری

مسٹر ایچ۔ ایس۔ برہما ڈسٹرکٹ کلکٹر سریکاکلم نے اطلاع دی ہے کہ ضلع میں ۶۰ سال یا اس سے زائد عمر کے بے زمین مزدوروں کو وظائف دیئے جائیں گے۔ وظائف کی منظوری کے شرائط یہ ہیں کہ وظیفہ کے مستحق زرعی مزدور دیہات کے رہنے والے ہوں اور انہیں ریاستی یا مرکزی حکومت سے کسی قسم کا وظیفہ نہ ملتا ہو۔

درخواستگزاروں کو چاہیئے کہ وہ اپنی عمر کے صداقت نامہ اور تین پاسپورٹ سائز کے تصاویر اپنی درخواستوں کے ساتھ منسلک کرکے درخواستیں متعلقہ تحصیلدار کے دفتر روانہ کریں۔

پرگتی پدھم

۱۵- نکاتی پروگرام



پانی کے حصول کیلئے طویل مسافت طے کرنے کی زحمت جلد ختم ہوجائے گی

۱- ہر ایک کے لیے پینے کا پانی

پینے کے پانی کے حصول کے لیے اب طویل مسافت طے کرنا نہیں پڑے گی۔ سال ۸۴-۱۹۸۳ء میں تمام مواضعات کے محفوظ پانی کی سربراہی ایک حقیقت بن جائے گی ۲۲ ۶ ۳۵ کروڑ روپے کے خرچ سے ۳۸۸۴ دیہات کو پینے کا پانی مہیا کیا جائے گا۔



پیٹ بھر کھانے کے ساتھ لکھنے پڑھنے کا انتظام

۲- تعلیم کے ساتھ غذا :-

مدارس میں بچوں کے لیے دوپہر کے کھانے کے پروگرام کو روبہ عمل لایا جارہا ہے تاکہ بچوں کی جسمانی اور دماغی نشو ونما میں توازن رکھا جاسکے۔ یہ انتظام سماج کے کمزور طبقات سے تعلق رکھنے والے ۶ تا ۱۱ سال کی عمر کے بچوں کے لیے کیا گیا ہے۔



غریب لوگوں کیلئے چاول کی سربراہی

۳- دو روپے فی کلو چاول

غریب عوام کے لیے ۲ روپے فی کلو کے حساب سے ۲۵ کلو چاول کی حد تک سربراہ کیا جائے گا۔ ۶ ہزار روپے سالانہ سے کم آمدنی والے خاندان یہ چاول ۳ یا ۴ اقساط میں خرید سکتے ہیں۔

کمزور طاقتور ہوجائیں گے

(۴) درج فہرست اقوام کی فلاح



۱۷۳ کروڑ روپوں کی لاگت سے اختیار کیے جانے والی فلاحی اقدامات کی بدولت درج فہرست اقوام کے ۲ لاکھ ۵۰ ہزار خانہ ازوں کے لیے ۸۴-۱۹۸۳ء میں نئے راستے کھل جائیں گے۔

قبائلیوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جائے گا



۵ - درج فہرست قبائل کی بہبودی

قبائیلیوں کو اب کبھی بھی نظر انداز نہیں کیا جائے گا قبائیلیوں کے ۵۰ ہزار خاندانوں کی غربت کی سطح سے اٹھانے کے لیے امداد کی جائے گی۔ ۵۲ کروڑ روپے تعلیم، انفرااسٹرکچر اور معاشی امدادی پروگرامز پر خرچ کیے جائیں گے۔

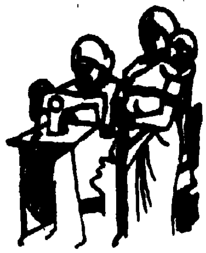
پسماندہ طبقات آگے بڑھیں گے



۶ - پسماندہ طبقات کی بہبودی

پسماندہ طبقات کی زندگی کے حالات کو بہتر بنانے کیلئے (۱۴۸۰) لاکھ روپے کے خرچ سے اسکیمات شروع کی جائیں گی اسی ضمن میں بینکوں سے بھی امداد لی جائے گی۔

خوا [illegible]
بڑھیں [illegible]



۷ - خواتین کی بھلائی

معاشی امدادی پروگراموں کے ذریعہ خواتین کی سماجی اور معاشی قید و بند سے آزاد کرا لیا جائے گا۔ اس مقصد کے لیے ۷۷۰ لاکھ روپے مختص کیے گئے ہیں۔ عورتوں کو آبائی جائیداد میں برابر حصہ دلانے کے اقدامات کیے گئے ہیں۔

سر چھپانے کیلئے سائبان

۸ - کمزور طبقات کے لیے مکانات

اس پروگرام کے تحت مستقل مکانات کی فراہمی کی غرض سے ہر ضلع میں کمزور طبقات کے لیے سال ۸۴ - ۱۹۸۳ء کے دوران ۱۰ ہزار مکانات تعمیر کرنے کا پروگرام بنایا گیا ہے۔ اس مقصد کے لیے ۲۰ء ۱۴۶ کروڑ روپے خرچ کیے جائیں گے۔ ۲۲ کروڑ روپے کے خرچ سے ۲ لاکھ خاندانوں کو مکانات کی اراضی مہیا کی جائے گی

کسانوں کی بہبودی



۹۔ کسانوں کی امداد

کسانوں کی بہتری کے لیے ہمہ جہتی حکمت عملی اختیار کی جائے گی۔ سال ۸۴-۱۹۸۳ء کے دوران کاشتکاروں کے لیے ۳۴۰ کروڑ روپے مختص کئے گئے ہیں۔ جس میں سے ۱۵ کروڑ چھوٹی آبپاشی، ۲۵ کروڑ پمپ سیٹوں کو بجلی کی سربراہی۔ ۲٫۲۵ کروڑ روپے ریشم سازی اور ۳ کروڑ روپے اعلیٰ معیار کے بیج سربراہ کرنے کے لیے دیئے جائیں گے مابقی تقریباً ۳۰۰ کروڑ روپے کوآپریٹیو اداروں کے ذریعہ قرض۔ مارکٹنگ اور کیمیائی کھاد کے لیے دیئے جائیں گے

دیہی علاقوں کا بدلتا ہوا منظر



۱۰۔ دیہی علاقوں کی جامع ترقی

دیہی علاقوں میں تیز رفتار تبدیلی آرہی ہے۔ جامع ترقی دیہی نصب العین بن گیا ہے۔ ڈی۔ آر۔ ڈی۔ آئی اور آئی۔ آر۔ ڈی۔ اے کے تحت ۲ لاکھ خاندانوں کی منفعت کیلئے ریاست کے حصہ کی ۱۳٫۲۰ کروڑ روپے کے بشمول ۲۶٫۴۰ کروڑ روپے کی لاگت سے مختلف پروگرام شروع کئے جارہے ہیں۔

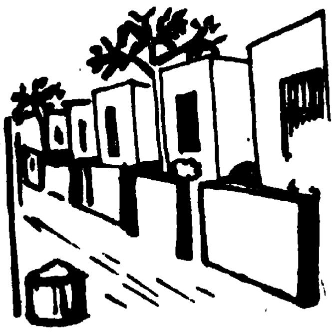
نوجوانوں کی صلاحیتوں سے استفادہ



۱۱۔ نوجوانوں کی فلاح

دیہی ترقیاتی پروگراموں میں نوجوانوں کو رضاکارانہ طور پر شامل کرنے کے منصوبے تیار کئے جارہے ہیں۔ ہر ضلع میں ۵۰۰ نوجوانوں کو فلاحی پروگراموں میں شرکت کرنے کے لیے ٹریننگ دی جائے گی۔

گندی بستیوں میں رہنے والوں کیلئے بہتر رہائشی انتظام



۱۲۔ گندی بستیوں کو بہتر بنانے اور

وہاں رہنے والوں کے لئے بہتر رہائشی انتظام کے پروگراموں پر ۶۱۰ لاکھ روپے خرچ کئے جائیں گے تاکہ شہری علاقوں کی گندی بستیوں کے رہائشی حالات اور ماحول کو بہتر بنایا جاسکے۔

دستکاروں اور کاریگروں سے بہتر سلوک



۱۳- دیہی کاریگروں اور دستکاروں کی ہمت افزائی

دستکاروں اور کاریگروں کے لیے اضلاع میں ۳۱۹ کامپلکس قائم کیئے جائیں گے تاکہ ان لوگوں کو کام کرنے کی سہولت مہیا کی جاسکے ۔ ریاست کے مشہور مصنوعات کی ازسرنو ہمت افزائی کی جائے گی۔

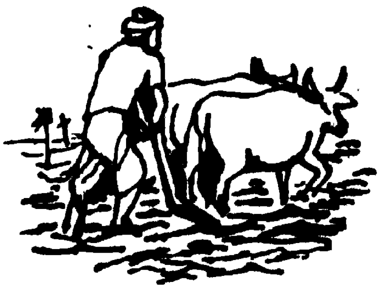
عوامی شکایات کا شعبہ



۱۴- عوامی شکایات کا شعبہ

عوام کی ہر شکایت پر توجہ دی جائے گی فبروری ۱۹۸۳ء سے اضلاع اور سکریٹریٹ میں عوامی شکایات کا شعبہ کام کر رہا ہے جہاں شکایتی درخواستیں وصول کی جاتی ہیں اور فی الفور اُن کے ازالے کی کارروائی کی جاتی ہے ۔ عوام کی مدد سے بدعنوانی اور رشوت ستانی کا خاتمہ کیا جائے

بے زمینوں کے لئے زمین



۱۵ - اصلاحات اراضی

مکانات اور کاشتکاری کے لیے بے زمین و بے گھر عوام کو اراضیات فراہم کی جائیں گی ۔ حکومت اصلاحات اراضی کو تیزی سے روبہ عمل لانے کا مصمم ارادہ کیئے ہوئے ہے۔

رکشا چلانے والوں کی بہبودی

ریاست آندھراپردیش میں کمزور طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد کی ایک بڑی تعداد رکشا کھینچنے کے کام میں لگی ہوئی ہے ان کی بہت بڑی تعداد ایسی ہے جن کا کوئی ذاتی رکشا نہیں۔ رکشا مالکین اس صورت حال کا فایدہ اٹھاتے ہوئے رکشا کھینچنے والے افراد کا استحصال کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں سخت جسمانی محنت کے باوجود ان لوگوں کی آمدنی بہت کم ہوتی ہے۔

حکومت چاہتی ہے کہ رکشا چلانے والے ذاتی رکشا کے مالک بن جائیں اور ان کے معاشی حالات بہتر ہو جائیں۔ اس سلسلے میں اٹھائے جانے والے پہلے قدم کے طور پر حکومت نے فی الفور ایک خصوصی پروگرام کی عمل آوری کے ذریعے رکشا کھینچنے والوں کو آسان قرض کی سہولت اور امداد فراہم کرتے ہوئے ذاتی رکشا خریدنے کے قابل بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔

فیصلہ کے مطابق ایک اسکیم "اپنے ذاتی رکشا کے مالک بن جائے" کے زیر عنوان ایک اسکیم تیار کرنے کی ہدایات دی گئی ہیں جس پر یکم نومبر ۸۴ء سے عمل آوری شروع ہو چکی ہے۔ اسکیم کے اہم خدوخال حسب ذیل ہیں۔

موازنے کی رقم

اس اسکیم کی عمل آوری کے لیے ایک کروڑ روپے کی رقم فراہم کی گئی ہے۔ اس رقم کا ۱۰ فیصد حصہ رکشا چلانے والوں کے خصوصی فلاحی پروگراموں پر صرف کیا جائے گا۔ ماباقی ۹۰ لاکھ روپے کی رقم کو ۲۰ فیصد امداد کی شرح سے رکشا کھینچنے والوں کے لیے رکشاؤں کی خریدی میں استعمال کیا جائے گا۔ اس اسکیم کے لیے درکار مزید رقم کمرشیل بینکوں اور مالیہ فراہم کرنے والے اداروں سے حاصل کی جائے گی۔

اسکیم کے مقاصد و دائرہ عمل

حقیقت میں جو لوگ رکشا چلا رہے ہیں انہیں ذاتی رکشا خریدنے کے لیے قرض اور امدادی رقم فراہم کی جائے گی۔ نئے رکشا کی خریدی کے شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے رکشا چلانے والے خود مالکین رکشا سے ان کے زیر استعمال رکشا خرید سکتے ہیں۔

اسکیم کی عمل آوری

دونوں شہروں حیدرآباد و سکندرآباد میں "سٹ ون" ادارے کی جانب سے اس اسکیم پر عمل آوری ہوگی۔ ضلع کی سطح پر ایمپلائمنٹ اسکیم آرگنائزیشن اس اسکیم کو روبہ عمل لائیں گے۔ متذکرہ ادارے دوسرے ایجنسیوں بشمول ایس سی / ایس ٹی / بی سی / بی ایچ / کارپوریشنوں سے تعاون کریں گے اور اس اسکیم کی عمل آوری کی مکمل نگرانی کریں گے۔ مالکین رکشا سے پرانا رکشا کی خریدی کے معاملے میں بے حد احتیاط ملحوظ رکھی جائے تاکہ امکانی بدعنوانی سے بچ سکیں۔

مقامات

یہ اسکیم ریاست کے تمام میونسپل اور میونسپل کارپوریشن کے علاقوں میں نافذ کی گئی ہے۔ دوسرے علاقوں آئی۔ آر۔ ڈی۔ پی

کی جانب سے دی جانے والی امدادی رقم کو اس کام کے لیے استعمال کیا جائےگا

رکشاؤں کی فراہمی

اس اسکیم کے تحت جب بھی نئے رکشا خریدے جائیں سٹڈن اور اسپیشل امپلائمنٹ اسکیم آرگنائزیشن بشمول جسمانی معذورین کے کارپوریشن اور دوسرے کارپوریشن کی جانب سے رکشا تیار کرنے کے لیے قائم کردہ یونیٹوں کی صلاحیتوں کو ممکنہ حد تک مضبوطی اور پائیداری کا خیال رکھتے ہوئے کام لیا جائے گا۔

فلاحی پروگرام

خصوصی فلاحی اسکیمات جیسے رکشاؤں کی درستگی کے ورکشاپوں کا قیام موزوں مقامات پر فاضل پرزوں کی فراہمی ۔ رکشا چلانے والوں کے آرام لینے کے سائبان کی تعمیر۔ موزوں مقامات پر کینٹینوں کا قیام۔ رکشاؤں کو ٹھہرانے کے لیے مناسب مقامات کا تعین ۔ اور دیگر سہولتیں ۔ طبی سہولتیں وغیرہ میونسپل کارپوریشن کے تعاون سے اختیار کی جائیں گی۔

رکشا چلانے والوں کے لیے مکانات کی فراہمی کے لیے کمزور طبقات کی تعمیر امکنہ کی موجودہ اسکیمات سے ممکنہ حد تک استفادہ کیا جائے گا۔

کمزور طبقات کی بہبود

بے زمین زرعی مزدوروں کو وظائف کی منظوری

آندھرا پردیش عام طور پر ایک زرعی ریاست ہے۔ اور عوام کا بڑا حصہ گذر بسر کے لیے راست یا بالراست زراعت پر انحصار کرتا ہے۔ ریاست کی آبادی کا ایک بڑا تعداد بے زمین زرعی مزدوروں پر مشتمل ہے جن کا تعلق کمزور اور پچھلے ہوئے طبقات سے ہے۔ بے زمین زرعی مزدوروں میں ضعیف افراد عام طور پر مصائب کا شکار ہیں کیونکہ خاندان میں کمائی کے قابل افراد کی آمدنی بہت ہی قلیل ہوتی ہے۔ اسی لیے ریاستی حکومت کی جانب سے بے زمین زرعی مزدوروں کو سماجی تحفظ پہنچانے کی غرض سے "بے زمین زرعی محنت کشوں کو وظیفے دینے کی اسکیم" نافذ کی گئی ہے۔ یہ اسکیم نومبر ۸۴ء سے رائج کر دی گئی ہے۔

استحقاق

اس اسکیم کا اطلاق ۶۰ سال یا اس سے زائد عمر والے مزدوروں پر ہوگا جو اپنی کوئی زرعی زمین کے مالک نہیں ہیں اور جن کا ذریعہ صرف زرعی محنت ہی سے حاصل ہوتا ہے۔

ایسے افراد جن کی کسی ادارے کی جانب سے دیکھ بھال کی جاتی ہو یا ایسے افراد ریاستی یا مرکزی حکومت کی جانب سے کسی قسم کی مالی امداد یا وظیفہ حاصل کرتے ہوں یا آمدنی کا کوئی ذریعہ انہیں دستیاب ہو ایسے افراد پر اس اسکیم کا اطلاق نہیں ہوگا۔

وظائف

۶۰ سال یا اس سے زائد عمر کے ہر ایک زرعی مزدور اس وظیفے کو پانے کا مستحق ہوگا جو ماہانہ ۳۰ روپے کے حساب سے ہر ماہ کے ختم پر ادا کیا جائےگا۔

ایسی صورت میں جہاں بیوی اور خاوند دونوں ہی ۶۰ سال یا اس سے زاید عمر کے ہوں اور اس وظیفے کو پانے کے مستحق قرار پاتے ہوں تو صرف بیوی کو یہ وظیفہ منظور کیا جائے گا۔ اگر بیوی کی عمر ۶۰ سال سے کم ہو تو خاوند کی رضامندی حاصل کرنے کے بعد یہ وظیفہ بیوی کو ادا کیا جائےگا

ریوینیو ڈیویژنل آفسر یا سب کلکٹر کو وظیفہ منظور کرنے کے اختیارات دیے گئے ہیں۔

مستفیضین

تخمینہ کے مطابق تقریباً ۵ لاکھ زرعی مزدور اس اسکیم کے تحت فایدہ حاصل کر سکیں گے۔ سال رواں کے دوران ان وظائف کی تقسیم کے لیے ۶ کروڑ روپے منظور کر دیے گئے ہیں۔



آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی

کو

منظوم خراج عقیدت

"اندرا کا قتل"....

خواجہ شوق

تہذیب، امن، خلوص، مروت کا قتل ہے
انسانیت کا خون۔ شرافت کا قتل ہے
طوفان شکن جسارت و ہمت کا قتل ہے
جمہوریت کی بولتی عظمت کا قتل ہے

تاریخ ساز دورِ قیادت کا قتل ہے
اندرا کا قتل، اصل میں بھارت کا قتل ہے

چمکا دیا بہ عزم جواں ملک و قوم کو
سمجھایا منزلوں کا نشاں ملک و قوم کو
بخشا مزاج دیدہ وراں ملک و قوم کو
پہنچا دیا کہاں سے کہاں ملک و قوم کو

بیداریٔ شعور سیاست کا قتل ہے
اندرا کا قتل، اصل میں بھارت کا قتل ہے

تھے شب چراغ جسکے ہمالائی حوصلے
ایسے نکالے حسن تدبر سے راستے
دشمن بھی معترف رہے اس با کمال کے
سب کارنامے اہل جہاں دیکھتے رہے

وقت آشنا نگاہِ بصیرت کا قتل ہے
اندرا کا قتل، اصل میں بھارت کا قتل ہے

بھارت کو مل سکیگا نہ اب ایسا رہنما
نہرو کے بعد جس کو کہیں اوج ارتقا
ممکن نہیں کسی سے بھی پُر ہو یہ خلا
اندرا تھی ہند۔ ہند تھا اندرا بنا ہوا

یہ قتل ایک زندہ حقیقت کا قتل ہے
اندرا کا قتل، اصل میں بھارت کا قتل ہے

اے قائد عظیم تجھے آخری سلام
دنیا نے تجھکو مان لیا رہبر عوام
تجھکو ہٹا دیا گیا رستے سے لاکلام
لیکن مٹا سکینگے نہ دل سے ترا مقام

بیٹی کا، ماں کا، بہن کا، عورت کا قتل ہے
اندرا کا قتل، اصل میں بھارت کا قتل ہے

ڈاکٹر کنول پرشاد کنول
بھیم سدن۔
13-2-667
مغل پورہ حیدرآباد ۲

عظیم سفر

چیرتی آتما کی پرتوں کو / کیسی آئی یہ ریڈیو سے خبر
پربتوں کے جگر ہوئے پانی / وقت کی سانس رک گئی سن کر

وہ مسیحا جو جلتی دنیا میں / امن کا، شانتی کا پیمبر تھا
ایک مندر، پوترمتا کا / پریت کا اور دیا کا پیکر تھا

عزم کی حوصلے کی وہ چٹان / زلزلہ بھی جسے ہلا نہ سکے
جس کے کردار کی بلندی سے / آسماں بھی نظر ملا نہ سکے

سارے دکھیوں کے دکھ کو پینے کا / رام جی سے ملا تھا کام جسے
حسن کے بے پناہ دھن کے ساتھ / اندرا کا ملا تھا نام جسے

موت کا اکی دے کے سندیسہ / کوئی بے مرت ہم کو مار گیا
دل پہ دنیا کے نیک لوگوں کے / غم کا کوہِ گراں اتار گیا

دن دہاڑے کیا جہالت نے / تپ کا، نیکی کا، راستی کا قتل
کیسے اب گھر میں روشنی ہوگی؟ / ہوگیا آج روشنی کا قتل

تن بدن کا کسی کو ہوش نہیں / تیرے غم میں ہے دیش یوں پاگل
گولیوں نے تجھے ڈسا، لیکن / ہوگئی ہے کلی کلی گھائل

تجھ پہ قابو نہ چل سکا جب ماں! / سازشوں کا بنایا تجھ کو شکار
سامراجی غلیظ لوگوں نے / بزدلی سے کیا ہے تجھ پر وار

تو تو مر کر ہوئی امر اندرا! / تیرے بن دیش ہوگیا ہے یتیم
قتل کر کے تجھے جو خوش ہیں آج / ہونگے شرمندہ ایک دن وہ غنیم

تیری بے مثل سرفروشی کی
حیرتیں داستاں سنائینگی
تو امر ہوگی رہتی دنیا تک
عظمتیں تیرے گیت گائینگی

اسحاق ملک
22-1-873 سلطان پورہ حیدرآباد ۲۴

امر ہے اندرا

یہ سب ذہنوں کے مفلس ہیں
یہ الٹی سوچ کے انساں!
جو قتل و خون کر کے سینہ تانے
یہ سمجھتے ہیں
کہ ہم نے اس کو، اُسکو اس جہاں سے ہی مٹا ڈالا
کہ انسانے کو آگے بڑھنے سے پہلے مٹا ڈالا

مگر یہ عقل کے اندھے
یہ دشمن ہوش و دانش کے
شعورِ پختہ سے گزرے ہوئے، اِدراک سے عاری
انھیں یہ کون بتلائے
انھیں یہ کون سمجھائے
مقامِ عظمت و شوکت کسی کا کھو نہیں سکتا
کہ اِک کردار ستھرا قتل ہرگز ہو نہیں سکتا
نہ جیب و آستیں تر کر
امر ہے اندرا مر کر

وقار خلیل (حیدرآباد)

امر جیوتی

روشنی، گھر کی دہلیز سے
ہند کے بام و در، شہر و صحرا سے ہو کر
مشینوں، خلائی مراکز سے اور مندروں، معبدوں، مسجدوں سے
سویرے کی صورت افق تا افق پھیلتی،
دائرہ دائرہ اپنے فیضان سے، کراں تا کراں
اپنے ہونے کا احساس دیتی رہی
کتنی پگڈنڈیاں، پیچ و خم رہ میں آباد کئے
روشنی سب کو تسخیر کرتے ہوئے، سفر پر روانہ ہوئی
اور پھر وہ ہوا، روشنی قتل کر دی گئی!
قتل مہتاب پر دفعتاً تیرگی چھا گئی
رہگزر کل جو گلنار تھی، کتنی چھتنار تھی
یک بیک جیسے سونی ہوئی اور مرجھا گئی
دھند، کہرام، ہر گام آہ و فغاں
سانحہ وہ ہوا ——
روشنی، صبح زرکار سی روشنی
آفتابوں سے جس کا تسلسل رہا، قتل کر دی گئی
از افق تا افق خون روشن ہوا
عنبریں جسم کی ہر ادا، مقصدِ زندگی کی دھنک بن گئی
ایک شعلہ
حدودِ زماں و مکاں توڑ کر عصر کی وسعتوں کا اثاثہ بنا
جس کی فکر و نظر کا ہر اک زاویہ عظمتوں کا ہمارا بنے
شیطنت، جبر اور ظلم سے جنگ کرنے کی تلقین کرتا رہے گا
روشنی قتل ہوتی نہیں اور مرتی نہیں
روشنی جب سفر پر روانہ ہوئی
امر دیپ اک جیوتی بن گئی

کمال جائسی
کرنیل گنج، کانپور

"تمام جسم معطر کفن گلابی"

افق پہ چاند کی ہر اک کرن گلابی ہے
اجالے خون کے ہیں انجمن گلابی ہے
شہید ناز ترے مرتبے کا کیا کہنا
تمام جسم معطر کفن گلابی ہے
دیارِ مرگ میں زندہ رہے گی تا بہ ابد
دیا ہے پھولوں کی جان چمن گلابی ہے
بہار یاد شہید وطن شباب پہ ہے
لہو لہو ہے چمن اور بن گلابی ہے
سرار حوں سے ہے رنگین نوا بہاروں کی
لباس درد میں ردیف سخن گلابی ہے
اڑی ہے گرد ملال آج سب کے چہرے پر
فضا میں اشکوں کی سارا چمن گلابی ہے
گلاب نہرو کو پیارے تمام عمر رہا ہے
اب اندرا کی چتا پہ گگن گلابی ہے
اجل کے سائے میں لمحوں نے دی ہے داد حیات
لبوں پہ قصۂ دار و رسن گلابی ہے
دکھوں کی رات میں جس نے دیئے تھے تحفۂ عزم
وہ آج مشعل شعلہ بدن گلابی ہے
لویں وفا کے چراغوں کی ہیں شفق افشاں
اندھیری شب میں لب سیم تن گلابی ہے
تمام زخموں کی رکھ لی ہے آبرو اس نے
لہو میں ڈوب کے وہ پیرہن گلابی ہے
سبھی دلوں کے شوالے نہ کیوں غموں سے کمال
بقول شیخ رتو برہمن گلابی ہے

از : ہما شاہین بی اے (عثمانیہ)
۱۴۵ - ۴ - ۲۱ ڈیوڑھی ملاحمید جارکمان حیدرآباد

تیسری دنیا کی روشنی - شریمتی اندرا گاندھی



شخصیت اور کارنامے

"وہ جنگل کتنے دلنواز، بے تاب اور گھنے ہیں
لیکن مجھے اپنے عہد و پیمان پورے کرنے ہیں
اور سونے سے قبل کوسوں دور جانا ہے۔
اور سونے سے قبل کوسوں دور جانا ہے۔"
(رابرٹ فراسٹ)

امریکہ کے شاعر رابرٹ فراسٹ کے اِن اشعار نے جو مسٹر نہرو کی وفات کے بعد ایک پیڈ پر خود مسٹر نہرو کے ہاتھ سے لکھتے ہوئے پائے گئے تھے مجھے بے انتہا متاثر کیا تھا۔ میری نظریں کسی ایک شخصیت کی متلاشی ہیں جو اِن اشعار کی مظہر ہوں۔ ایسی شخصیت میں مجھے شریمتی اندرا گاندھی ہی نظر آئیں۔ آنجہانی اندرا گاندھی ہمارے دور کی ایک عظیم مثالی خاتون تھیں۔ پنڈت موتی لال کی پوتی، جواہر لال کی بیٹی ہندستان کی صرف وزیر اعظم ہی نہیں بلکہ تیسری دنیا کی روح رواں ــ جدید ہندستان کی ایک تاریخ بنائی، پورے عزم و حوصلہ کے ساتھ ملک کے سیاسی افق پر چھائی رہیں۔

میرا ہمیشہ سے یہ ایقان رہا ہے کہ عورت فولاد سے زیادہ مضبوط، چٹان سے زیادہ پائیدار اور سمندر سے زیادہ وسیع القلب اور پھول سے زیادہ نازک ہوتی ہے۔ شریمتی گاندھی ایک غیر معمولی خاتون تھیں۔ ہمت دلیری، خود اعتمادی ان میں کوٹ کوٹ کر بھری پڑی تھی۔ پہاڑیوں میں موسم بہار کے کھلتے ہوئے پھولوں سے اُن کو پیار تھا وہ چاہتی تھیں کہ ایسے پہاڑی علاقوں میں زندگی گذاریں۔ جہاں سایہ دار درخت ہوں اور جھرنے بہہ رہے ہوں اور فضاء پرسکون ہو۔ انہوں نے امید کے گیسوؤں سے سوئے ہوئے دلوں کو جگایا۔ آزادی کے بعد ہندستان کی ترقی، عظمت، فکر و ذہن سوچ نے جو نقش بنایا جو رنگ بھرا جو جہت دی وہ ہمارا قومی اثاثہ ہے۔ بے مثال تدبر، فراست و دانشمندی سے ہندستان بلکہ تیسری دنیا یورپ و افریقی ممالک کے کئی پیچیدہ مسائل حل کئے۔ ملک کے لیے نہرو خاندان کی خدمات قابلِ ستائش ہیں۔ جمہوریت، سکولرازم اور مذہبی رواداری کے اس منتخبہ راستے سے جس کا انتخاب اس کے جدید معماروں بابائے قوم مہاتما گاندھی، پنڈت جواہر لال نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر امبیڈکر جیسے لیڈروں نے کیا تھا۔ شریمتی گاندھی ان ہی قومی رہنماؤں کے خواب کی تعبیر تھیں۔ اپنے طویل دورِ حکومت میں انہوں نے اعلیٰ و ارفع قدروں کو برقرار رکھنے کی حتی المقدور سعی کی تھی۔ اس ملک کا اتحاد جیسے اُن کی شخصیت میں مجسم ہوگیا تھا۔

شریمتی اندرا گاندھی ۱۹ر نومبر ۱۹۱۷ء الہ آباد میں پیدا ہوئیں۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم شانتی نکیتن میں حاصل کی اس کے بعد پھوپی مسز وجے لکشمی پنڈت کے ساتھ سوئٹزرلینڈ چلی گئیں۔ وہاں ایک بورڈنگ اسکول میں داخلہ لیا۔ بعد ازاں

آکسفورڈ میں تعلیم حاصل کی۔ شریمتی گاندھی کی پرورش پنڈت نہرو نے نہایت چاؤ سے کی عام روش سے ہٹ کر ان کو خطوط لکھے۔ شریمتی گاندھی اپنی حس مزاح کے لیے بھی شہرت رکھتی تھیں۔

سنہ ۱۹۴۲ء میں شریمتی گاندھی کی شادی پارسی وکیل شری فیروز گاندھی سے ہوئی تھی یہ شادی پسند کی شادی تھی ایک انٹرویو میں انہوں نے خود کہا تھا وہ اور اُن کے شوہر طالب علموں کی حیثیت سے ایک دوسرے کو کافی عرصہ سے چاہتے تھے

ہندستانی قوم کو عہد جدید کی چوکھٹ پر لا کھڑا کرنا آپ کا نمایاں کارنامہ ہے وہ ایک بہترین مقرر، مصنف اور سیاسی مدبر، اسکالر خاتون تھیں پنڈت نہرو کی زندگی میں شریمتی گاندھی کو کانگریس کے صدر بننے کا اعزاز حاصل ہوا۔ وزیر اعظم کی حیثیت سے ۷۰ کروڑ عوام کی رہنمائی کا بھی انہیں شرف حاصل ہوا۔

شریمتی گاندھی نے بنگلہ دیش کی جد و جہد آزادی کے دوران جس بردباری فراست اور دور اندیشی سے کام لیا جس صلاحیت کا مظاہرہ کیا اس کی مثال مشکل سے ملتی ہے۔ چین و امریکہ کی دوستی کے بعد ہند۔روس دوستی اور معاہدہ تاشقند ہند پاک جنگی قیدیوں کی واپسی، معاہدہ شملہ، معاہدہ دہلی، ہند ایران دوستانہ تعلقات شاندار کارنامے ہیں۔ شملہ چوٹی کانفرنس میں مرحوم وزیر اعظم پاکستان مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ پائیدار امن کے لیے جس کامیابی سے بات چیت کی وہ ہر ہندستانی کے لیے پیام نوید ہے۔ وہ روزانہ ۱۸ گھنٹے کام کرتی تھیں۔ ملک کے پچھڑے ہوئے طبقات کے لیے اُن کا نعرہ غریبی ہٹاؤ، غریب عوام کبھی نہیں بھول سکتے۔ غریبوں کے علاوہ عورتوں، بچوں، بوڑھوں، نوجوانوں، محنت کشوں، سرمایہ داروں، ادیبوں، شاعروں، صحیفہ نگاروں آرٹسٹوں غرض سماج کے ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والوں سے مسائل سے آگہی حاصل کی اور ان مسائل کا حل تلاش کیا۔ شریمتی گاندھی جنوری سنہ ۱۹۶۶ء سے ۳۱ اکتوبر سنہ ۱۹۸۴ء تک (درمیان کے ایک وقفہ کو چھوڑ کر) اقتدار پر فائز رہیں۔ مسٹر لال بہادر شاستری (سابق وزیر اعظم) نے شریمتی گاندھی کو وزیر اطلاعات و نشریات کی حیثیت سے اپنی کابینہ میں شامل کیا تھا۔

شریمتی گاندھی ترقی پسند نظریات کی حامل لیڈر تھیں، ہندستان میں سوشلسٹ طرز کے سماج کے قیام کا عزم کر چکی تھیں، بھوکوں کو غذا دینا، ان کا ۲۰ نکاتی معاشی فارمولہ ہندستان کے غریب آدمی کے لیے ایک تحفہ ہے نوجوانوں کے لیے شریمتی اندرا گاندھی ایک مثالی شخصیت بن چکی تھیں۔

شریمتی اندرا گاندھی کی زندگی کا آخری جلسہ عام بھوبنیشور پریڈ گراؤنڈ پر منعقد ہوا اُن کی زندگی کا آخری خطاب تھا۔ انہوں نے قوم سے کہا تھا۔

" ہندستان کو جس دباؤ اور خطرات کا سامنا ہے وہ بہت زیادہ ہے انہوں نے اپیل کی تھی کہ زبان، علاقہ اور مذہب کے نام پر ہڑتالوں کو ترک کر دیں جس سے ملک کا اتحاد کمزور ہوتا ہے "

پر ہجوم عوام سے مخاطب ہو کر انہوں نے کہا تھا

"اگر میں قوم کے لیے مر بھی جاؤں
تو مجھے اس پر فخر ہوگا میرے
خون کا ہر قطرہ ملک کی ترقی
اور اس کی خوشحالی اور اس کے استحکام
میں مدد دے گا۔"

●●

ڈاکٹر سید مجاور حسین رضوی

گولڈن تھریشولڈ یونیورسٹی آف حیدرآباد، نامپلی اسٹیشن روڈ، حیدرآباد

اُردو اَدب اور مشترکہ ہندستانی تہذیب

تہذیب زندگی کی اُس تنظیم کا نام ہے جو ایک متمدن سماج کو ممکن بناتی ہے۔ زبان، فنون لطیفہ، فلسفہ، سماجی آداب و رسوم، سیاسی ادارے، اقتصادی تنظیمیں، تہذیب سے الگ نہیں ہیں۔ میک آئیور کے خیال میں تہذیب سے مراد وہ پورا میکانکی سسٹم اور تنظیم جسے انسان اپنی زندگی کے حالات پر قابو پانے کی کوشش کے سلسلے میں وضع کرتا رہتا ہے۔ ڈاکٹر عابد حسین افراد کے ہم آہنگ شعور کو تہذیب کا نام دیتے ہیں۔ جو ایک انسانی جماعت میں افراد کے جذبات سبھاؤ برتاوے ظاہر ہوتی ہے۔ تہذیب میں انسانوں کا رہن سہن فرد اور سماج کے رشتے بھی شامل ہوتے ہیں۔ اسی طرح اگر غور کیا جائے تو تہذیب کوئی جامد شئے نہیں۔ اس کا کوئی بھی ایسا تصور منطقی اعتبار سے درست نہیں ہے جس میں ٹھہراؤ ہو حالانکہ عام طور سے یہ سوچا جاتا ہے کہ تہذیب کوئی ایک ایسا گلاب کا پھول ہے جسے ہم اپنی مرضی سے کسی کے بالوں کے جوڑے میں لگا سکتے ہیں یا اپنے شیروانی کے بٹن میں ٹانک سکتے ہیں۔

مشترکہ تہذیب کا لفظ استعمال کرتے ہوئے بھی کچھ اسی طرح کے تصورات پیش کیے جاتے ہیں جیسے کوئی ایک شئے پہلے سے موجود تھی اس پر کسی دوسری شئے کا خول چڑھا دیا گیا اور پھر ایک تیسری شئے تیار ہو گئی اسی طرح کے افراد بڑی معصومیت سے جب بھی مشترکہ تہذیب کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس پہلو کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ تہذیب بھی وقت کی طرح سے ایک دھارے کا نام ہے۔ جس میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں

اور اگر کوئی تہذیب اس کی صلاحیت نہیں رکھتی کہ اُن تبدیلیوں کو قبول کر سکے تو پھر ایسی تہذیبوں کے سورج غروب ہو جاتے ہیں اور ہم انہیں بابل، نینوا اور یونان و روم اور الحمرا کے کھنڈروں میں تلاش کرتے رہتے ہیں تہذیب مطالبہ کرتی ہے (۱) تبدیلیوں کا (۲) اثرات قبول کرنے کا (۳) تسلسل کا (۴) ارتقاء کا ــ ظاہر ہے کہ اس طرح کے عمل کے لیے بنیادی طور پر وسیع النظری رواداری افہام و تفہیم کے جذبات اور ذہنی دریچوں کو کھلا رکھنا

ضرورت ہوتی ہے اگر اجتماعی طور پر ایسے تصورات نہیں ہوتے تو پھر تہذیب کا ارتقائی تصور باقی نہیں رہتا اور تاریخ کے صفحات میں ہی ایسی تہذیبوں کے نقوش تلاش کئے جاسکتے ہیں۔ انسانوں میں نہیں دیکھے جاسکتے۔ ایسا سماج اپنی تہذیبی شناخت گم کردیتا ہے اور اس کا تشخص اور اس کی پہچان ممکن نہیں رہ جاتی۔

ہندوستان کے تناظر میں بھی دو رجحانات نظر آتے ہیں۔ ایک رجحان وہ ہے جو دریچوں کو بند کرکے محدود دائرے کو ہی اپنانا چاہتا ہے۔ جو کثرت اور رنگا رنگی کا قائل نہیں اور تفریق پسندانہ رجحان رکھتا تھا اور رکھتا ہے۔ اور ایک رجحان وہ ہے جس نے دریچے کھول کر روشنی کو آنے دیا کہ روشنی زندگی کی علامت ہے اور جہاں یہ محسوس کیا کہ یہ روشنی صبح کی نرم کرنوں کی طرح نہیں ہے بلکہ اس تیز دھوپ کی طرح ہے جو وجود ہی کو جھلسا کر رکھ دے گی۔ وہاں انہوں نے اس پر بند باندھ دیئے۔ ہندوستانی تہذیب میں اکثر اس طرح کے عناصر تلاش کیے جاتے ہیں کہ یہ مقامی عنصر ہے اور یہ بیرونی عنصر ہے اسی طرح کے تصورات تاریخ کو پیچھے کی طرف لے جانے کے مترادف ہیں۔ پانی کے دھارے میں لٹھا گاڑ کر اس طرح کی تقسیم کہ یہ پہلے کا پانی ہے یہ بعد کا پانی ہے بیکار کوشش ہے۔ پریم چند نے ایک بار جے شنکر پرشاد سے کہا تھا "آپ کمرہ میں ہیں کرسی پر بیٹھے ہیں۔ میز سامنے ہے فرش بچھا ہوا ہے قالین ہے۔ پرشاد جی کرسی میز فرش قالین ہٹا بھی دیجئے تو کمرہ کو کیا کہیئے گا۔ پھر آپ رہیں گے کہاں ـــــ"

پریم چند کے یہ معنی خیز فقرے دراصل ہندوستانی سماج کے پورے تصور کو سامنے لاتے ہیں۔

ہر لفظ کے پیچھے ایک تہذیبی تاریخ ہوا کرتی ہے۔ الفاظ خلا سے نہیں ٹپکتے بلکہ معاشرت انہیں تہذیب کا رنگ دے کر صورت اور صوت عطا کرتی ہے۔ اسی طرح وہ ہماری زندگی کی رفتار کو آگے بڑھاتے ہیں ہم سو سال پہلے کے یا چالیس پچاس سال پہلے کے اثرات بھی بیرونی نہیں کہہ سکتے۔ ہم ٹیلی ویژن ریڈیو، اسپوٹنگ وغیرہ جو ٹکنکی اقدار کی علامت ہیں، "ہند" اور "گھر" کو بھی جو سیاسی علامتیں ہیں نظر انداز نہیں کرسکتے۔ اس طرح ہندوستانی تہذیب کو تاریخ کے آئینہ میں بیرونی اور مقامی عناصر کی تفریق سے بلند ہوکر دیکھنا ہوگا۔

ایک اور پہلو کی نشاندہی کرنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ جب ہندوستان کے تناظر میں مشترکہ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو سطحی طور سے اس تہذیب کی نشاندہی کرتے ہوئے ہندو اور مسلمان کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں مذہب یقیناً تہذیب کا ایک جزء ہے لیکن مذہب کی بنیاد پر تہذیبیں وجود میں نہیں آتیں مسلمانوں کی اگر کوئی تہذیب ہوتی تو سعودی عرب سے لے کر انڈونیشیا تک اور ایران سے ملیشیا تک ایک ہی تہذیب ہوتی۔ دراصل تہذیب کا تصور علاقوں کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ مشترکہ تہذیب سے مراد وہ تہذیب ہوتی ہے جس میں علاقائیت اور طبقاتی بنیادیں تو ٹوٹ جاتی ہیں لسانی اعتبار سے بھی ایک وحدت کی تمنا اور تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ ایسی وحدت جو ترسیل اور تفہیم میں مدد دے۔ اردو اسی اعتبار سے مشترکہ تہذیب کا مظہر ہے کہ اس نے ہندوستان کے علاقائی تعصبات کو توڑ کر اور طبقاتی بنیادوں پر تفریق کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہوئے ایک ایسی وحدت پیدا کرنے کی کوشش کی جس میں مذہب، علاقہ اور زبان کی آویزش نہ ہو آمیزش ہو۔ اور اس طرح غیر سیاسی طور پر پہلی بار سیکولرازم کا مثبت تصور پیش کیا اور اس کی کوشش کی کہ کثرت میں وحدت اور رنگا رنگی میں ایک رنگی پیدا ہو۔ بہت سارے مذاہب کے معتقدات و تصورات مختلف علاقوں کے افراد کی کاوشیں، شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک مختلف بولیوں کے الفاظ اردو میں شامل ہوتے گئے اور اسی طرح اردو کا وجود ہندوستانیت کے سچے تصور کا مظہر بن گیا۔ گاندھی جی نے کہا تھا آج کے دور کا تقاضہ ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور رواداری کے ساتھ پیش آنا ہے ہم جامد سطح پر نہیں پہونچنا چاہتے ہم کثرت میں وحدت چاہتے ہیں۔

اسی سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ گاندھی جی کی نظر میں بھی تہذیب کا کوئی جامد تصور نہیں تھا۔ اردو نے دراصل اسی جمود کو توڑنے کی کوشش کی تھی اور اس تصور کو پیش کرنا چاہا تھا کہ چمن میں ہر رنگ کا پھول اپنی انفرادیت اور اپنی شناخت

برقرار رکھتے ہوئے بھی چمن کا ہی پھول بن گیا۔ اس اعتبار سے اردو کا ادب نہ صرف ہندوستان کی تمام زبانوں ہی بلکہ اس کا ادب دنیا کی تمام زبانوں کے ادب میں اپنی مخصوص انفرادیت رکھتا ہے۔ یہ انفرادیت اسے بین الاقوامیت نہیں بلکہ آفاقیت عطا کرتی ہے۔ دنیا کی کسی زبان کو یہ فخر حاصل نہیں ہے کہ اس میں مشرق مغرب کی روح اس طرح سمٹ آئی ہو۔ تہذیب کا سوز دروں، عجم کی نفاست، مغرب کی لطافت اور ایشیا کی روح کا اگر کوئی معروضی وجود ہو سکتا ہے تو وہ اردو رہتی ہے۔

• لیکن ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ اردو پر اعتراض کرنے والے بھی اردو کی مٹھاس کے قائل ہیں۔

یہ پیار و محبت کی زبان ہے جتنی بھی خوبیاں ہو سکتی ہیں ان سب کی نشاندہی مختلف مقامات میں کی جاتی رہی ہے۔

•• اردو کی مختلف اصناف مثلاً غزل، ناول، بارہ ماسہ وغیرہ میں ان عناصر کو تلاش کیا گیا ہے جن عناصر نے ہماری تہذیبی زندگی کو وزن و وقار عطا کیا ہے تو پھر کیوں اردو آج اس جگہ پر نہیں ہے جہاں اسے ہونا چاہیئے تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ آج کے دور میں پیار و محبت اور مٹھاس فرسودہ الفاظ ہو گئے ہیں۔ باہمی احترام، رواداری اور وسیع النظری کے پھول مرجھا چکے ہیں۔ تعصبات، علاقائیت اور لسانی جارحیت حاوی ہو چکی ہے۔ اور ہم پھر اس کی کوشش میں ہیں کہ دریچوں کو بند کر دیا جائے اور روشنی نہ آنے پائے۔

کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ اس کی ذمہ داری سیاسی بازیگروں کے ساتھ ہمارے ادیبوں، تخلیق کاروں اور دانشوروں پر عاید ہوتی ہے۔ جنہوں نے تہذیبی اور سماجی دھارے سے اپنا رشتہ توڑ لیا ہے۔ اور اپنی ذات کے خول میں بند ہو کر بیٹھ گئے ہیں۔ اور داخلیت کی پناہ گاہیں تلاش کر کے کسی فکری سراب کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔

تاریخ ذمہ داریاں ڈالتی ہے۔ مطالبے کرتی ہے اور اگر تاریخی تقاضے پورے نہیں ہوتے تو پھر تاریخ ایسے مجرموں کو عبرتناک سزائیں بھی دیتی ہے اگر آج کا ادب اور دانشور حالات کے چیلنج کا شتر مرغ کی طرح مقابلہ کرنا چاہتا ہے تو تاریخ اسے معاف نہیں کیا گیا اور مشترکہ ہندوستانی تہذیب کے اقدار کی حفاظت نہیں کی گئی تو جو دور آئے گا وہ تہذیب اور تنظیم کا نہیں تحریف و تقسیم کا ہو گا وہ ارتقاء کا نہیں بلکہ کسی غار میں پناہ لینے والوں کا ہو گا۔ جو رجحانات تیزی سے ابھر رہے ہیں انہیں سیاسی سطح پر نہیں تہذیبی سطح پر شکست دی جا سکتی ہے اور وحدت میں کثرت اور رنگارنگی میں یک رنگی کے تصور کو آگے بڑھایا جا سکتا ہے سرسوں کا کھیت اگر صرف پیلا ہو گا تو یرقان زدہ معلوم ہو گا۔ ایک تصور جہاں ترانے زعفرانی کلاو سبزاور نیلگوں تکیے ہوں وہی مشترکہ تہذیب کو زندہ رکھ سکتے ہیں۔ ہمارے مفکرین ہمارے دانشوروں ہمارے ادیبوں کو اس سوال کا جواب دینا ہے۔

••

ایم۔بی۔ڈی۔سکینہ قمر پیلی بھیتی
چارمحل (باڑہ کاشی رام) حیدرآباد ۵۰۰۲۶۴

دنیا کے عجائبات

ہر جا ہیں تیری قدرت کے لاکھوں جلوے
حیران ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

دنیا میں بہت سی چیزیں غیر العقول و تعجب خیز ہیں۔ ان میں سے بعض کو چونکہ ہم رات دن نہیں تو آئے دن تو ضرور ہی دیکھتے رہتے ہیں یا اُن کے بارے میں پڑھتے و سنتے رہتے ہیں اس لئے ان کے ناقابل یقین ہونے کے باوجود ہم انہیں حقیقت تسلیم کر ہی لیتے ہیں۔ ایسی بہت سی چیزوں کے بارے میں ہم بطور مثال و تعارف صرف چند ہی کے نام اور ان کی صفتیں اور وہ بھی صرف دو دو چار چار سطروں ہی میں لکھتے ہیں جن سے آپ بہت ہی اچھی طرح واقف ہیں۔

سرگ بیل

یہ بیل موٹے دھاگے کی طرح پیلے رنگ کی چکنی ہوتی ہے۔ اسکی جڑ نہیں ہوتی۔ اس کا ایک ذرا سا ٹکڑا توڑ کر کسی درخت پر ڈال دیں تو ایک ماہ کے اندر ہی اندر وہ پورا درخت اس بیل سے ڈھک جائے گا۔

سورج مکھی

ایک اونچے پودے پر ایک پھول لگتا ہے جس کا منہ ہمیشہ سورج ہی کی طرف رہتا ہے خواہ سورج اوپر چڑھے یا نیچے اترے اور جب سورج چھپ جاتا ہے تو اس کا منہ زمین کی طرف ہو جاتا ہے۔

چھوئی موئی

اسے لاجونتی بھی کہتے ہیں یہ پودا بڑا خوشنما ہوتا ہے اگر اس کی پتّی کو چھو لیں تو وہ فوراً مُرجھا جاتی ہے اور پھر ہوا چلتے ہی بدستور اپنی اصلی حالت میں آ جاتی ہے۔

پیلو

پہاڑوں کے دامن میں چھوٹے چھوٹے پودے ہوتے ہیں۔ اگر اس پودے کی جڑ کو کچل کر مٹی کے اس گھڑے میں ڈال دیں جس میں پانی بھرا ہوا ہو تو تین گھنٹے کے اندر وہ پانی اسی شکل میں جم جائے گا جس شکل کا کہ گھڑا ہے۔

چپّل سینڈ

یہ کانٹے دار درمیانی قد کا پودا ہوتا ہے۔ اس کے پتے میٹھے اور ہرے رنگ کے موٹے اور دونوں طرف کانٹے دار ہوتے ہیں۔ اگر اس کے ہی کانٹے کسی کو چبھ جائیں تو اسی کے پتے کو لیکر کڑوے تیل میں تل کر اور کوٹ کر لگا دیں تو فوراً جلن دور ہو جائے گی اور اگر اس

کا کوئی کانٹا یا کانٹے کا کچھ حصہ جسم میں بھی گیا ہو تو وہ بھی آدھے گھنٹے میں باہر آجائے گا اور تکلیف بالکل نہیں رہے گی۔

نک چھکنی

اس کے پتے کو باریک پیسئے۔ کسی مجمع یا محفل میں چھڑک دیجئے ہوا کے جھونکوں کے ساتھ ہی سب کو چھینکیں آنی شروع ہو جائیں گی۔ ان پر ٹھنڈا پانی چھڑکنے سے چھینکیں بند ہو جائیں گی۔

افیون

پوست کے پودوں پر لگے ہوئے بونڈوں کو شام میں کسی تیز نوک دار کیل سے گوند دیجئے یعنی بونڈوں پر کھڑی لکیریں ڈال دیجئے۔ صبح کو ایک قسم کا مواد بونڈوں کے اندر سے چھنک کر بونڈوں کے اوپر آجاتا ہے اسے سیپی سے نکال لیجئے یہ خالص افیون ہے۔

توستی

یہ پیڑ صرف مانڈلے (برہا) میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے کسی حصے میں کیل چبھو دیجئے دودھ نکلنا شروع ہو جاتا ہے۔ اور جب دودھ نکلنا بند کرنا چاہیں تو جہاں کیل چبھائی تھی وہاں موم لگا دیجئے۔ دودھ نکلنا بند ہو جائے گا۔ لوگ اس دودھ کو دودھ کی طرح کام میں لاتے ہیں۔

ربڑ کے پیڑ

یہ ہمالیہ پہاڑ کے دامن میں بہت ہوتے ہیں ان کے تنوں سے ایک قسم کا مادہ نکلتا رہتا ہے اسی مادے سے ربڑ بنائی جاتی ہیں۔

نیم - ببول

ان دونوں پیڑوں میں خود بخود ایک مادہ اوپر آکر جم جاتا ہے۔ اسے ہم لے لیتے ہیں۔ یہ گوند کہلاتا ہے۔ یہ گوند کھانے پکوان بنانے کاغذ وغیرہ جوڑنے اور بہت سی دوائیوں میں کام آتا ہے۔

سفید پیاز

کتنی ہی گرمی ہو اور لو چلتی ہو اس کی ایک ڈلی اپنی ٹوپی یا جیب میں رکھ لیجئے۔ کہیں چلے جائیے آپ گرمی اور لو سے متاثر نہیں ہونگے

کچھوا

یہ پانی میں رہنے والا جانور ہے اسے تابنیل بھی کہتے ہیں اس کی عمر ساڑھے تین سو سال کی ہوتی ہے۔ اس کی پیٹھ پر بندوق کی گولی اثر نہیں کرتی۔ سست رفتاری میں کچھوا مشہور ہے۔

جونک

یہ ندیوں میں رہتی ہے دو انچ سے لیکر چھ انچ تک لمبی ہوتی ہے سانپ کی طرح اس کا جسم گول ہوتا ہے۔ اگر کسی کا خون خراب ہو جائے یا زہریلے پھوڑے ہو جائیں تو اس جونک کو لا کر اس کا منہ اس پھوڑے کے منہ پر لگا دیجئے وہ چمٹ جائے گی اور اس وقت تک نہیں چھوڑیگی جب تک کہ خراب خون یا زہریلا مادہ نہ چوس لے یہ خراب خون اور زہریلا مادہ چوس کر کافی موٹی ہو جاتی ہے اور خود بخود گر پڑتی ہے۔ اگر کسی کو پھر بھی جونک لگانے کی ضرورت باقی رہے تو اس جونک کو دم کی طرف سے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور انگلی سے پکڑ لیجئے۔ اس کا منہ نیچے رکھئے سیدھے ہاتھ کے انگوٹھے اور اس کے بازو کی انگلی سے اوپر سے نیچے دبائیے جو مادہ اس کے پیٹ میں بھرا ہے وہ سب نکل جائے گا اور جونک کو پھر اسی طرح سے لگا دیجئے اور پھر ایسا ہی کیجئے۔

جگنو

یہ بالکل چھوٹے چھوٹے پرندے ندیوں کے کنارے رہتے ہیں

رات کو ان کے جسم سے روشنی نکلتی ہے یعنی یہ کہ یہ جب اپنے پَر کھولتے ہیں تو روشنی ہو جاتی ہے اور جب پَر بند کر لیتے ہیں تو روشنی بند ہو جاتی ہے یہ لاکھوں کی تعداد میں ندیوں کے کنارے پائے جاتے ہیں۔ ان کے پَر کھولنے اور بند کرنے کے عمل سے جھلمل جھلمل روشنی ہوتی رہتی ہے۔ شوقین لوگ اور خاص طور پر اہل لکھنؤ باریک تنزیب یا ململ کی دو پلو ٹوپی استعمال کرتے ہیں وہ بہت سے جگنوؤں کو پکڑ کر اپنی ٹوپی کے اندر رکھ کر ٹوپی سر پہ لگا لیتے ہیں اندھیری رات میں ٹوپی کے اندر سے ان کی روشنی بڑی بھلی معلوم ہوتی ہے

روشنی دینے والی مچھلی

عام دریاؤں میں اور خصوصاً دریائے گنگا میں ایسی بھی بڑی بڑی مچھلیاں پائی جاتی ہیں جن سے روشنی نکلتی ہے یا جو روشنی دیتی ہیں۔

ڈولفن مچھلی اپنے بچوں کو دودھ پلاتی ہے۔

عام طور پہ وھیل مچھلی کا وزن پچاس ٹن ہوتا ہے۔ مگر ابھی حال ہی میں (۲۲ر فروری سنہ ۱۹۶۹ء سینچر کو) ایک ایسی وھیل مچھلی کا ڈھانچہ ملا ہے جس کا وزن یعنی صرف ڈھانچے کا وزن تین سو ٹن ہے۔ اس کی لمبائی پینسٹھ فیٹ۔ ڈھانچے کے نیچے کا جبڑا اٹھارہ فیٹ اور کھوپڑی سترہ فیٹ ہے۔

سانپ

یہ کئی ہزار قسم کے ہوتے ہیں۔ ان کے سائز مختلف، انکی موٹائی مختلف ان کے رنگ یک رنگی اور طرح طرح کے ملے جلے ہوئے بھی ہوتے ہیں سانپ میں جب بھرپور کیچلی آجاتی ہے تو اس میں ڈسنے وغیرہ کی تیزی باقی نہیں رہتی۔ وہ کسی درخت کی جڑ، ٹہنی یا کسی نوکیلے پتھر وغیرہ کے پاس جاکر اپنا منہ اس سے لگاکر زور سے آگے نکل جاتا ہے اور اس کے جسم کی کیچلی اس کی ہی پوری شکل و شباہت وآنکھوں کے نشانات لئے ہوئے وہیں پڑی رہتی ہے۔ یہ کیچلی (پوری شکل میں) کتب خانوں غلے کے گوداموں یا اور کسی چیز کے گوداموں میں رکھ دیجئے تو چوہے اور بعض کیڑے اس کے ڈر سے نہیں آتے۔ کیچلی دواؤں میں بھی کام آتی ہے اور کتابوں میں بھی رکھی جاتی ہے اس کی وجہ سے ان میں کیڑا نہیں لگتا اور کمال کی بات یہ ہے کہ کیچلی کے یہ اثرات اس وقت تک رہتے ہیں جب تک کہ وہ سانپ جسکی یہ کیچلی ہے اپنی دوسری کیچلی نہ چھوڑے اگر کسی وجہ سے وہ سانپ مرجائے یا ماردیا جائے تو کیچلی زیر تذکرہ کا اثر فوراً ہی زائل ہوجائے گا۔ مارنا تو سانپ کو کیا کسی جانور بالفاظ دیگر جاندار کو بھی نہیں چاہیئے اگر خدانخواستہ ایسی نوبت آہی جائے کہ سانپ کو مارنا ہی پڑے تو اس کو مار کر اسکی آنکھوں کو بہت ہی اچھی طرح کچل دینا چاہیئے کیونکہ مارنے والے کا فوٹو اس کی آنکھ میں آجاتا ہے اگر یہ مادہ ہے تو اس کا نر اور اگر نر ہے تو اس کی مادہ مارنے والے سے ہر حالت میں بدلہ لیتی ہے

دو موہنے سانپ آپ نے دیکھے ہی ہوں گے جن کا ایک منہ ایک سرے پر اور دوسرا منہ دوسرے سرے پر ہوتا ہے یہ چھ ماہ ایک منہ سے کام لیتا ہے اور اسی منہ کی طرف چلتا ہے اور چھ مہینے دوسرے منہ سے کام لیتا ہے اور اسی منہ کی طرف سے چلتا ہے۔ ابھی ابھی (۱۰ر جنوری سنہ ۱۹۶۹ء کو) کلکتہ زو، میں ایک ایسا بھی سانپ لایا گیا ہے جس کے ایک ہی سرے میں دو منہ ہیں

اجگر سانپ بڑے بڑے موٹے تنوں کی طرح ہوتے ہیں اور جنگل میں پڑے رہتے ہیں۔ ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ ان پر کسی کو سانپ ہونے کا شک تک نہیں ہوتا۔ جب انہیں بھوک لگتی ہے تو اپنے سامنے کا کئی گز تک کے فاصلے کا جانور اپنی سانس کے ذریعہ کھینچ کر اپنے پیٹ میں اتار لیتے ہیں۔ اگر کسی کو ناگ (نر یا مادہ) کاٹ لے تو فوراً اسی کاٹے ہوئے آدمی کو ایک دوسرے ناگ سے کٹا دیجئے اگر دوسرا ناگ نہ مل سکے تو خالص زہر کھلا دیجئے۔ یاد رہے کہ زہر کو زہر مارتا ہے۔

مچھینا سانپ یعنی پانی کا سانپ۔ یہ بالکل بے ضرر ہوتا ہے ندیوں و نالوں میں رہتا ہے مچھلی پکڑنے والوں کے بچے اس سے کھیلتے رہتے ہیں۔ اگر کسی کی کمر میں درد ہو تو اس سانپ کو لاکر اس کی کمر سے لپیٹ دیجئے یہ عمل تیقین

گھنٹے تین دن تک کیجئے ۔ درد جاتا رہے گا۔ سانپ کی آنکھوں پر پلک نہیں ہوتے۔ گو سانپ کو کان نہیں ہوتے مگر سنتا بہت تیز ہے۔ سہاتی کا پانی (مرگ کے بعد جو پانی برستا ہے) جب برستا ہے تو جنگل میں بعض سانپ دُم پر لمبے سیدھے کھڑے ہو کر اپنے منہ میں اس پانی کی بوند لے لیتے ہیں۔ یہ بوند سانپ کے سر میں جا کر "منی" بن جاتی ہے۔ یہ سانپ جب اندھیری راتوں کو جنگل میں نکلتا ہے تو یہ "منی" اگل دیتا ہے اس سے سارے جنگل میں دور دور تک روشنی پھیل جاتی ہے سانپ جی بھر کر جنگل میں گھوم گھام کر واپس آ کر اس "منی" کو پھر نگل لیتا ہے اور جنگل میں پہلے کی طرح گھُپ اندھیرا چھا جاتا ہے یہ منی پتھر کی طرح سخت اور کالے رنگ کی انتہائی قیمتی چیز ہوتی ہے اسے حاصل کرنا جان جوکھوں کا کام ہے۔ سانپ مر جائے یا مار دیا جائے تو "یہ منی" پانی بن کر بہہ جاتی ہے اور کسی کام کی نہیں رہتی۔ اگر کسی گھر میں سانپ ہوں تو مور پال لیجئے یہ سانپ کا دشمن ہے اسے چونچیں مار مار کر مار ڈالتا ہے۔ بندر بھی سانپ کا دشمن ہے یہ سانپ کا پھن بڑی مضبوطی سے اپنے ہاتھ میں پکڑ لیتا ہے اسے زمین پر گھسیٹے اور "اُون اُون" کرتے سونگھتا جاتا ہے یہاں تک کہ سانپ مر جاتا ہے۔

نیولہ

یہ سانپ کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے بالکل الگ الگ کر دیتا ہے اور پھر ان ٹکڑوں کو جوڑ کر سانپ کو پھر سے زندہ کر دیتا ہے۔

گوہ

یہ چھپکلی کی طرح ایک بڑا جانور ہوتا ہے جو جنگلوں میں بڑے بڑے بلوں میں رہتا ہے۔ اس کی دُم میں رسّی باندھ کر کسی دیوار کے اوپر اسے پھینک دیجئے یہ دیوار پر انتہائی سختی سے چپٹ جاتا ہے۔ اس کی دم سے بندھی ہوئی رسّی جو نیچے لٹکتی رہتی ہے اس کو پکڑ کر آپ دیوار پر چڑھ جائیے۔ ڈاکو اور چور اس عمل سے بہت فائدہ اٹھاتے ہیں۔

کنگارو

اسے کنگرو بھی کہتے ہیں اس کے پیٹ پر ایک جھولی سی رہتی ہے یہ اپنے بچے کو اسی جھولی میں ڈال کر بہت ہی تیز بھاگتا ہے۔

بندریا

یہ اپنے بچے سے بہت ہی محبت رکھتی ہے اسے ہر وقت اپنی چھاتی سے لگائے پھرتی ہے۔ تیز دوڑ نے اور ایک درخت پر کود کر جانے سے بھی بچہ نہیں گرتا۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ بچہ مر گیا ہے مگر ماں برابر اسے چھاتی سے لگائے پھر رہی ہے آخر کار سوکھ کر بچے کی ہڈیاں ہی رہ جاتی ہیں جو خود بخود الگ ہو کر اِدھر اُدھر گر پڑتی ہیں۔

بن مانس

یہ قد و قامت میں بالکل آدمی کی طرح ہوتا ہے البتہ چہرہ بڑے بندر کے چہرے کی مانند ہوتا ہے اس کے پورے جسم پر بال ہوتے ہیں مثل آدمی کے دو پاؤں پر کھڑے ہو کر چلتا ہے۔ گو چڑیا گھروں میں مختلف قسم کے پرندوں اور دوسرے جانوروں کے علاوہ طرح طرح کے بندر نظر آتے ہیں مگر بن مانس کی قسم کے بندر دکھائی نہیں دیتے کیونکہ یہ آزاد مزاج جانور پرندوں اور لوہے کے پنجروں میں بند رہ کر زندہ نہیں رہ سکتے۔ اس خوبی کے حامل حضرت انسان ہی ہیں کہ جس حالت میں رہنا پڑے رہتے ہیں اسے گھگھو بھی کہتے ہیں۔ اس کو دن میں نظر نہیں آتا رات میں اس کی آنکھیں خوب چمکتی ہیں۔ اگر کوئی آدمی بیمار ہو اور اس کے بچنے کی امید نہ ہو اس حالت میں اگر اتفاق سے اُلّو آ جائے تو وہ اس بیمار شخص کو اس کا نام لیکر پکارتا ہے۔ ادھر الّو نے نام لیکر پکارا اُدھر مریض ملک عدم سدھارا اسی لئے یہ کہاوت مشہور ہے کہ "اُلّو بول گیا"۔

چمگادڑ

اسے چمگادڑ بھی کہتے ہیں یہ پرندہ (اڑنے والا) ہے مگر مادہ چمگادڑ اپنے بچوں کو دودھ پلاتی ہے۔ ایک دفعہ پرندوں اور

[illegible] جب پرندوں کی جیت ہوتی تو چمگادڑ [illegible] اپنے پرندہ ہوں۔ جب پرندوں کی جیت [illegible] پرندہ ہوں کیونکہ میری مادہ اپنے بچوں کو [illegible]

[illegible] خوبصورت چوپایہ ہے اس کی ٹولیاں جنگل میں رہتی [illegible] سردار ہرن کی ناف پر ایک گٹھلی سی ابھرتی [illegible] ہوتی جاتی ہے اسمیں خوشبو نکلنے لگتی ہے۔ [illegible] تو اسمیں انتہائی خوشبو آتی ہے اسکی خوشبو سے [illegible] ہے۔ وہ سردار ہرن جسکی ناف سے یہ خوشبو آرہی ہے [illegible] ادھر ادھر اچھلتا کودتا پھرتا ہے۔ اس اچھل کود میں وہ [illegible] ہے اس کو آدمی حاصل کر لیتے ہیں جس کا نام ہے مشک [illegible] انتہائی قیمتی چیز ہوتی ہے اور بہت سی دواؤں میں کام آتی ہے اگر بھولے سے کوئی اس کو سونگھ لے تو اس کی ناک سے خون بہنا شروع ہوجاتا ہے۔ [illegible] اور آنکھ دونوں سے سانس لیتا ہے۔

شترمرغ

دنیا کا سب سے بڑا پرندہ ہے جو اُڑ تو نہیں سکتا بلکہ گھوڑے سے زیادہ تیز دوڑ سکتا ہے۔ (بڑے بڑے چڑیا گھروں میں موجود ہے)۔

زراف

یہ افریقہ کا جانور ہے (اسے بڑے بڑے چڑیا گھروں میں دیکھ سکتے ہیں ایک ٹن وزنی لمبی گردن والا شکل و شباہت میں اونٹ سے ملتا جلتا ہوتا ہے۔

آئیے اب ہم آپ کو چند ایسی ناقابلِ یقین حقیقتیں سناتے ہیں جن سے شاید آپ اب تک واقف نہ ہوں گے۔

بال گرا دینے والا پیڑ : جنوبی افریقہ میں ایسے بھی پیڑ پائے جاتے ہیں جن کا ایک پتا بھی کوئی آدمی یا جانور کھالے تو چند منٹ کے اندر ہی اندر اس کے پورے بدن کے تمام بال گر جاتے ہیں اور پھر سات مہینوں کے بعد بال دوبارہ آجاتے ہیں۔

خون چوس کر مار ڈالنے والا پیڑ مڈغاسکر کے جزیرے اور جنوبی امریکہ کے شہر برازیل میں ایسے بھی پیڑ پائے جاتے ہیں جن کی شکل پیالے کی شکل کے پتے ہوتے ہیں ان پتوں میں لمبے لمبے نوک دار کانٹے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی آدمی یا جانور ان سے ٹکرا جائے یا کوئی پرندہ ان پر بیٹھ جائے تو ان پیڑوں کے پتے اس سے چمٹ جاتے ہیں۔ اور کانٹے جسم کے آر پار ہو جاتے ہیں اور وہ جاندار اس بری طرح پھنس جاتا ہے کہ کسی حالت میں نکل نہیں سکتا۔ وہ پیڑ اس کا تمام خون چوس کر اسے مار ڈالتا ہے۔

آگ اگلنے والا پیڑ جاپان میں ایسے بھی پیڑ پائے جاتے ہیں جن کے پتے بہت ہی خوبصورت ہلکے اودے رنگ کے ہوتے ہیں۔ شام ہوتے ہی ان کی ڈالیوں سے آگ برسنی شروع ہو جاتی ہے جو آدھی رات تک متواتر برستی رہتی ہے پھر دھیرے دھیرے کم ہو کر صبح تک آگ برسنا بالکل ہی بند ہو جاتی ہے۔ دن میں بچے اس پیڑ کے نیچے کھیلتے اور مسافر وغیرہ آرام کرتے رہتے ہیں۔

پانی برسانے والا پیڑ جزیرہ کناری میں تالاب دریا اور کنوئیں وغیرہ کچھ بھی نہیں ہیں اور نہ وہاں بارش ہی ہوتی ہے۔ اسی جزیرے میں ایسے بھی پیڑ پائے جاتے ہیں جن سے رات میں کافی پانی برستا ہے یہ پانی صاف شفاف اور میٹھا ہوتا ہے اسے پینے کپڑے دھونے اور کھیتی باڑی کے کاموں میں لایا جاتا ہے۔

گانے والا پیڑ افریقہ کے جنگلوں میں ایسے بھی پیڑ پائے جاتے ہیں جن کے پتے ہوا چلتے ہی سریلی اور دھیمی آواز سے گانا شروع کر دیتے ہیں جب ہوا آہستہ چلتی ہے تو یہ آہستہ گاتے ہیں اور جب ہوا تیز چلتی ہے تو ان پیڑوں کے بھی پتوں سے اتنی بلند آواز نکلتی ہے کہ تمام جنگل گونج اٹھتا ہے۔ اور ان کے بعض پتوں کی آپس میں ٹکرانے

کی آوازیں اسی طرح آتی ہیں جیسے کہ تالیاں بج رہی ہوں۔

نچانے والا پیڑ ملک عرب میں ایسے بھی پیڑ پائے جاتے ہیں جن کے پھل کے بیج پیس کر کسی کو کھلا دیں تو کھانے والا اسی وقت ناچنے کودنے لگتا ہے۔ ایک گھنٹے تک اس کی یہ حالت رہتی ہے بعد میں نیند آجاتی ہے اور سو کر اٹھ کر وہ پہلے ہی طرح بالکل ٹھیک ہوجاتا ہے۔

روشنی دینے والا پیڑ کیلی فورنیا میں ایسے بھی پیڑ پائے جاتے ہیں جن کے پتے رات کے وقت اتنی روشنی دیتے ہیں کہ لوگ ان کے نیچے بیٹھ کر پڑھتے لکھتے اور دوسرے کام کرتے رہتے ہیں سورج نکلتے ہی یہ روشنی بند ہوجاتی ہے۔

ہمیشہ ہرا رہنے والا پیڑ امریکہ کے بعض حصوں میں ایسے بھی پیڑ پائے جاتے ہیں جو ہمیشہ پھولوں سے لدے رہتے ہیں۔

بنا پتوں کا پیڑ امریکہ کے بعض حصوں میں ایسے بھی پیڑ پائے جاتے ہیں جن میں شاخیں ہی شاخیں ہوتی ہیں پتے بالکل نہیں ہوتے۔

آرام دینے والا پیڑ سیلون میں ایسے بھی پیڑ پائے جاتے ہیں جن کے پتے اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ ایک ہی پتے کے سائے میں کم از کم [illegible] آدمی آرام سے بیٹھ سکتے ہیں۔

گوشت کھانے والا پیڑ افریقہ کے جنگلوں میں چھتری نما ایسے بھی پیڑ پائے جاتے ہیں جو انسانوں اور جانوروں کو ہڑپ کر جاتے ہیں۔ اگر کوئی آدمی یا جانور اس پیڑ کے نیچے پہنچ جائے تو وہ چھتری اسے اپنے اندر لیکر خود بخود بند ہوجاتی ہے اور چھتری کے اندر کے نکیلے کانٹے اس کے جسم میں چبھ جاتے ہیں وہ آدمی یا جانور کتنا ہی چیخے پکارے مگر اس کی آواز بند چھتری کے باہر نہیں آتی۔ وہ پیڑ اس آدمی یا جانور کے گوشت کو کھاتا رہتا ہے جب گوشت بالکل ختم ہوجاتا ہے تو وہ چھتری خود کھل جاتی ہے اور ہڈیوں کے ڈھانچوں کو باہر پھینک دیتی ہے اور پہلے ہی کی طرح کھلی رہ جاتی ہے۔

موم دینے والا پیڑ ملک چین میں ایسے بھی پیڑ پائے جاتے ہیں جن کے تنوں سے ایک طرح کا رس نکلتا ہے اس رس کو منجمد کرکے موم بتیاں بنائی جاتی ہیں۔

زہر والا پیڑ ہمالیہ پہاڑ اور برما کے جنگلوں میں ایسے بھی پیڑ پائے جاتے ہیں جن کے پتوں کی پیٹھ پر ایسے کانٹے ہوتے ہیں کہ اگر یہ کسی جاندار کے جسم میں چبھ جائیں تو اس کے سارے بدن میں زہر پھیل جاتا ہے اور بہت تکلیف دیتا ہے۔ کمال یہ ہے کہ اگر اسی پیڑ کی کونپل ٹہنی کو توڑ کر پتھر پر گھس کر اس کا لیپ بدن پر کردیں تو وہ زہر فوراً ہی اُتر جاتا ہے اور تکلیف جاتی رہتی ہے۔

ھُما

یہ پرندہ جنوبی لنکا کے ساحلی علاقوں میں پایا جاتا ہے اس کی عمر صرف ۱۲ دن کی ہوتی ہے اگر یہ اڑ رہا ہو اور کسی آدمی پر اس کا سایہ پڑ جائے تو وہ آدمی ۱۲ دن کے اندر ہی کہیں کا راجہ یا بادشاہ ہوجاتا ہے۔ لوگ ترستے ہیں کہ اس کا سایہ ان پر پڑے۔ مگر کہاں؟ لوگوں نے اور خصوصاً بڑے بڑے لوگوں نے لاکھوں کوششیں کیں مگر اس کا سایہ انہیں نصیب نہ ہوسکا اس پرندے کے قیمتی ہونے کا تو اندازہ آپ کو ہو ہی گیا ہوگا۔ اب قدرت دیکھئے کہ جب یہ مرجاتا ہے تو اس کے بالوں سے چنور (چُونر) بنتے ہیں۔ جن کی قیمت چار چار پانچ پانچ آنے ہوتی ہے اور ان سے آدمی اپنی یا گھوڑوں کی مکھیاں اُڑائی جاتی ہیں اسی لیے تو کہا گیا ہے کہ ؎

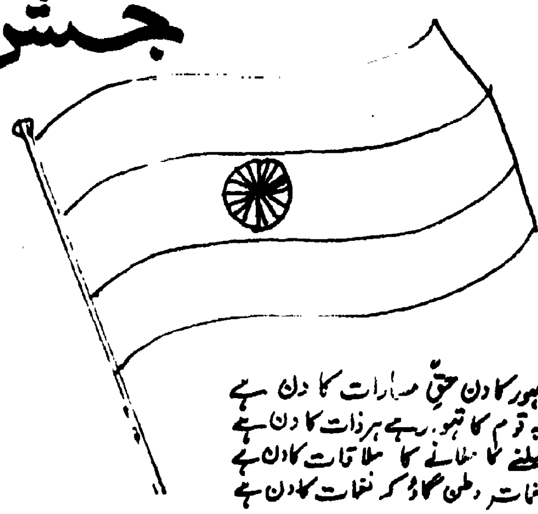
عجب نادان ہیں وہ جن کو ہے عُجب تاج سلطانی
فلک بال ہما کو پل میں سونپے ہے مگس رانی

یعنی یہ کہ وہ لوگ عجیب نادان ہیں جن کو اپنے تاج سلطانی پر گھمنڈ ہے دیکھئے ہما جو کہ اپنے سائے سے دوسروں کو راجہ یا بادشاہ بنا دیتا ہے جب مرجاتا ہے تو اس کے بال چنور بن کر مکھیاں اڑانے کے کام آتے ہیں۔

انسگا سانی یہ ایک پرندہ ہے۔ اسے ققنس۔ قُقنوس

جشن جمہور

کشور سلطانہ
۱۳۹۷، افغانان
کوتپور (بجنور)



ہر شخص کا جمہور میں یکساں ہے ادھیکار
ہندو ہو کہ مسلم ہو کہ نانک کا پرستار
ہے مختلف اقوام سے بھارت کا پریوار
پھیلائے جو نفرت ہے وہ اس دیش کا غدار

یہ ایک حقیقت ہے حقیقت کو نہ ٹھکراؤ
خوشیوں کے ہنڈولے میں بڑے شوق سے جھولو

اس روز ہی آزادی کو تجدید ملی تھی
اس روز ہی آزادی کو تقریر ملی تھی
اس روز ہی آئین کی جاگیر ملی تھی
اس روز ہی بدلی ہوئی تقدیر ملی تھی

جمہور کا دن حق مساوات کا دن ہے
یہ قوم کا تہوار ہے ہر ذات کا دن ہے
ملنے کا ملانے کا ملاقات کا دن ہے
نغمات وطن گاؤ کہ نغمات کا دن ہے

خوشیوں کے ہنڈولے میں بڑے شوق سے جھولو
ایسے میں مگر اپنے فرائض کو نہ بھولو

ایسے میں تم آئینی تقاضوں کو نہ بھولو
خوشیوں کے ہنڈولے میں بڑے شوق سے جھولو

یہ فرض تمہارا ہے کہ تفریق مٹاؤ
اس دیش کے ہر شخص کو سینے سے لگاؤ
سنسار میں آئین کی توقیر بڑھاؤ
پیغام ہر گام محبت کا سناؤ

کھاؤ یہ قسم پیار کو آباد رکھو گے
آزاد ہے گلشن اسے آزاد رکھو گے
اخلاص و محبت کا چمن شاد رکھو گے
جو فرض تمہارا ہے اسے یاد رکھو گے

تم پیار کے اوتار رہو یہ بات نہ بھولو
خوشیوں کے ہنڈولے میں بڑے شوق سے جھولو

ایسا ہے تو جمہور کا دن تم کو مبارک
یہ ہند کے دستور کا دن تم کو مبارک

اور آتش زن بھی کہتے ہیں۔ اس پرندے میں نر مادہ نہیں ہوتے (یعنی اس کا جوڑا نہیں ہوتا) اس کی عمر ایک ہزار سال کی ہوتی ہے اس کی چونچ میں ایک ہزار سوراخ ہوتے ہیں جب یہ بوڑھا ہو جاتا ہے تو لکڑیاں جمع کر کے ان پر جا بیٹھتا ہے۔ اور چونچ کے ہر سوراخ سے ایک ایک علحدہ راگ نکالتا ہے۔ اپنی چونچ کے ایک سوراخ سے دیپک راگ بھی نکالتا ہے پس دیپک راگ کی خاصیت سے ان لکڑیوں میں آگ لگ جاتی ہے اور یہ پرندہ اسی آگ میں جل کر راکھ ہو جاتا ہے اور جب سہاتی کا پانی (مرگ کے بعد کا سب سے پہلا پانی) اس راکھ پر برستا ہے تو اس راکھ میں انڈا پیدا ہو جاتا ہے اور جب سورج اپنی پوری تیزی سے چمکتا ہے تو وہ انڈا ٹوٹ جاتا ہے اور اس میں سے پھر ویسا ہی پرندہ باہر آ جاتا ہے۔

ہنس

یہ پرندہ ڈیل ڈول رنگ روپ شکل و شباہت میں بطخ کی طرح ہوتا ہے بطخ کی قیمت پندرہ بیس روپے ہوتی ہے مگر ہنس کی قیمت ۲۵ ہزار روپے سے کم نہیں ہوتی۔ یہ سچے موتی چگتا ہے۔ دودھ اور پانی ملا کر ہنس کے سامنے رکھ دیجئے ہنس دودھ تو پی لے گا اور خالص پانی بنا تبدیلی رنگ کے چھوڑ دے گا۔ یہ پرندہ ہمالیہ پہاڑ پر رہتا ہے۔

سمندر یہ کیڑا آگ میں پیدا ہو کر آگ ہی میں رہتا ہے۔ اگر اسے آگ سے نکال لیا جائے تو وہ فوراً مر جاتا ہے ••

محمد انورالدین
پی ایچ ڈی سنٹرل یونیورسٹی آف حیدرآباد

پتہ: مکان نمبر 5-7-221
نیو آغاپورہ، حیدرآباد 500001

فراق کا عشق

غزل اردو شاعری کی اہم ترین صنف ہے عشق غزل کا خاص موضوع رہا تھا اور ہے دیگر مضامین کو بھی غزل میں بالعموم عشق ہی کی لفظیات کے سہارے ادا کیا جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اس کے باوجود اردو میں صحت مند پاکیزہ اور سچی عشقیہ شاعری کی بڑی کمی محسوس ہوتی ہے اس معاملہ میں ہمارے شاعر افراط و تفریط کا شکار بنے رہے انہوں نے عشق کو یا تو اتنا مثالی بنا دیا کہ اس کا رشتہ جنس سے باقی نہیں رہا یا پھر بہت ہی بھونڈے پن سے سستے قسم کے جنسی جذبات کے اظہار پر اتر آئے اکثر شعراء کا عشق افلاطونی تھا ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقدر میں دائمی ہجر لکھا لائے تھے وہ عمر بھر صرف محبوب کا پرتو ہی دیکھتے رہے۔ اور ان کی ساری زندگی شوق کی تمہید باندھتے ہی گزری جن شاعروں نے عشق کے معیار کو آسمانوں کی بلندیوں پر پہونچا دیا تھا وہی کبھی اس درجہ پستی پر اتر آئے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔

قدما اور متاخرین کے کلام کا مطالعہ کرتے ہوئے جب ہم فراق تک پہونچتے ہیں تو اچانک ہمیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ہم ایک بند کمرے کی گھٹن سے نکل کر ایک کھلے میدان میں آگئے ہیں۔ جہاں خوشگوار ہوائیں چل رہی ہیں۔ فراق کی شاعری ایک ایسا چشمہ ہے جو روایتی عشق کی گرانیوں سے پاک ہے اس شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے ہم ایک ایسی دنیا میں پہونچ جاتے ہیں جہاں نہ تو عفریت نما محبوب کی خونخواریاں ہیں اور نہ رقیب سیاہ کار کی تباہ کاریاں۔ یہاں نہ ازلی ہجر ہے اور نہ دائمی فراق یہ وہ دنیا ہے جس میں ہم آپ سماجی زندگی بسر کرتے ہیں اپنے جنسی اور حیاتیاتی تقاضوں کو پورا کرتے ہیں اپنی تہذیب اور کلچر کو پروان چڑھاتے ہیں۔

فراق کی شاعری میں عشق کا محرک جنسی جذبہ ہے جو ارتفاع پاتے ہوئے ذہنی سطح پر پہنچ جاتا ہے اس عشق کی پہلی منزل محبوب کے حسن کی قدردان کا احساس ہے یہی وہ منزل ہے جہاں اردو شاعروں کے قدم اکھڑتے نظر آتے ہیں بقول فراق

ع حسن کو اک حسن ہی سمجھے نہیں اور اے فراق
مہرباں نامہرباں کیا کیا سمجھ بیٹھے تھے ہم

حسن کی بوقلموں کیفیات کا ادراک اردو شاعری میں کم یاب ہے فراق کی شاعری میں یہ کیفیات اپنے ہزار شیون کے ساتھ نمایاں ہوئی ہیں بالخصوص لمسی کیفیات کا اظہار اردو کی جمالیاتی شاعری کو فراق ہی کی دین ہے جمال یار کا مشاہدہ فراق نے اپنی آنکھ سے کیا ہے اس لیے ان کی تشبیہات میں ندرت اور تازگی ہے۔

فراق کی سفر آپ بیتی ان کے مکاتیب کی صورت میں ہم تک پہنچی ہے جس میں ان کی ازدواجی زندگی [illegible] معاملات عشق پر بہت کچھ روشنی پڑتی ہے فراق نے عشق اور [illegible] شاعری کے بار[illegible] میں اپنے نظریات کو اپنے تنقیدی [illegible] میں واضح کیا [illegible] تحریروں کو پڑھنے کے بعد جب ہم ان کی [illegible] کا مطالعہ کر[illegible] یا ان کی فکر و عمل میں بہت زیادہ یگانگت نظر

آتی ہے اس مطالعہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ فراقؔ اور متقدمین کے عشق میں چند بنیادی باتوں کا اختلاف پایا جاتا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ قدیم متغزلین شعراء کا محبوب بیشتر ایک خیالی پیکر تھا اور ان کی عشق کی وارداتیں بیشتر محض تخیل کی اختراع تھیں اگر ایسا نہیں تھا تو وہ کوئی پردہ نشیں دوشیزہ یا بازاری طوائف تھی۔

فراقؔ کا محبوب ان سب سے مختلف ہے وہ ایسی دوشیزہ یا دوشیزائیں یا شادی شدہ عورتیں ہیں جو مختلف زمانوں میں شاعر کی زندگی میں داخل ہوئیں کسی سے ان کا سرسری اور عارضی ربط رہا اور کوئی طویل عرصہ تک اس کے دل و دماغ پر چھائی رہیں ایک سے زیادہ عشق اور لوگوں نے بھی کیسے ہونگے کیونکہ فطرتاً ایسا ہونا ممکن ہے اور ہوتا ہے لیکن روایتی احتساب سے بچنے کے لیے انہوں نے اس کا اعتراف کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ فراقؔ نے اس بات کو پوشیدہ رکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ کیونکہ انہوں نے جو کچھ کیا وہ ان کی دانست میں جسم اور روح کا فطری مطالبہ تھا۔ اسی لیے وہ محبوب سے بھی وفا کے طالب نہیں ہوئے اس زاویہ نظر نے فراقؔ کے عشقیہ جذبات میں ایک طرح کا توازن پیدا کر دیا ہے مندرجہ ذیل اشعار اس متوازن جذبہ کے آئینہ دار ہیں۔ ؎

بہت بڑھا کے نہ کر شکوہ تلون حسن
ارے مزاج محبت کو بھی قرار نہیں

تجھے گھاٹا ہونے نہ دینگے کاروبار الفت میں
ہم اپنے سر تیرا اے دوست ہر نقصان لیتے ہیں
ہماری ہر نظر تجھ سے نئی سوگند کھاتی ہے
تو تیری ہر نظر سے ہم نیا پیمان لیتے ہیں

عشق کی خود تنقید اور محبوب سے اپنائیت کا یہ احساس اردو شاعری میں مشکل ہی سے ملے گا۔ بلکہ شاعر اس کے برخلاف اپنے محبوب سے یک طرفہ وفاداری کا مطالبہ کرتے رہے ہیں۔ فراقؔ نے وفاداری کے یک طرفہ تصور کی بنیاد ہی کو اکھاڑ کر پھینک دیا جس پر غزل کی نام نہاد عشقیہ شاعری کی عمارت کھڑی کی گئی تھی۔ وہ میرؔ ہوں یا غالبؔ ان کے ہاں اس قسم کے اشعار میں محبوب کی تصویر نظر آتی ہے ؎

بغل میں غیر کی آج آپ سوتے ہیں کہیں ورنہ
سبب کیا خواب میں آ کر تبسم ہائے پنہاں کا

صحبت میں غیر کی نہ پڑی ہو کہیں یہ خو
دینے لگا ہے بوسہ بغیر التجا کیے

فراقؔ کے عشق میں اس قسم کی بے حیائی کہیں نہیں ملے گی ان کی غزلوں کو پڑھ جائیے آپ رقیب کا دور دور تک نشان نہیں پائیں گے غالبؔ کا عشق خواہش کی حد سے آگے بڑھنے نہیں پایا۔ یا ان کی خود پرستی نے انہیں اس قابل نہیں رکھا کہ ڈٹ کر عشق کر سکیں۔ فراقؔ کا حال ان سب سے مختلف ہے وہ محبوب کے وصال سے شادکام ہوئے ہیں لیکن وصال کے بعد قربت میں نئے فاصلے نکل آئے محبوب کو پا کر بھی نہیں پا سکنا فراقؔ کی حیات کا بڑا المیہ ہے ؎

تیری قربتیں بھی ہیں دوریاں یہ کرشمہ کشش بدا ...
چہ تیامتے کہ نمی رسی زکنار من بکنار من

اس غزل پر انہیں حسن ایک فریب نظر معلوم ہونے لگتا ہے اور عشق پرچھائیں بن کر رہ جاتا ہے ؎

جلوہ لیلیٰ ہو اے دل یا جنون قیس ہو
حسن بھی پرچھائیاں ہے عشق بھی پرچھائیاں

حسن و عشق کی عارضیت کے احساس نے اس المیہ کے کرب کو اور بڑھا دیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وصل کے لمحے بھی ان کے لیے بلائے جان بن گئے۔

وصال اس سے میں چاہوں کہاں یہ دل میرا ؎
یہ رو رہا ہوں کہ کیوں اس کو میں نے دیکھا تھا

یہ سوز و ساز نہاں تھا وہ سوز و ساز عیاں
وصال و ہجر میں نا بس فرق تھا تو اتنا تھا

اس نقطے پر پہنچ کر فراقؔ کا عشق جنس کی گرفت سے آزاد ہو جاتا

ہے اور زمینی سطح سے پرواز کر کے تخیل کی بلندیوں کو چھونے لگتا ہے اس پر شاعر کے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے

؎ کہیں یہی تو نہیں کاشف حیات و ممات
یہ حسن و عشق بظاہر ہیں بے خبر پھر بھی

اس کا جواب پانے کے لیے وہ خود شناسی کے راستے پر چل پڑتا ہے۔

؎ چھوڑو وفا و جفا کی بحثیں اپنے کو پہچان اے عشق
غور سے دیکھ تو سب دھوکہ ہے کیسی وفائیں کیسی جفا

اس تلاش اور جستجو کے نتیجہ میں اسے عشق کی حیثیت اور اس کی خفتہ صلاحیتوں کا ادراک ہوتا ہے ؎

عشق بھی اہل طریقت میں ہے ایسا تھا خیال
عشق ہے پیر طریقت مجھے معلوم نہ تھا

ہر سعی ہر عمل میں محبت کا ہاتھ ہے
تعمیر زندگی کے نہ سمجھ کچھ محرکات

اور جب عشق اپنی حقیقت کو جان لیتا ہے تو حیات و کائنات کے اسرار خود اس پر منکشف ہونے لگتے ہیں۔ ؎

کبھی ہو سکا تو بتا دوں گا تجھے راز عالم خیر و بشر
کہ میں رہ چکا ہوں شروع سے گہے ایزد گہے اہرمن

فراق نے اس مقام پر پہنچ کر بھی اپنے عشق کی تصور گری نہیں کی۔ بادی النظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تصوف کی جو روایات اردو غزل کے مزاج میں رچ بس گئی ہیں فراق ان سے دامن نہیں بچا سکے ہیں مثلاً

؎ ساز وہ قطرے قطرے میں سوز وہ ذرے ذرے میں
یاد تیری کسے نہ تھی درد تیرا کہاں نہ تھا

کس کے پاؤں کی چاپ ہے دنیا
کون ہے صبح ازل سے خراماں

بہ ظاہر ہمارے کان اشعار میں وہی وحدت الوجود کا نغمہ سنتے ہیں لیکن غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ یہ ایک نیا راگ ہے۔

ان اشعار میں خطاب صوفیا کے حسن حقیقی سے نہیں بلکہ گوشت پوست کے انسان سے ہے جس سے شاعر محبت کرتا ہے حسن ازل کا اشارہ اسی محبوب کی طرف ہے اس معمے کو حل کرنے کے لیے اس غیر اسلامی تصوف یا فلسفہ سے رجوع کرنا ہوگا جس میں مادے کو بھی ازلی اور ابدی سمجھا گیا ہے۔

فراق کا حسن ازل یہی مادی حسن ہے جس کی جلوہ آرائیاں بسیط اتھاہ اور لافانی ہیں اب ذرا اس شعر پر غور کیجئے۔

؎ یہ کائنات نہیں تیرے سوا لیکن
یہ تیری ذات نہیں یہ ترے مقام نہیں

اس شعر میں جو خیال باندھا گیا ہے وہ تصوف کے نظریہ کی ضد ہے فراق کے عشق کی یہ صفت ارضی ہے مابعد الطبیعاتی نہیں ہے یہ عشق وہ ہے جو انسان کو زمین کی ہر چیز سے پیار کرنا سکھاتا ہے اور خیر و شر کی اخلاقی قدروں کا انکار کرتا ہے ان کی شاعری کی جڑیں اسی زمین میں پیوست ہیں مٹی کی سوندھی سگندھ انہیں آفتاب و ماہتاب کی کرنوں کے جلال و جمال سے زیادہ عزیز ہیں۔ اسی لیے وہ جان بہار پر نظر پڑنے کے بعد سنگیت کی سرحدوں کو چھوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ سنگیت جو ارضیت کی بھی علامت ہے اور جو ازلی و ابدی نغمہ سرمدی تک بھی پہنچاتی ہے۔ ●●

خبریں تصویروں میں



ضلع نیلور میں طوفان بادوباراں سے متاثرہ افراد میں . انجمن صلیب احمر شاخ آندھرا پردیش کی جانب سے تقسیم کئے جانے والے ملبوسات گورنر آندھرا پردیش ڈاکٹر شنکر دیال شرما کے حوالے کئے جارہے ہیں۔



گورنر ڈاکٹر شنکر دیال شرما نے ۱۵ دسمبر ۱۹۸۴ء کو [illegible] یونیورسٹی کے ۱۸ ویں سالانہ جلسہ تقسیم اسنادات کے موقع پر طلبا [illegible] تقسیم کیئے۔



ڈاکٹر شنکر دیال شرما گورنر آندھرا پردیش نے ۱۴ر دسمبر ۱۹۸۴ء کو " بین الاقوامی ہفتہ آرکائیوز - (تحفظ قدیم دستاویزات
واسناداب) کا افتتاح کیا - مسٹر اکبر علی خاں سابق گورنر اڑیسہ نے جلسہ کی صدارت کی



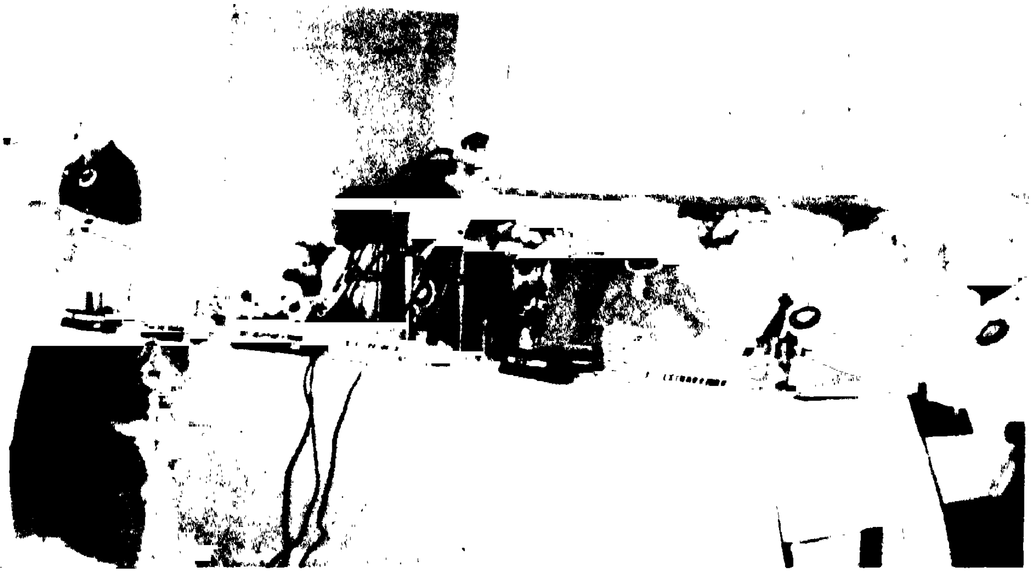
ڈاکٹر شنکر دیال شرما گورنر آندھرا پردیش نے ۱۴ر دسمبر ۱۹۸۴ء کو حیدرآباد میں چوتھے بین الاقوامی فوٹوگرافک سیلون کا افتتاح کیا
ڈاکٹر این بھگوان داس صدر نشین فوٹوگرافک سیلون بھی تصویر میں دیکھے جا سکتے ہیں۔



ڈاکٹر شنکر دیال شرما گورنر آندھرا پردیش نے ۲۰ دسمبر ۸۴ء کو راج بھون حیدرآباد میں ریاستی انجمن صلیب احمر کے جلسہ عام میں انعامات تقسیم کئے۔



پہلے صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر راجیندر پرشاد کی ۳ دسمبر کو یوم پیدائش کے موقع پر ڈاکٹر شنکر دیال شرما گورنر آندھرا پردیش نے انکی تصویر کی گلپوشی کرتے ہوئے انہیں خراج عقیدت پیش کیا۔



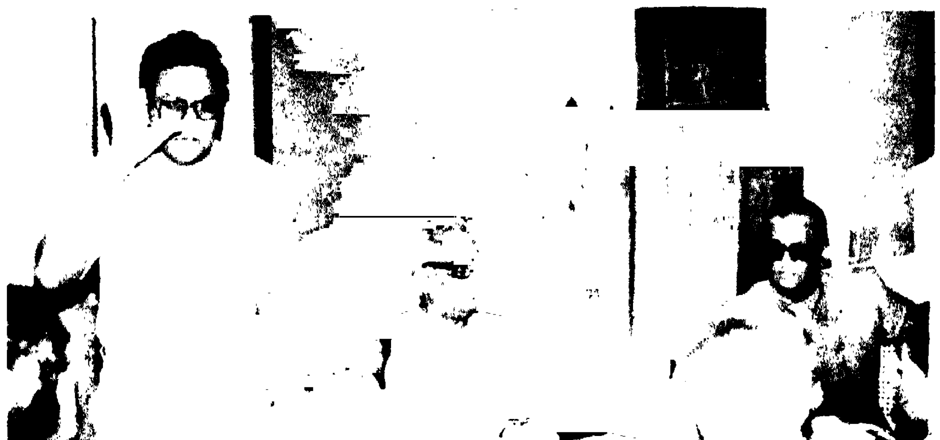
مسٹر شرادان کمار آئی ۔ اے ۔ ایس چیف سکریٹری حکومت آندھرا پردیش نے ۱۶ دسمبر ۸۴ء کو جوبلی ہال حیدرآباد میں آندھرا پردیش انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن کی سلور جوبلی تقاریب کا افتتاح کیا۔



مسٹر سی وی چاری صدر نشین اے ۔ پی ۔ بیورو آف ریجنل ورڈ نے ۳ دسمبر کو اسٹیٹ انفارمیشن سنٹر محکمہ اطلاعات و تعلقات عامہ حیدرآباد میں "ڈاکٹر راجندر پرشاد کے یوم پیدائش" کے سلسلے میں ایک کلیدی لکچر دیا۔ تصویر میں کمشنر اطلاعات مسٹر پی وی آر کے پرشاد اور ناظم اطلاعات مسٹر سی ۔ وی ۔ نرسمہا ریڈی بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔



چیف منسٹر مسٹر این ٹی راما راؤ
اپنے ووٹ کا استعمال کرتے ہوئے



ریاستی محکمہ اطلاعات و تعلقات عامہ نے لوک سبھا کے انتخابات کے نتائج کی فوری ترسیل اور اعلان کے لیے محکمہ کے دفتر گروہا کلیا روبرو گاندھی بھون اور سکریٹریٹ پر وسیع تر انتظامات کئے۔ کمشنر اطلاعات مسٹر پی وی آر کے پرشاد (آئی اے ایس) اخباری نمائندوں کو انتظامات کی تفصیل بتاتے ہوئے۔ تصویر میں مسٹر سی۔وی نرسمہا ریڈی ڈائرکٹر محکمہ اطلاعات بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔



ہندوپاک کی ممتاز افسانہ نگار محترمہ جیلانی بانو ملے پلی کے ایک بوتھ میں اپنے ووٹ کا استعمال کرتے ہوئے
دوسری تصویر میں اپنی ماں کو ووٹ کا استعمال کرتے ہوئے معصوم لڑکی دیکھتے ہوئے
تیسری تصویر میں ایک (۹۰) سالہ ضعیف خاتون اپنا حق رائے دہی استعمال کر رہی ہیں۔



کاچی گوڑہ کے ایک پولنگ بوتھ پر ایک مارواڑی لڑکی پورا گھونگھٹ نکالے ووٹ ڈالتے ہوئے۔
دوسری تصویر میں پردہ نشین خواتین کی پرانے شہر کے ایک پولنگ بوتھ پر قطار۔







آندھراپردیش - اعداد و شمار بہ یک نظر

رقبہ (۱۹۸۱ء مردم شماری)	(مربع کیلومیٹر)	۲۷۵٫۱	
اضلاع		۲۳	
تعلقہ جات		۳۱۲	
پنچایت سمیتیاں		۳۳۰	
آبادی (۱۹۸۱ء مردم شماری)		۵۳۵٫۵۰	(لاکھ میں)
مرد		۲۷۱٫۰۹	〃
عورتیں		۲۶۴٫۴۱	〃
درج فہرست اقوام کی تعداد		۷۹٫۶۲	〃
درج فہرست قبائل کی تعداد		۳۱٫۷۶	〃
محنت کش افراد کی تعداد		۲۲۵٫۰۶	〃
اراکین پارلیمنٹ کی تعداد	(بشمول راجیہ سبھا)	۶۰	
اراکین اسمبلی کی تعداد		۲۹۵	
اراکین قانون ساز کونسل کی تعداد		۹۰	
دواخانے (آلوپیتھک)		۲۹۵	
خصوصی امراض کے دواخانے		۴۵	
بستروں کی تعداد		۲۶,۹۳۸	
یونیورسٹیوں کی تعداد		۱۰	
جملہ آبپاشی سے سیراب کیا جانے والا رقبہ		۵۰٫۵۸	لاکھ ہیکٹر
کوئلہ کی پیداوار		۱۰۰٫۸۳	لاکھ ٹن

ماھنامہ **آندھرا پردیش** حیدرآباد

FEBRUARY 1985 • شمارہ : ۲ • جلد : ۳۰ • فروری ۱۹۸۵ء

فہرست

چیف ایڈیٹر

بی وی آر کے پرشاد (آئی اے ایس)

ایڈیٹر

خواجہ حسین احمد بی اے (عثمانیہ)

قیمت فی شمارہ : ۵۰ پیسے

• اس شمارہ میں اہل قلم حضرات نے انفرادی طور پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان سے لازمی طور پر حکومت کا متفق ہونا ضروری نہیں
• زر سالانہ : ٦ روپے • فی پرچہ ۵۰ پیسے
• زر سالانہ ذریعہ منی آرڈر روانہ کیجئے
• منی آرڈر ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ کے نام روانہ کیجئے۔
• مضامین روانہ کرنے کا پتہ : ایڈیٹر ماہنامہ "آندھرا پردیش" (اردو) محکمۂ اطلاعات و تعلقات عامہ، گرہا کلپا مکرم جاہی روڈ حیدرآباد
• طباعت : گورنمنٹ سنٹرل پریس چنچل گوڑہ حیدرآباد • کتابت : ایس اے حمید

ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ حکومت آندھرا پردیش نے شائع کیا

آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز

پندرھویں صدی عیسوی کے بعد کے زمانے سے اب تک کے حیدرآباد میں واقع آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز انتظامی اور تاریخی اہمیت کے حامل بے شمار گرانقدر دستاویزات کا مخزن ہے۔ یہ قدیم دستاویزات ہندوستان کی ابتدائی اور خاص طور پر جنوبی ہند کی معاشی۔ سیاسی اور سماجی ترقی کا آئینہ ہیں۔ یہ دستاویزات ہماری تہذیبی اور ثقافتی ورثہ کا لاقیمت حصہ ہیں۔

سال ۱۸۹۴ء میں اسٹیٹ آرکائیوز کی ابتداء ہوئی۔ اس سال نظام کے دورِ حکومت کے دستاویزات کو محفوظ رکھنے کے لیے دفتر دیوانی کے نام سے ایک محکمہ قایم کیا گیا جسے سال ۱۹۲۴ء میں نظامت کا موقف دیا گیا اور ۱۹۵۰ء میں اسے سنٹرل ریکارڈ آفس کے نام سے موسوم کیا گیا۔ ۱۹۵۳ء میں آندھرا اسٹیٹ کی تشکیل کے بعد مدراس ریکارڈ آفس سے آندھرا کے اضلاع سے متعلق ریکارڈ کو نو تشکیل شدہ ریاست آندھرا کے ریکارڈ آفس کرنول منتقل کیا گیا جب ریاست آندھرا پردیش کا وجود عمل میں آیا تو ۱۹۵۷ء میں یہ ریکارڈ سنٹرل ریکارڈ آفس حیدرآباد منتقل کر دیا گیا۔ سال ۱۹۶۲ء میں سنٹرل ریکارڈ آفس کی تنظیم جدید عمل میں لائی گئی اور اس کا نام اسٹیٹ آرکائیوز رکھا گیا۔

دستاویزات کی اقسام

آندھرا پردیش کے اسٹیٹ آرکائیوز میں ۱۴۰۶ء سے دکن کا ریکارڈ فارسی۔ مرہٹی۔ تلگو۔ کنڑی اور انگریزی زبانوں میں موجود ہے۔ بہمنی۔ قطب شاہی، عادل شاہی، آصف جاہی دورِ حکومت نیز مغلوں میں شاہجہاں کے دورِ حکومت سے متعلق دستاویزات یہاں موجود ہیں۔

سارے عالم میں یہ فارسی دستاویزات کا بیش بہا مخزن ہے۔

اسٹیٹ آرکائیوز میں سلاطین دکن کے زمانہ' استادات' دستاویزات آصفیہ دور کے قدیم دفاتر کے ریکارڈ سابق حیدرآباد اسٹیٹ کے دفاتر معتمدی کے ریکارڈ مدراس اسٹیٹ اور آندھرا اسٹیٹ کے دستاویزات یہاں رکھے گیے ہیں فارسی اور اردو زبان میں تقریباً ۸۰۰ دستاویزات ہیں جن میں تاریخی اور ادبی مواد محفوظ ہے۔

مائیکروفلم

میکنزی اور براؤن کے مجموعوں ٹیلر کی پانچ جلدیں۔ ایلیٹ کے تلگو مجموعوں کی دو جلدیں تمام مائیکروفلم کی کاپیاں بنا کر ۱۹۶۸ء میں گورنمنٹ اورینٹل مینیسکرپٹس لائبریری سے حاصل کی گئی ہیں۔ غیر شائع شدہ تلگو دستاویزات معہ ترتیب سرسوتی محل لائبریری تنجور سے حاصل کی گئیں۔

سکریٹریٹ میں جمع شدہ سلسلے وار اہم ریکارڈ کے حصول کیلئے ۱۹۶۴ء میں ریاستی سکریٹریٹ کے احاطے میں اسٹیٹ آرکائیوز کا ایک عبوری دفتر قایم کیا گیا۔ حکومت آندھرا پردیش کے تقریباً دس سالہ ریکارڈ کو یہاں محفوظ رکھا گیا ہے۔ اور دس سال سے زائد مدت کے ریکارڈ کو اسٹیٹ آرکائیوز منتقل کر دیا گیا ہے۔

اسٹیٹ آرکائیوز کی عبوری شاخ میں ۱۹۵۶ - ۱۹۸۰ء تک ریکارڈ رکھا گیا ہے تاکہ دفاتر سکریٹریٹ کو وقت ضرورت حوالے فراہم کئے جا سکیں۔

اسٹیٹ آرکائیوز کا ایک علاقائی دفتر ۱۹۷۳ء میں ترپتی

دوسرا ۱۹۷۷ء میں دسا کھاپٹنم میں قائم کیا گیا۔ یہ دفاتر یونیورسٹیوں کے احاطوں میں قائم کیے گئے ہیں تاکہ قریب کے اضلاع سے ریکارڈ جمع کرتے ہوئے ریسرچ اسکالروں کو فراہم کیا جاسکے اور مقامی تاریخی اہمیت کے موضوعات پر تحقیق کو پروان چڑھایا جاسکے۔

فلم آرکائیوز

سال ۱۹۳۰ تا ۱۹۴۰ء کے دوران تیار کردہ آرٹ اور ثقافتی اہمیت کے حامل جنوبی ہند کے نایاب فلموں کو محفوظ کرنے کے لیے ایک فلم آرکائیوز کے قیام کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ مجوزہ فلم آرکائیوز پونے میں قایم شدہ نیشنل فلم آرکائیوز کے خطوط پر قایم کیا جائے گا۔

ترقیاتی کاموں کا جائزہ

ضلع مغربی گوداوری میں انٹیگریٹیڈ ٹرائبل ڈیولپمنٹ ایجنسی کی جانب سے اختیار کردہ مختلف اسکیمات کے تحت ۱۳۶۵۰ لاکھ روپے خرچ کیے گئے جس سے ۹۲۸ قبائیلی افراد کو فائدہ پہنچا۔ درج فہرست اقوام کی سروس کوآپریٹیو سوسائیٹیوں کے تحت ۲۷۶۸۰ لاکھ روپے خرچ کیے گئے جس سے ۲۴۲۶ درج فہرست اقوام کے لوگ مستفیض ہوئے۔

قومی دیہی روزگار پروگرام کے تحت ضلع پریشد کی جانب سے مرکزی حصہ کے طور پر ۳۴۶۹۸ لاکھ روپے اور دیہی بے زمین افراد کو روزگار کا یقین فراہم کرنے کے پروگرام کے تحت ۱۳۱۶۵۱ لاکھ روپے۔ مختلف مقامات پر نہروں پر پلوں کی تعمیر پر ۴۶۷۵۰ لاکھ روپے۔ ہائی اسکولوں کی عمارتوں کے لیے ۴ لاکھ روپے پنچایت کی عمارتوں کی تعمیر کے لیے ۲۶۸۰ لاکھ روپے ضلع پریشد کی عمارتوں کی درستگی اور مرمت کے لیے ۲۶۵۵ لاکھ روپے منظور کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

نظام آباد میں ای این ٹی کیمپ کا انعقاد

ضلع نظام آباد کے مستقر ہاسپٹل میں ایک ای این ٹی کیمپ منعقد کیا گیا جہاں غریب لوگوں کو مفت ماہرانہ طبی سہولتیں فراہم کی گئیں۔ یہ کیمپ روٹری کلب نظام آباد اور آیودھیا چیریٹیبل ٹرسٹ پونے کے اشتراک سے دسمبر ۸۴ء میں منعقد کیا گیا۔ کیمپ میں۔ آنکھ۔ ناک، کان اور حلق کے مختلف امراض میں مبتلا ۱۱۰۰ افراد کی جانچ کی گئی۔ ۸۲۰ افراد کی قوت سماعت کا امتحان کیا گیا اور سماعت میں مدد دینے والے آلات کے استعمال کے ذریعہ ۵۰۰ افراد کا امتحان کیا گیا۔

سماعت کے آلات بمبئی کی کمپنی مسرس آنی الکٹرانکس پرائیویٹ لمیٹیڈ نے ۵۰ فیصد رعایتی قیمت پر سربراہ کیے۔ ۸۰ آلات کیمپ میں برسر موقع فروخت ہوئے ۳۱ آپریشن کیے گئے جس میں کان کے دو بڑے آپریشن شامل ہیں۔ ڈاکٹر بھوتا داس اسپیشلسٹ سرجن پونے کی قیادت میں ۱۸ ڈاکٹروں اور فنی ماہرین نے کیمپ میں حصہ لیا۔ سنڈیکیٹ بنک۔ اسٹیٹ بنک آف انڈیا، آندھرا بینک اور کارپوریشن بنک کی مقامی شاخوں کی جانب سے مستحق افراد کو آلات سماعت کی خریدی کے لیے قرضے مہیا کیے گئے۔

ضلع نلگنڈہ کے لیے ساتویں منصوبے کے موازنے کی منظوری

ضلع نلگنڈہ ڈسٹرکٹ پلاننگ بورڈ نے ضلع کے ساتویں منصوبے کے لیے ۲۹۶۶۷۹۲ کروڑ روپے پر مشتمل موازنے کی منظوری دی ہے۔ ریاستی حکومت کی جانب سے ۱۲۷۶۵۸ کروڑ

روپے مرکز کی طرف سے ۶۸ ، ۸ ، ۷ کروڑ روپے اور مالیاتی ادارے ۲۲۳ ، ۸۹ کروڑ روپے فراہم کریں گے۔ مابقی رقم مقامی اداروں اور عوام سے حاصل کی جائے گی۔

مذکورہ رقم کی شعبہ جاتی تقسیم

محکمہ زراعت — ۵۱۲۶۲۳۰ لاکھ روپے

محکمہ آبپاشی — ۳۱۲ لاکھ روپے چھوٹی اور اوسط آبپاشی

دیہی آبرسانی کے لیے ۸۶۸۶۲۱ لاکھ روپے

۲۸۲۵ بورویل — ۹ محفوظ آبرسانی اسکیمات

درج فہرست قبائل کی فلاحی اسکیمات کے تحت ۳۲ ہاسٹلوں ۶ آشرم اسکول اور ۲۱ پرائمری اسکول کی عمارتیں تعمیر کی جائیں گی۔ اس کے علاوہ ۵۴۰۶ قبائلی خاندانوں کی امداد کے لیے ۴۱۰ لاکھ روپے اور درج فہرست اقوام کی فلاحی اسکیمات کے تحت ۵۹۰۶۷۸ لاکھ روپے خرچ کئے جائیں گے اور تقریباً ۵۲۶۷۰ درج فہرست اقوام کے خاندانوں کو مالی امداد پہنچانے کے علاوہ دوسری مختلف اسکیمات شروع کی جائیں گی۔

دیہی علاقوں میں مزدور طبقے کو روزگار فراہم کرنے کے لیے قومی دیہی روزگار پروگرام کے تحت ۱۸۶۷ لاکھ روپے روزگار پیدا کرنے والی اسکیمات پر خرچ کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ دیہی بے زمین افراد کو روزگار کا تیقن دینے کے پروگرام کے تحت ۳۹۶۵۵۰ لاکھ روپے کے خرچ سے ۳۳۷ کلو میٹر طویل سڑکیں اور مدارس کے لیے ۱۴۷۱ کمرے تعمیر کرنے کی تجویز پر عمل کرنا طے کیا گیا ہے۔

اسمال اسکیل انڈسٹریز کے شعبہ میں ۳۰۰ صنعتی یونٹیں ۷ انڈسٹریل اسٹیٹ اور ۵۰۰ کاریگروں کو ۸۶۶۰ لاکھ روپے کے خرچ سے امداد دینا تجویز کیا گیا ہے۔ مواضعات کو بجلی کی سربراہی کے پروگرام کے تحت ۳۸۶۵ لاکھ روپے مختص کئے گئے ہیں جس سے بجلی ۷۳۵ سب اسٹیشن قائم کئے جائیں گے اور ۳۰ ہزار زرعی باولیوں کو بجلی فراہم کی جائے گی۔

۳۱۵ لاکھ روپے کے خرچ سے ۴۲۰۰ بائیو گیس پلانٹ قائم کرنا طے کیا گیا ہے۔ ساتویں پنجسالہ منصوبہ کے دوران کمزور طبقات کے ہاؤزنگ پروگرام کے تحت ۱۴۷۰۰ پختہ مکانات دیہات میں اور ۴۴۴۰ پختہ مکانات شہری علاقوں میں تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

مویشیوں کے علاج کیلئے کیمپ

سنڈیکیٹ بینک موضع اودر ور ضلع نظام آباد کے تعاون سے حال ہی میں موضع کانم پلی تعلقہ بودھن میں مویشیوں کے علاج اور صحت کے تعلق سے ایک بہت بڑا کیمپ منعقد کیا گیا۔ ڈاکٹر بی۔ لکشما ریڈی ریجنل جائنٹ ڈائرکٹر (اینیمل ہسبنڈری) نظام آباد نے کیمپ کا افتتاح کیا۔

ڈاکٹر کرشنا جی کلکرنی اسسٹنٹ ڈائرکٹر کیٹل ڈیولپمنٹ نظام آباد اور ڈاکٹر جی۔ مدھو سودھن اسسٹنٹ ڈائرکٹر بانسواڑہ نے ۲۰۰ مویشیوں کی عام صحت اور بانجھ پن کی جانچ کی اور علاج کیا۔ ڈاکٹر سلیمان سندر پراجکٹ کوآرڈینیٹر اور مسٹر راما راؤ رورل ڈیولپمنٹ افسر سنڈیکیٹ بینک نے بھی شرکت کی۔

اس سلسلے میں مویشیوں کے اعلیٰ بہتر قسم کے چارے کی نمائش کا انتظام کیا گیا۔ اس چارے کے فوائد کے تعلق سے ڈاکٹر کے ستیہ نارائن اسسٹنٹ ڈائرکٹر فیڈ اینڈ فاڈر ڈیولپمنٹ نے تفصیلی وضاحت کی۔ مسٹر این۔ سامبا سیوا راؤ سرپنچ کانم پلی۔ اور ڈاکٹر مدھوکر ویٹرنری افسروں نے اس کیمپ کے کامیاب انعقاد کے انتظامات کئے۔

ضلع نیلور میں کوآپریٹیو ادارے

ضلع نیلور میں ادارہ جاتی مالیے کی فراہمی کے معاملے میں کوآپریٹیو ادارے نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں۔

سال رواں کے دوران ماہ اگست ۱۹۸۴ء کے ختم تک طویل۔

اوسط اور قلیل مدتی قرضوں کے طور پر امداد باہمی شعبے کی جانب سے (۱۸۰) لاکھ روپے فراہم کئے گئے۔

کوآپریٹیو سنٹرل بینک نیلور نے ۵۰۰ لاکھ روپے کے قرض فراہم کرنے کے مقررہ نشانے کی تکمیل کے سلسلے میں اپنی ۱۲ شاخوں کے ذریعے ۲۴ لاکھ روپے قلیل۔ ۱۳۱ لاکھ روپے اوسط مدتی قرضے ۴۶۴۴ افراد میں تقسیم کئے جن میں ۸۰۲ درج فہرست اقوام ۱۵۳ درج فہرست قبائیل اور ۳۶۸۸ دوسرے اشخاص شامل ہیں۔

۹ اگریکلچرل ڈیولپمنٹ بینکوں نے ضلع میں اراضیات کا باز یابی کنووں کی کھدوائی - آئیل انجنوں الکٹرک موٹروں اور ٹراکٹروں کی خریدی کے لیے ۲۵ لاکھ روپے کے طویل مدتی قرضے تقسیم کئے۔

ڈسٹرکٹ کوآپریٹیو مارکٹنگ سوسائٹی اور اسکی ۲۰ شاخوں کی جانب سے ضلع میں کیمیائی کھاد، کنٹرول کا کپڑا اشتی بیاضی اور دوسری اشیائے صارفین کی فروختگی کے ضمن میں ۸۴ لاکھ روپے کا کاروبار کیا۔

ڈسٹرکٹ کوآپریٹیو مارکیٹنگ سوسائٹی نے کسانوں سے ماہ اگست ۸۴ء کے ختم تک ۳۶٫۱۷ لاکھ روپے مالیت کے ۱۱۳۳۰ کنٹل دھان خریدے گئے۔

عالمی بینک کی امداد کے تحت اس سال کوآپریٹیو سوسائٹیوں کے لیے دس گودام تعمیر کئے گئے۔ مزید ۴۴ گودام تعمیر کے مختلف مراحل میں ہیں۔

اس سال کمزور طبقات کی کوآپریٹیو سوسائٹی کو انکی آمدنی میں اضافہ کرنے کے لیے ۱۶٫۸۱ لاکھ روپے کی مالی امداد دینے کا فیصلہ کیا گیا۔

رواں مالی سال کے دوران دو موٹر ٹرانسپورٹ کوآپریٹیو سوسائٹیوں کا قیام عمل میں لایا گیا۔

ان سوسائٹیوں کے ارکان کو ۱۵ لاریوں کی خریدی میں مدد دینے کے لیے بعض تجارتی بینکوں نے پیش قدمی کی ہے۔

محکمہ زراعت کی جانب سے کسانوں کو مونگ پھلی کے بیجوں کی سربراہی

مسٹر سندھیکر ڈپٹی ڈائرکٹر محکمہ زراعت نظام آباد نے بتایا کہ خشک سالی کے پروگرام کے تحت موسم ربیع کے لیے کسانوں کو مونگ پھلی کی "جے ایل ۲۴" قسم کے بیج سے بھری ہوئی ۱۲۰۰ چھوٹی تھیلیاں سربراہ کی گئیں۔ انہوں نے بتایا کہ مونگ پھلی کی یہ قسم خشک سالی سے متاثرہ علاقوں کے لیے بے حد موزوں ہے۔ اس کی فصل کو پانی کی بہت کم مقدار درکار ہوتی ہے۔ یہ بیج لال مٹی کی زمین کے لیے بھی بے حد موزوں ہوتے ہیں۔

گریجن طلباء کی ٹریننگ کا پروگرام

آندھرا پردیش اسٹیٹ ایگرو انڈسٹریز ڈیولپمنٹ کارپوریشن کی جانب سے خود روزگار پروگرام کے تحت گریجن طلباء کو ٹراکٹر۔ پمپ سیٹوں اور زرعی آلات اور موٹروں کی میکانیزم سے روشناس کرانے کے لیے ششماہی مدت کی ٹریننگ دینے کی مختلف اسکیمات تیار کی گئی ہیں۔ منتخب امیدواروں کو وزیانگرم۔ کھمم۔ چتکپلی اور حیدرآباد میں ٹریننگ دی جائے گی۔ اور ان امیدواروں کو ٹریننگ کی مدت کے دوران ۲۰۰ روپے فی ماہ کے حساب سے وظیفہ دیا جائے گا۔

آندھرا پردیش ریشم سازی کی صنعت کو فروغ

آندھرا پردیش میں شہتوت کی کاشت کے تحت ۹۲ ہزار ایکر رقبہ کے علاوہ اس سال کے ختم تک مزید ۱۵ ہزار ایکر زمین کو اس مقصد کے لیے استعمال کیا جائے گا۔

اس سال کے ختم تک شہتوت کی پیداوار میں ۱۳ ہزار ٹن سے ۱۸ ہزار ٹن تک اضافہ کیا جائے گا۔

اپریل ۱۹۸۳ء سے شروع کردہ شہتوت کی سرکاری مارکٹ میں جملہ ۳۹۷ ٹن شہتوت مالیتی ۱۴۶۰۲ کروڑ روپے کا کاروبار کیا گیا۔

مارکٹ کی فیس ۲۸٫۵۸ لاکھ روپے وصول ہوئی۔

شہتوت کے علاوہ ریاست میں ٹسّر پیدا کرنے کے درختوں کی بھی کاشت کی جاتی ہے۔ ٹسّر پیدا کرنے والی پھلی کی مقدار گذشتہ سال ۱۲۰ لاکھ ٹن کے مقابلے میں اس سال ۲۵۰ لاکھ ٹن تک پہنچ جائے گی۔

ٹسّر پیدا کرنے والے قبائیلی لوگوں کو فایدہ پہنچانے کے لیے ۱۱۰ لاکھ روپے کی تخمینی لاگت سے ایک مرکزی پراجکٹ شروع کیا گیا اس پروگرام کے ٹسّر کے پودے ۵۰۰ ہیکٹر اراضی پر اگائے جائیں گے۔

جاپانی ھائی برِیڈ

حالیہ برسوں میں پینونت ڈہ۔ ہارسلی ہلز۔ اضلاع اننت پور چتور اور محبوب نگر میں جاپانی ہائی بریڈ کی کاشت کی گئی جو اطمینان بخش رہی۔

سلک اور سلک کا کپڑا تیار کرنے والوں کے لئے پراجکٹ

سلک اور سلک کا کپڑا تیار کرنے والوں کے فایدے کا تذکرہ کرتے ہوئے وزیر موصوف نے کہا کہ سلک کا دھاگا سلک تیار کرنے والوں کو مہیا کرنے کے لیے ۴٫۴۲۵ کروڑ روپے کے خرچ سے ایک پراجکٹ قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

اس پراجکٹ کے تحت مناسب داموں پر جیسا دوسری ریاستوں میں قیمتوں کا چلن ہے سلک حاصل کرکے دستی پارچہ بافی کا کام کرنے والوں کو سربراہ کیا جائے گا۔ اور ان کی جانب سے تیار کیا گیا سلک کا کپڑا حاصل کر لیا جائے گا۔ یہ تمام سرگرمیاں سیری کلچر فیڈریشن کے ذریعہ انجام دی جائیں گی اس اسکیم سے ریشم سازی اور سلک کا کپڑا تیار کرنے کی صنعت میں لگے ہوئے بہت سے افراد کو فایدہ پہنچے گا۔

لڑکیوں کے لئے یتیم خانے کے قیام کی منظوری

ریاستی حکومت نے بھیمونی پٹنم میں لڑکیوں کے لیے یتیم خانے کے قیام کی منظوری دی ہے۔ اور بہت جلد یہ یتیم خانہ کام کرنا شروع کردیگا۔

۱۸ سال سے کم عمر کا ایسا بچہ جس کے ماں اور باپ دونوں انتقال کر گئے ہوں اور کوئی دوسرا سہارا اسکے لئے نہ ہو تو وہ یتیم سمجھا جائے گا۔ اس مقصد کے لیے بھیمونی پٹنم میں ایک عمارات حاصل کرلی گئی ہے۔

کمزور طبقات کی کوآپریٹیو اسکیمات کے لیے ۴٫۸۰ لاکھ روپے

حکومت نے آندھرا پردیش بیک ورڈ کلاسس کوآپریٹیو فینانس کارپوریشن لمیٹڈ کو ۴٫۸۰ لاکھ روپے منظور کئے ہیں۔ سال ۱۹۸۴-۸۵ء کے سالانہ منصوبے کے موازنے میں اس رقم کی گنجائش رکھی گئی تھی تاکہ کمزور طبقات کے پروگرام کے سلسلے میں سرمایہ حصص کی رقم ادا کی جاسکے۔ سائیکل رکشاؤں سلائی مشینوں کی خریدی۔ بھیڑوں کی پرورش۔ ترکاری میوے اور پھولوں کے چھوٹے کاروبار کے لیے یہ رقم استعمال کی جائے گی۔ اے۔پی۔ بیک ورڈ کلاسس کوآپریٹیو فینانس کارپوریشن لمیٹڈ کی جانب سے یہ رقم ڈسٹرکٹ بیک ورڈ کلاسس سرویس کوآپریٹیو سوسائیٹیوں کو ۲۰ فیصد حاشیائی رقم کے طور پر دی جائے گی مابقی ۸۰ فیصد رقم بینکوں کی جانب سے قرض کے طور پر مہیا کی جائے گی۔

کمزور طبقات میں قرضوں کی تقسیم

ضلع کھمم کے سمیتی مستقروں پر منعقدہ کمزور طبقات کی بہبودی تقاریب کے ہفتہ نومبر ۸۴ء کے دوران قرضوں کی فراہمی کے پروگرام کے تحت کمزور طبقات سے تعلق رکھنے والے ۸۶۸۳ افراد میں جملہ ۱۳۶ لاکھ روپے ۵۰۲ قبائیل افراد کو تہ گوڑم ۷۰۷ افراد میں ۱۶٫۸۲ لاکھ روپے اور کلورو میں ۵۷۳ افراد میں ۱۷٫۴۵ لاکھ روپے تقسیم کئے گئے۔

———— سالانہ منصوبہ سال ۱۹۸۴-۸۵ء کے پروگراموں کے تحت ریاستی حکومت نے قبائیلی علاقوں کے لیے ۵ لاکھ روپے منظور کئے ہیں۔ یہ رقم آندھرا پردیش اسٹیٹ ٹرائبل کوآپریٹیو فینانس کارپوریشن کی تحویل میں رکھی جائے گی۔ یہ رقم اضلاع سریکاکلم وزیانگرم۔ وساکھاپٹنم مغربی گوداوری مشرقی گوداوری ورنگل اور کھمم کے علاقوں کی ترقی کے لیے جاری کی جائے گی۔ ●●

ت۔ سرینواس راؤ
6-4-99 ناگل بازار، ہنمکنڈہ (اے پی) 506011

پاکھال ۔ حسنِ قدرت کا سرچشمہ

آندھرا پردیش حسین مقامات کے لیے کافی مشہور ہے۔ کنٹالہ آبشار، پوچارا آبشار، علی ساگر جھیل و پاکھال جھیل تلنگانہ علاقہ کے حسین ترین مقامات میں شمار ہوتے ہیں۔ آج بھی یہاں پر قدرت کا راج ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں انسان اور سائنس نے قدرت کے ان بے پناہ حسین نظاروں کے سامنے اپنے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔

مشہور شہر ورنگل سے ۳۵ میل پر مشرق کی طرف پاکھال جھیل واقع ہے۔ آج سے ۳۵ برس پہلے پاکھال گھنا جنگل مانا جاتا تھا۔ انسان تو کیا جانور بھی دن دھاڑے وہاں جانے سے گھبراتے تھے۔ طرح طرح کے درندوں سے پاکھال بھرا پڑا تھا۔ شیروں اور چیتوں کی وہاں حکومت تھی اور پاکھال جھیل میں مگرمچھوں کی ان گنت تعداد تھی۔

پاکھال کا جنگل انسان کے لیے قدرت کا ایک سرمایہ سمجھا جاتا ہے۔ قسم قسم کے درخت، پودے اور پھول وہاں پائے جاتے ہیں۔ اس وقت جھیل میں اس قدر پانی تھا کہ آسانی سے دو تین فصلوں کو سیراب کیا جا سکتا تھا۔ زبردست بارش ہوا کرتی تھی۔ اور سارا علاقہ قدرت کے حسین نظاروں میں بدل جاتا۔

آج پاکھال کا نقشہ کچھ حد تک بدل چکا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آج بھی یہاں کثرت سے بارش ہوتی ہے لیکن ماضی کے مقابلہ میں بہت کم۔ جنگل بڑی حد تک کٹ چکا ہے۔ زراعت کے لیے جھیل کا پانی فراہم کیا جا رہا ہے اور دیگر کئی ذرائع سے اس مقام کو ترقی دی جا رہی ہے۔ اب پاکھال کے علاقے کو جنگلی جانوروں کی محفوظ پناہ گاہ میں بدل دیا گیا ہے یہاں کسی قسم کا شکار نہیں کیا جا سکتا۔ جنگلی جانور اور مختلف قسم کے پرندے آپ کو برسات میں خاص طور پر نظر آئیں گے بندوق کی جگہ آپ لوگوں کے ہاتھوں میں کیمرہ دیکھیں گے۔ جو بھی یہاں آتے ہیں تصاویر لینے کی دھن میں لگے رہتے ہیں۔

پاکھال میں قیام گاہیں ہیں۔ ایک قدیم جھیل کے کنارے پر اور دوسری کافی شاندار ہے جو ۲ فرلانگ کے فاصلے پر جھیل کے اس پار ہے یہاں رہنے کے انتظامات بہت اچھے ہیں۔ بڑی تعداد میں لوگوں کے قیام کی سہولت ہے۔

اِن دونوں قیام گاہوں میں رہنے کے لیے پہلے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے جو بہت آسانی سے مل جاتی ہے۔

شہر ورنگل سے قریب ہونے کی وجہ سے پاکھال جھیل قدرتی مناظر کے پرستاروں، طالب علموں اور سیاحوں کو اپنی طرف راغب کرتی ہے نباتات کے طالب علم یہاں آ کر جڑی بوٹیوں کی چھان بین کرتے ہیں۔ نئے آنے والے صبح سے شام تک بلکہ دن رات یہاں گذارنا اپنا دھرم سمجھتے ہیں۔ دونوں ہی قیام گاہیں کافی اچھے معیار کی ہیں۔ یہاں باورچی، باغبان نگران کار وغیرہ کی سہولتیں موجود ہیں۔ آپ یہاں پر پکوان کا بھی انتظام

کرا سکتے ہیں۔ پاکھال میں گویا "جنگل میں منگل" کا سا انتظام ہے۔

پاکھال جھیل ایک قدرتی جھیل ہے جو وسعت اور گہرائی کے اعتبار سے ساری ریاست میں مشہور ہے۔ اسکے متصل ایک سڑک جاتی ہے جس کا گذر جنگل میں سے ہوتا ہے۔ کئی قسم کے جنگلی جانور، ہرن، نیل گائے، بارا سنگھے وغیرہ یہاں دکھائی دیتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا انہیں یہاں جمع کر دیا گیا ہے۔ اسلئے انہیں دیکھنا اور انکی طرز زندگی کو سمجھنا ایک آسان کام بن گیا ہے۔

آندھرا پردیش مندروں، مسجدوں اور کمالاتِ انسانی سے معمور ریاست ہے۔ لیکن قدرت کی کاریگری تو آپ پاکھال جیسے مقامات ہی میں دیکھ سکیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری حکومت نے سیاحوں کی سہولت کی خاطر یہاں پر مناسب انتظامات کئے ہیں۔ ورنگل سے پاکھال تک آنا جانا تو بہت آسان ہو گیا ہے۔ صبح سے رات تک کافی تعداد میں بسیں چلائی جاتی ہیں۔ آبادی بڑھتی جا رہی ہے اور اندیشہ ہے کہ انسان جنگل کو اپنی رہائش گاہوں میں نہ تبدیل کر دیں۔ ورنہ جنگل بھی شہر میں بدل جائیں گے۔

پاکھال کو پاکھال ہی رہنا چاہیئے۔

قدرت کے اس عظیم الشان مناظر کا انسان دور ہی سے نظارہ کریں تو بہتر ہے۔ انسان کا ہاتھ لگ گیا تو یہ خزانہ تباہ ہو جائے گا●●

گراموویا کے خود روزگار پروگرام نے مسٹر سندر راجو کو روزگار سے لگا دیا

مسٹر سندر راجو موضع گوڈیم چرڈو تعلقہ حبلہ موڈگو ضلع گڑپہ کا رہنے والا نوجوان ہے۔ بچپن ہی سے بے شمار دشواریوں کے باوجود مسلسل کوششوں اور سوشیل ویلفیر ڈپارٹمنٹ کی جانب سے مہیا کی گئی سرکاری امداد کی بدولت وہ ایم کام تک تعلیم حاصل کرنے میں کامیاب رہا۔

دوسرے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے برخلاف جو سرکاری ملازمتوں کی تلاش میں رہتے ہیں مسٹر سندر راجو نے اپنے پیر آپ کھڑے ہونے کے لیے کاروبار اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ ایسے حالات میں حکومت کی گراموویا اسکیم مسٹر سندر راجو کے لیے ایک نعمت ثابت ہوئی۔

مسٹر سندر راجو نے اپنے گاؤں میں آٹے کی گرنی قائم کرنے کے لیے ایک درخواست گراموویا اسکیم کو مالی امداد کی خاطر پیش کی۔ سرکاری انتظامیہ نے انکی صلاحیتوں اور تعلیمی پس منظر کو ملحوظ رکھتے ہوئے مسٹر راجو کو مالی امداد کی فراہمی کے ساتھ آٹے کی گرنی قائم کرنے کی اجازت دیدی جس کا حال ہی میں جائینٹ کلکٹر گڑپہ کے ہاتھوں افتتاح عمل میں آیا۔

اس گرنی کے ذریعے ہونے والی آمدنی سے مسٹر سندر راجو اپنے والدین اور بیوی کے ساتھ رہتے ہوئے اپنے اخراجات کی پابجائی کرتے ہیں۔ مسٹر راجو ایک ترقی پسند نوجوان ہیں۔ اور بین فرقہ جاتی شادی کے ذریعہ انہوں نے نوجوانوں کے سامنے ایک مثال قائم کی ہے۔

چاول بشرح ۲ روپے فی کیلو : ۹۶ ، ۵۴ لاکھ خاندانوں کو فائدہ پہونچا ہے

خلیل اکمل

کیمیکل اینڈ میکانیکل انجنیئر - آر - آر لیابس
تارناکہ، حیدرآباد ۵۰۰۰۰۹

پیٹرول کا متبادل

قدرت نے بنی نوع انسان کی بقا کیلئے کائنات میں کئی وسائل پیدا کئے ہیں۔ جن میں نباتات - حیوانات اور معدنیات قابل ذکر ہیں۔ نباتات اور حیوانات کی افزائش اور دیکھ بھال کرکے انہیں لازوال بنایا جاسکتا ہے لیکن معدنیات کے محدود ذخائر کا مقررہ وقت کے بعد ختم ہوجانا ایک لازمی امر ہے - جن کی افزائش ہمارے بس کی بات نہیں۔ چنانچہ پیٹرول کے ذخائر میں بھی آئے دن انحطاط واقع ہورہا ہے اسلئے اسکا متبادل تلاش کرنا ناگزیر ہے۔ آج ہماری مہذب سوسائٹی کا انحصار پیٹرول پر ہے اسلئے پیٹرول کے استعمال کی مقدار ملکوں کی ترقی کا پیمانہ بن گئی ہے۔ اسلئے پیٹرول اپنی مسلمہ اہمیت کی بنا پر سیال سونا کہلانے کا مستحق ہے - پیٹرول سے ہماری روزمرہ زندگی میں نہ صرف ذرائع حمل ونقل میں مدد لی جاتی ہے بلکہ اسکے کیمیائی مرکبات - پلاسٹک ادویات - مصنوعی ریشہ اور رنگوں کی تیاری میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔

پیٹرول کئی کیمیائی مرکبات کا ایک پیچیدہ آمیزہ ہے - جس کا مشترکہ حصہ ہائیڈروکاربنس HYDROCARBONS یعنی کاربن اور ہائیڈروجن رکھنے والے نامیاتی مرکبات پر مشتمل ہوتا ہے - اسکے علاوہ اسمیں گندک اور نائٹروجن کے مرکبات بھی موجود ہوتے ہیں - پیٹرول جب خام حالت میں زمین سے نکالا جاتا ہے تو کسی بھی مصرف کا نہیں رہتا - اسلئے اسکو عمل کشید DISTILLATION کے ذریعہ مختلف درجہ حرارت پر کئی کشیدوں میں تبدیل کردیا جاتا ہے - ان میں سے ایک کشید پیٹرول کہلاتا ہے۔ دوسرا کشیدہ گیاس کا تیل اور تیسرا NAPHTHA کہلاتا ہے - جس سے عموماً کیمیائی کھاد بنائی جاتی ہے۔ ان کشیدوں کے علاوہ ویزلین اور ڈامبر PITCH اسی کشیدی عمل کے ضمنی ماحصل ہ

پیٹرول کی بڑھتی ہوئی ضروریات اور معدوم ہوتے ہوئے ذخا اس بات کے متقاضی ہیں کہ اسکے مناسب متبادل ذرائع دریافت کئے جائ اگرچہ کہ پیٹرول کا نعم البدل دریافت کرنے کے کامیاب تجربات دوسری جنگ عظیم کے دوران ہی کرلئے گئے تھے لیکن پیٹرول کی فراوانی اور ارزانی کی وجہ سے تجربات میں مزید پیش رفت نہ ہوسکی۔ لیکن آج بڑھتی ہوئی قیمتوں کے پیش ن ہر ملک اپنے قدرتی وسائل کو پیٹرول کا مقام دینے کے لیے کوشاں چنانچہ جس ملک میں جوہری معدنیات دستیاب ہوتے ہیں وہاں جوہری توانا کو ترقی دینے کی سعی جاری ہے تو جہاں کوئلہ بافراط مہیا ہوتا ہے وہاں کوئلہ کو پیٹرو میں تبدیل کرنے کی تحقیقات جاری ہیں۔ وہ نیز تجدیدی ذرائع (RENEWABLE SOURCES) جیسے شمسی توانائی - زمین حراراتی توانائی (GEOTHERMAL) تموجی توانائی (IDAL اور ہوائی توانائی (WIND POWER) کے علاوہ بے کا دبے مصرف اشیا جیسے کوڑاکرکٹ اور زرعی فاضل مادوں (AGRICULTURAL WASTE) کو پیٹرول کا نعم بنانے کی سعی جاری ہے۔

زمین دوز حراراتی توانائی کو اس صدی کے آغاز پر ہی دریافت کرلیا گیا تھا لیکن موزوں سائنسی آلات کی عدم دستیابی کی وجہ سے ک حجم کا صحیح اندازہ نہ ہوسکا لیکن گذشتہ کئی سال سے اس توانائی کا استعمال ہورہا جس سے کوئی دس لاکھ کیلوواٹ بجلی پیدا کی جارہی ہے۔ یہ توانائی دراصل

زیر زمین تغیرات کے اثر سے پیدا ہونے والے گرم مادوں سے حاصل ہوتی ہے۔ جو زمین میں جذب ہونے والے پانی کو بھاپ یا کھولتے پانی میں تبدیل کر دیتے ہیں جس سے بھاپ یا گرم پانی کے چشمے اُبل پڑتے ہیں۔ بھاپ سے ٹربائن (TURBINE) چلا کر بجلی پیدا کی جاتی ہے اور گرم پانی سے ایرکنڈیشننگ AIR CONDITIONING کا کام لیا جاتا ہے۔ زمین دوز حرارتی توانائی۔ پیٹرول کے مقابلہ میں سستی ہوتی ہے۔ اور اس سے فضائی آلودگی کا کوئی خدشہ نہیں رہتا۔ اس توانائی کو ترقی دینے کا کام نیوزی لینڈ انڈونیشیا۔ فرانس۔ کیلیفورنیا اور ترکی میں ہو رہا ہے۔

شمسی توانائی (SOLAR ENERGY) قدرت کی عطا کی ہوئی ایک بیش بہا اور لازوال نعمت ہے جو بغیر کسی قیمت کے دستیاب ہوتی ہے۔ شمسی توانائی کا منبع سورج ہے جس کی سطح تپش ۶ ہزار درجہ کیلون ہے۔ یہ ہر منٹ ایک مربع کیلومیٹر رقبہ پر ۱۳ سو واٹ کے برابر بجلی فراہم کر سکتا ہے۔ شمسی توانائی دیگر تمام وسائل سے حاصل کردہ توانائی کے مقابلہ میں ۲۳ ہزار گنا زیادہ ہے۔ ایک اندازہ کے مطابق سورج کی تمام توانائی ایک ملین واٹ بجلی کے مماثل ہے۔ اس توانائی کا ۳۰ نیصد حصہ زمین میں اور ۷۰ نیصد حصہ سمندری پانی میں جذب ہو جاتا ہے۔ بقیہ حصہ نباتات حاصل کر لیتے ہیں۔ بہر حال جو بھی ہیں شمسی توانائی دستیاب ہوتی ہے اس سے ایک ہزار میگا واٹ کا بجلی گھر قائم کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ سورج کی شعاعیں انسانی صحت کے لیے مفید ہیں۔ کیونکہ ان میں جراثیم کش خاصیت پائی جاتی ہے۔

شمسی توانائی کو مختلف طریقوں سے استعمال کیا جاتا ہے۔ سب سے سہولت بخش اور کامیاب طریقہ PHOTO VOLTAIC CELL کا استعمال ہے۔ ان بیاٹریوں سے کسی بھی وقت حسب منشا کام لیا جاتا ہے آجکل سویڈن میں موٹر گاڑیوں کو چلانے کے لیے ہی بیاٹریاں استعمال کی جا رہی ہیں۔ اوسطاً ایک بیاٹری کی قوت کوئی ۱۴۰ واٹ ہوتی ہے۔

اور ایک کار کو چلانے کے لیے ایسی ۸ بیٹریاں درکار ہوتی ہیں جو ۵۰ کیلومیٹر کی رفتار سے سو کیلومیٹر کی مسافت طئے کرنے کے لیے کافی ہیں۔

شمسی بیاٹریوں کا حیرت انگیز استعمال ۷ اگست سنہ ۱۹۸۰ء کو امریکہ کے موزا ریگستان میں ہوا۔ جہاں ایک کم وزنی ہوائی جہاز (۳۱ کیلوگرام) کو پہلی مرتبہ شمسی قوت سے اڑایا گیا۔ اس جہاز کا نام — PENGUIN تھا جسکو ڈاکٹر پال میک کریڈی نے ڈیزائن کیا تھا۔ اس جہاز کو چلانے کے لیے ۵۰ ہزار شمسی بیاٹریاں استعمال کی گئیں جن کی مجموعی قوت ۸۲۵ واٹ تھی۔ اس جہاز کی رفتار صرف ۲۴ کیلومیٹر فی گھنٹہ تھی جس نے زمین سے دو میٹر کی بلندی سے پرواز کرتے ہوئے ۳ کیلومیٹر کی مسافت ۱۴ منٹ ۱۱ سکینڈ میں طے کی۔ اسی جہاز کے اصول پر ایک اور جہاز SOLAR CHALLENGER تیار کر لیا گیا جس کا وزن ۱۳۵ کیلوگرام ہے۔ اس جہاز کی رفتار ۶۴ کیلومیٹر فی گھنٹہ ہوگی اور یہ اوسطاً ۵۰ تا ۱۵۰ میٹر کی بلندی پر پرواز کرے گا۔ یہ جہاز بظاہر ایک عام جہاز سے مشابہ ہے لیکن اس کا اوپری حصہ ایک کھپریل کے مکان کا نقشہ پیش کرتا ہے جس پر ۵۰ ہزار شمسی بیاٹریاں نصب کی گئی ہیں جو سورج کی روشنی سے دفعتاً ۲ ہزار واٹ بجلی پیدا کر سکتے ہیں جو اس جہاز کو چلانے کے لیے کافی ہیں۔

یوں تو شمسی توانائی کا قدیم اور روایتی استعمال سمندری پانی سے نمک تیار کرنا اور زرعی فصل کو خشک کرنا ہے۔ لیکن آجکل اس سے ریفریجریشن REFRIGERATION اور ایرکنڈیشننگ کا کام لیا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے روزمرہ استعمال کے لیے شمسی چولہے اور شمسی پنکھے تیار کیے جا رہے ہیں۔

مختصراً زمین دوز حرارتی توانائی ہو یا شمسی توانائی یا اور کوئی توانائی ان تمام کو بالکلیہ طور پر پیٹرول کا نعم البدل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن کوئلہ میں تمام خوبیاں موجود ہیں جس سے اسکو پیٹرول کا قائم مقام کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس سے بجلی پیدا کی جا سکتی ہے۔ بطور ایندھن استعمال ہو سکتا ہے۔

اسکے کیمیائی مرکبات ادویات مصنوعی کھاد اور رنگوں کی صنعت میں بطور خام اشیاء استعمال ہوسکتے ہیں اور اس کی سب سے حیرت انگیز خوبی یہ ہیکہ اسکو پٹرول میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ اسی لیے پٹرول کے وجود میں آنے سے قبل یعنی نصف صدی پہلے صرف اسی ملک کو صنعتی قرار دیا جاتا تھا جہاں کوئلہ کے وافر ذخائر موجود ہیں اور چنانچہ دوسری جنگ عظیم تک بھی کیمیائی صنعت کا انحصار کوئلہ پر ہی تھا۔ لیکن پٹرول کی بڑھتی ہوئی موجودہ قیمتوں کے پیش نظر کوئلہ ایک بار پھر اپنی افادیت کی بنا پر "کالا سونا" کہلانے کا مستحق ہے۔

ہمارے ملک میں کوئلہ کے ذخائر کا اندازہ ۱۱۱ بلین ٹن لگایا گیا ہے اور اسکی سالانہ پیداوار ۱۳۵ ملین ٹن ہے۔ اسکے مقابلہ میں ہمارے پٹرول کے ذخائر ۱۳۰ ملین ٹن تک محدود ہیں۔ اور ہمارا سالانہ خرچ ۳۰ ملین ٹن سے تجاوز کرگیا ہے۔ اسی لیے سالانہ ۱۲ ملین ٹن پیداوار کے نتیجہ میں مابقی پٹرول درآمد کرنا ناگزیر ہے۔

یوں تو کوئلہ کو جدید سائینسی و تکنیکی طریقوں سے ٹھوس اور گیاسی ایندھن میں تبدیل کرنا کوئی نئی بات نہیں ہے لیکن اسکو پٹرول میں بدلنے کے تجربات میں بھی نمایاں ترقی ہوئی ہے۔ ایک طریقہ وہ ہے جسمیں کوئلہ میں ایک خاص تیل (HEAVY OIL) ملاکر ہائیڈروجن گیاس سے خاص حالات میں کیمیائی تعمل کیا جاتا ہے جس سے ۴۰ تا ۵۰ نیصد کوئلہ پٹرول میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ اسکو BERGIUS کا طریقہ بھی کہا جاتا ہے۔ دوسرا طریقہ میں ہائیڈروجن اور کاربن مانو آکسائیڈ گیاسوں کے مابین کسی خاص نماسی عامل کی موجودگی میں تعمل کیا جاتا ہے۔ اسکو FISCHER TROPSCH SYNTHESIS کہتے ہیں۔ اس طریقہ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان دونوں گیاسوں کے تناسب کو بڑھا یا گھٹا کر حسب منشا کیمیائی مرکبات بھی حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ دوسری جنگ عظیم کے دوران جرمنی میں اسی طریقہ سے مصنوعی پٹرول۔ ٹرین اور بالی اسٹرلیشر مصنوعی موم کے علاوہ (LUBICATING OILS) تیار کئے جاتے تھے۔ لیکن ایک بار پھر آج مغربی جرمنی میں BROWN COAL کو پٹرول میں تبدیل کرنے کا نیم تجارتی پلانٹ نصب کیا گیا ہے۔

غرض کوئلہ کو ہمارے ہر زاویہ استعمال سے پٹرول کا متبادل قرار دیا جاسکتا ہے۔

●

ضلع میدک میں ۱۰۸۶۵۵ لاکھ روپیے کی لاگت سے

بنیادی دواسازی کے پرجکٹ کا قیام

پسماندہ ضلع میدک کے موضع بونتاپلی میں اعلیٰ ٹیکنالوجی پر مبنی آندھرا پردیش انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن لمیٹیڈ ڈاکٹر آر راؤ اینڈ اسوسی ایٹس کی جانب سے ۱۰۸۶۵۵ لاکھ روپے کے خرچ سے بنیادی دواسازی کا ایک پراجکٹ قائم کیا جارہا ہے۔ یہ پراجکٹ کی عمل آوری مسرس نیرلینڈ لیبارٹریز (پرائیوٹ) لمیٹیڈ نام سے کی جارہی ہے۔ ڈاکٹر آر راؤ نے یونائیٹیڈ اسٹیٹ آف امریکہ سے پی ایچ ڈی ڈگری حاصل کی وہ معیاری اور اعلیٰ قسم کی دوائیں تیار کرنے والے ہیں قومیت کے حامل امریکہ کے لوگوں میں ۱۰ سال تک بلند پایہ موقف پر فائز رہے ہیں۔

اے۔ پی۔ آئی۔ ڈی سی۔ آئی۔ ڈی۔ بی۔ آئی اور اے۔ ایف سی کی جانب سے اس پراجکٹ کے قیام میں امداد دی جارہی ہے۔ اس پراجکٹ کے سرمایہ حصص میں بیرون ملک قیام پذیر ہندوستانی ۳۶ نیصد کی حد تک شرکت کررہے ہیں۔ جس میں امریکہ اوورسیز ٹیکنالوجیز کی جانب فراہم کی جانے والی ۲۴ نیصد سرمایہ حصص کی رقم شامل ہے۔ یہ بیرون ملک قیام پذیر افراد کی ہندوستانی کمپنی ہے جو امریکہ میں قائم کی گئی ہے اس کے ڈاکٹر راؤ کو آئی۔ ڈی۔ بی۔ آئی سے ۱۴ لاکھ روپے کی حد تک سرمایہ کی امداد ہوئی۔ دوائیں تیار کرنے کی مکمل سہولتوں کے ساتھ قائم کیا جانے والا یہ اپنی نوعیت کا ملک میں پہلا پراجکٹ ہے۔ یہ کمپنی قیمتی زر مبادلہ کی بچت میں معاون ثابت ہوگی

جاوید اکرم
سنٹرل اسکول پٹم ترویندرم کیرالہ ۶۹۵۰۰۴

یادوں کا کرب

نہیں
تم جھوٹ کہتے ہو
یہ ہرگز ہو نہیں سکتا

وہ تارا ہے
وہ جگنو ہے
اُسے سورج کی کرنیں چھو نہیں سکتیں
وہ گنگا ہے
وہ جمنا ہے
اُسے ہرگز چٹانیں چھو نہیں سکتیں
وہ سیتا ہے
وہ مریم ہے
اُسے راون کی آنکھیں چھو نہیں سکتیں
وہ دھڑکن ہے ہمارے دل میں رہتی ہے
وہ قندیلِ محبت ہے ہر اک محفل میں رہتی ہے
سمندر کی مقدس لہریں اُسکے پیر چھوتی ہیں
زمیں کی آسمانی آنکھیں اُسکے پیر چھوتی ہیں
وہ جب پلکیں اٹھاتی ہے تو آنکھیں مسکراتی ہیں
وہ جب ہونٹوں کو وا کرتی خوشیاں جھوم جاتی ہیں
جوانوں کی بزرگوں کی دعائیں اسکی آنکھوں میں چمکتی ہیں
فرشتوں جیسے بچوں کی ادائیں ساتھ چلتی ہیں
وہ سب کے دل کا حاصل ہے
وہ سب کے غم میں شامل ہے
وہ ہندو ہے نہ مسلم ہے
وہ سکھ ہے اور نہ عیسائی
اُسے ہر دھرم ہر مذہب سے بے پایاں عقیدت ہے
اُسے ہر قوم ہر جاتی کے لوگوں سے محبت ہے
کبھی اللہ اکبر اُسکے ہونٹوں پر چمکتا ہے
کبھی اسکے لبوں پر اوم تت ست کی صدائیں گونج اٹھتی ہیں
کبھی وہ اپنا ماتھا ٹیکتی ہے گردوارے میں
کبھی وہ گرجا گھر میں یاد کرتی ہے مسیحا کو
وہ نہرو، گاندھی اور اکبر کے آدرشوں کی رہبر ہے
وہ گوتم چشتی اور نانک کے اپدیشوں کی پیکر ہے
گگن پر جب تلک سورج، ستارے، چاند روشن ہیں
زمیں پر جب تلک گنگ و جمن شیخ و برہمن ہیں
وہ یکجہتی کی دیوی زندہ ہے
زندہ تھی اور زندہ رہے گی رہتی دنیا تک

لہو

نغم کرنولی

دل کا، آنکھوں کا، جان و جی کا لہو
دے دیا ہم نے زندگی کا لہو

ہو رہی ہے بہار کی تنظیم
بہہ رہا ہے کلی کلی کا لہو

آدمی کس قدر گراں مایہ!
کتنا سستا ہے آدمی کا لہو

کھول دیتا ہے انقلاب، آنکھیں
چیخ اٹھتا ہے جب کسی کا لہو

دودھ جس نے پلا کے پالا تھا
سانپ تو پی گئے اُسی کا لہو

جان کتنی میں جو میرے کام آیا
وہ لہو تھا اک اجنبی کا لہو

آج کے نوجوان کی رگ رگ میں
دوڑتا ہے تو سرکشی کا لہو

ہو گئے دور اپنے آپ سے ہم
کر گئی دے دے خود آگہی کا لہو

تیرے غم کی نکھر گئی تصویر
کام آیا مری خوشی کا لہو

ساغر مظہری
514-9-17 چھاؤنی ناظم علی بیگ، حیدرآباد ۲۳

آپسی میل جول

یہ میرا پیارا وطن جنت نشاں ہندوستاں
دھوم ہے دنیا میں جسکی ہے یہی وہ گلستاں
غیر جانبدار یک جہتی پسند اپنا وطن
بات ہے اسکی نرالی ہے کہاں ایسا چمن
کہتے ہیں سونے کی چڑیا ہیں کئی فرقے یہاں
دیکھتے للچائی نظروں سے ہیں سب اہل جہاں
مختلف اقوام کا مرکز رہا ہر دم ۔ یہی
مختلف تہذیب کے دھاروں کا ہے سنگم یہی
امن کا گہوارہ ہے تہذیب اسکی خوب ہے
جو روایت کی وجہ سے سبکو ہی محبوب ہے
ہندو مسلم ہوں کہ سکھ عیسائی ہے مسکن یہی
ذات چاہے کچھ بھی ہو ہر اک کا ہے مامن یہی
کتنی تہذیبیں یہاں کتنے مذاہب ہیں یہاں
پیشوا رہبر مرشد اور راہب ۔ ہیں یہاں
ایک کنبہ کی طرح تھے ہمکو اب رہنا بھی ہے
اک زباں ہوکر سبھی کو بات یہ کہنا بھی ہے

جو روایات دکن ہیں ہاتھ سے جانے نہ دیں
اپنے ہاتھوں پریم کے اس محل کو ڈھانے نہ دیں
اتحاد باہمی اخلاص بھائی چارگی
یہ خصوصیت یہاں کی ہے۔ یہاں کی زندگی
جو ملنساری کے چرچے آج بھی دکھن کے ہیں
ہر جگہ ہر ملک میں ہر قوم میں گلشن کے ہیں
اہمیت کو وقت کی پہچاننے کا وقت ہے
سب تقاضوں کو وفا کے ماننے کا وقت ہے
آپسی مہر و محبت دوستی اور میل جول
ہیں یہی قومی ترقی کیلئے دو چار بول
صورت خورشید اُبھر کر دہر پہ چھا جائینگے
زندگی کے راز ہم اخلاص سے پا جائینگے
ہیں وہی انسان جو انساں کے ہیں پاسباں
اتحاد باہمی ہے ان کی عظمت کا نشاں
گنگا جمنی یہ تیری تہذیب رخشندہ رہے
بھائی بھائی میں محبت تا ابد زندہ رہے

محمد رضی الدین اقبال
218-2-11 نامپلی حیدرآباد

نوجوانوں میں بیروزگاری کے اسباب و محرکات اور ان کا حل

بیروزگاری کا مسئلہ اب کسی ایک قوم یا ایک طبقہ تک محدود نہیں رہا ہے بلکہ ہمارے قوم کے نوجوانوں کی اجتماعی الجھن بن گیا ہے اور اس کے اسباب و محرکات بہت عیاں اور کم و بیش ہر ایک کے علم میں ہے مگر جسے جانتے ہوئے بھی وہ گریز کر رہا ہے۔ نوجوانوں کی بیروزگاری کو کئی حصوں میں منقسم کیا جاسکتا ہے ایک بیروزگاری وہ ہے جب ایک نوجوان اپنے تعلیمی اور دیگر اخراجات کی پا بجائی کے لیے روزگار کی کھوج کرتا ہے اور جتنا بھی کچھ ملے قبول کر لیتا ہے۔ دوم وہ نوجوان آتے ہیں جن کے ماں باپ یا تو انتقال کر چکے یا ضعیف ہیں اور ضرورت کے مطابق آمدنی نہیں پیدا کر سکتے، ایسے نوجوان ہر کام قبول کر لیتے ہیں جس سے معقول آمدنی متوقع ہے۔ تیسری قسم ان نوجوانوں کی ہے جو صاحب استطاعت ہوتے ہوئے بھی محض شوقیہ یا وقت گزاری کے لیے روزگار کے پیچھے سرگرداں رہتے ہیں اور اپنی پسند اور حیثیت کے مطابق کام کرتے ہیں۔

تیسری قسم کو اگر نظر انداز کر دیا جائے تو روزگار کے حصول کے متوالوں کی دو ہی اقسام ہیں اور یہ دونوں طبقے ہی اس وقت شدید بحران میں مبتلا ہیں اگر ان کے بحران کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات صاف سمجھ میں آتی ہے کہ پریشانی کی اصل وجہ روزگار کی عدم فراہمی نہیں ہے بلکہ خیالات کی تنگ نظری اور سماج کی غیر لچکدار پالیسیاں ہیں۔ ایک اہم مسئلہ اس ضمن میں یہ ہے کہ ہر نوجوان چاہے وہ پڑھا لکھا ہو یا ان پڑھ اور درمیانی درجے کا، سرکاری ملازمت کے حصول کا خواہشمند نظر آتا ہے۔ یا پھر ملک سے باہر جا کر کمانے کے در پے ہے۔ بظاہر اس کی وجوہات یہی سمجھ میں آتی ہیں کہ سرکاری ملازمت قابل بھروسہ ہوتی ہے اور "باہر کا چسکہ" زیادہ آمدنی کی وجہ سے ہے۔ مگر اصل وجوہات سنگین اور توجہ طلب ہیں۔ سرکاری ملازمت کے تصور کے ساتھ ہی سرکار کی طرف سے دی جانے والی لاتعداد سہولتیں اور آرام طلبی، یعنی مقررہ اوقات کی پابندی اور بغیر اپنی ذمہ داریوں کی تکمیل کے، پہلی تاریخ کو مٹھی بھر نوٹوں کا لالچ ہوتا ہے جس سے نوجوانوں کی غلط فہمی اور دماغی کھوکھلے پن کا ثبوت ملتا ہے اور ساتھ ہی اس بات کا بھی رنج ہوتا ہے کہ کیا سرکاری محکمے اسی لیے وجود میں لائے گئے ہیں کہ کم کام ہو اور زیادہ معاوضہ ملے بلکہ سرکاری محکموں کا تو یہ مقصد ہے کہ عوام کی حقیقی اور بھرپور خدمت، حکومت کے زیر اثر کی جائے۔

دوسری وجہ ہمارے آندھرا پردیش میں یہ بھی ہے کہ ہمارے سماج میں سرکاری ملازم کو بڑی عزت کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے چاہے اس کا عہدہ کوئی بھی رہے، یہی بات ہے کہ نوجوان اپنی عزت و ثروت کیلئے اور اچھے گھرانوں میں رشتہ کرنے و سماج میں ممتاز مقام حاصل کرنے کیلئے سرکاری نوکری کو زیادہ ترجیح دے رہا ہے جس کے نتیجے میں جائیدادیں کم اور اسامیاں زیادہ ہیں اور یہی بے روزگاری کا ایک بڑا سبب ہے۔ جبکہ ہماری پڑوسی ریاستوں بنگلور، مدراس اور کیرالا میں اہمیت و

پوزیشن تجارت پیشہ اصحاب کو دی جاتی ہے اور بزنس مین سے رشتہ کرنے و تعلق رکھنے کو باعثِ فخر سمجھا جاتا ہے ضرورت ہے کہ ہمارے نوجوانوں میں بھی یہ رجحان پیدا ہو ۔۔۔ اسی طرح "باہر کا چسکہ" بھی محض نام و نمود کیلئے جاری ساری ہے۔ بیروزگاری کو ختم کرنے کے لیے ہمارے سماج کو ایک نئی کروٹ لینی پڑے گی اور اُسے "کوئی جائز کام معیوب نہیں" والے جملے پر سختی سے عمل کرنا پڑے گا ۔ اگر دیکھا جائے تو جتنے معمولی دھندے اور کام ہیں' ان میں ہی زیادہ فائدہ ہے مگر چونکہ ہمارے نوجوانوں میں ابھی تک "انا" کسی سانپ کی طرح کنڈلی مارے ان کے ذہن میں بیٹھا ہوا ہے اور جب تک اس سانپ کا سر کچل نہیں دیا جائے گا' یہ مرض دور نہیں ہو گا۔

اقلیتوں میں جبکہ یہ خیال سر سرا رہا ہے کہ اصل بیروزگاری ان ہی میں زیادہ ہے تو انہیں سوچنا چاہئے۔ دیکھنا چاہیئے اور اپنے اسلاف کے واقعات کو مطالعہ میں لاکر تجربہ کرنا چاہیئے کہ اللہ پاک نے ہر حلال کام میں برکت دی ہے اور جتنی وہ محنت کریگا اس سے کہیں زیادہ اُسے پھل نصیب ہوگا اس کی مثال آئے دن ہم اپنے سماج میں اور قریبی محلوں میں دیکھتے ہیں کہ کس طرح ایک معمولی آدمی دیکھتے ہی دیکھتے ایک چھوٹے دھندے سے ایک بڑے بیوپار کا مالک بن گیا ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت پیشہ' محنتی آدمی کو بہت پسند فرمایا ہے اور ارشادِ گرامی ہے کہ دس میں سے نو فیصد برکتیں (یعنی نفع) تجارت میں پوشیدہ ہے۔ ایک فایدہ اور یہ ہے کہ تجارت کے ذریعہ ہم مختلف رنگوں' قوموں اور ملکوں سے اپنے رشتے استوار کر سکتے ہیں اور اس طرح ہمارے دلوں میں وسعت اور خیالات میں بلندی آتی ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ بیروزگاری کو دور کرنے کیلئے ہمارے نوجوانوں کے دماغ میں یہ بات بٹھانی ضروری ہے کہ تجارت معیوب چیز نہیں اور تاجر باعزت آدمی ہے۔ اگر نوجوانوں میں یہ جذبہ فروغ پاجائے تو روزگار کوئی مسئلہ نہیں رہے گا اور جب مختلف نوجوان الگ الگ نوعیت کے کاروبار اور کارخانے شروع کریں گے تو ریاست اور ملک کی خوشحالی میں بے پناہ اضافے کے لیے کوئی امر مانع نہیں رہے گا اور ملک ممتاز تاجروں' صنعت کاروں اور کسانوں کے علم و ہنر اور محنتِ شاقہ سے وہ مقام حاصل کرسکتا ہے جس کو مغربی ممالک نے اپنا کر اپنا نام باکمال کیا ہے۔ ●●

مومن خان شوق
اشرف ولا' 723-3-11
ملے پلی' حیدرآباد

فخرِ وطن

ہندستان کی عظیم رہنما
شریمتی اندرا گاندھی
کو خراجِ عقیدت

بہارِ جانفزا کی طرح' ضوفشاں چمن چمن
روائتوں کا گلستاں کہ حوصلوں کا بانکپن
وہ روشنی کا سلسلہ' شعورِ نو کا حوصلہ
تمام جس کی شخصیت شرافتوں کی انجمن

وہ رہنمائے وطن اندرا ہے جس کا نام
وفا نہاد سراپا خلوص' پیار تمام
وہ جس کی ذات تھی فخرِ وطن' نشاطِ وطن
تمام زندگی' اے شوقؔ تھی برائے عوام

ڈاکٹر سید خواجہ معز الدین ایم بی بی ایس (عثمانیہ)
23-1-141 دودھ خانہ لائین
چارمینار ایسٹ، حیدرآباد ۵۰۰۰۰۲

تمباکو نوشی

آج انسانی صحت کو تمباکو نوشی سے بہت بڑا خطرہ لاحق ہے۔ اسی لئے ہر سگریٹ کے پیکٹ پر قانونی انتباہ "سگریٹ نوشی صحت کے لیے مضر ہے" لکھا ہوتا ہے۔ اس کے باوجود بھی تمباکو نوشی کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ایک سو پچاس ملین ہندوستانی تمباکو استعمال کرتے ہیں۔ شہروں میں سگریٹ اور گاؤں میں بیڑی زیادہ استعمال ہوتی ہے۔ سگریٹ کی بہ نسبت بیڑی پانچ گنا زائد تعداد میں پی جاتی ہے۔ سگریٹ اور بیڑی کے علاوہ حُقّہ اور چلم بھی پیئے جاتے ہیں۔

NICOTIANA TOBACUM نامی جھاڑ کے سوکھے پتوں کو تمباکو کہا جاتا ہے۔ پتوں کو بشکل زردہ اور قوام کھایا جاتا ہے اور بشکل ناس سونگھا بھی جاتا ہے۔ اس کے علاوہ عام طور پر بیڑی، چُٹہ، سگریٹ، پائپ، سگار، حقہ وغیرہ کی شکل میں تمباکو کو جلاکر اس کے دھویں کو پیا جاتا ہے۔

تمباکو اور اس کے دھویں میں مختلف کیمیائی اشیاء، گیس اور ٹار کے ذرات موجود رہتے ہیں۔ تقریباً ایک ہزار مختلف کیمیائی اشیاء کی نشاندھی کی گئی ہے۔ ان تمام کو چار زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) کینسر پیدا کرنے والے اجزاء ٹار میں موجود رہتے ہیں۔

تمباکو میں موجود کئی مرکبات کو سرطان کا موجب گردانا گیا ہے لیکن N - NITROSO - NORNICOTINE نامی مرکب یقینی طور پر سرطان پیدا کرسکتا ہے۔ تمباکو کے استعمال سے شش، زبان اور ہونٹ وغیرہ کا سرطان ہوسکتا ہے۔ سگریٹ اور بیڑی کا سرطان سے یقینی طور پر رشتہ ہے۔ پائپ اور سگار پینے والے اشخاص کم سے کم دھواں منہ اور حلق میں رکھتے ہیں جس کی وجہ سے ان اشخاص میں سگریٹ اور بیڑی پینے والوں کی بہ نسبت سرطان کے امکانات کم ہیں لیکن تمباکو استعمال نہ کرنے والوں کے مقابلے میں زیادہ ہیں۔

(۲) سریع الحس مادّے تمباکو کے دھویں میں پائے جاتے ہیں جو حلق اور شش میں خراش کا باعث بنتے ہیں BENZOPYRENE نامی شئے کو مثال کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ خراش کی شدت کا انحصار سگریٹ پینے کے انداز پر منحصر ہے یعنی یہ کہ سگریٹ کا کش آہستہ یا تیز تیز لیا گیا ہے یا دھویں کو حلق اور شش کے اندر کھینچا گیا ہے یا پھر دھویں کو حلق، شش، منہ اور ناک میں کتنی دیر تک روکا گیا ہے۔

سگریٹ نوشی میں چند اجزاء فلٹر کے ذریعہ روک لئے جاتے ہیں جیسے کہ

وجہ سے فلٹر سگریٹ کے دھوئیں میں نقصان دہ اشیاء کی کمی ہوتی ہے لیکن فلٹر سگریٹ پینے والا دھوئیں کو دیر تک ناک، منہ اور حلق میں روک کے رکھتا ہے جس سے نقصان دہ اشیاء کو جسم میں جذب ہونے کے لیے کافی وقت ملتا ہے۔

فلٹر سگریٹ کے مقابلے میں بغیر فلٹر والا سگریٹ، بیڑی، پائپ اور سگار کے دھوئیں میں فلٹر نہ ہونے سے نقصان دہ اشیاء کی زائد مقدار موجود رہتی ہے۔ دھواں تلخ بھی ہوتا ہے۔ دھوئیں کی تلخی کی وجہ سے بغیر فلٹر سگریٹ، بیڑی پائپ اور سگار پینے والا دھوئیں کو دیر تک اپنے اندر نہیں رکھ پاتا جس سے نقصان دہ اشیاء کی کم مقدار جسم میں داخل ہوتی ہے۔ فلٹر سگریٹ کم تلخ ہونے کے ناطے زیادہ تعداد میں پیئے جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے فلٹر سگریٹ، بغیر فلٹر سگریٹ، بیڑی، پائپ اور سگار سے زائد نقصان پہنچاتے ہیں۔ تمباکو نوشی کے اثرات کا اندازہ کرنے کے لیے، عالمی سطح پر ایک منٹ میں سگریٹ کا ایک کش لینے کی سفارش کی جاتی ہے۔ ایک منٹ میں بیڑی کے دو کش لینا پڑتا ہے ورنہ بیڑی بجھ جاتی ہے۔

(۴) نکوٹین تمباکو میں موجود اہم شئے ہوتی ہے۔ تمباکو کی طلب نکوٹین ہی پر منحصر ہے۔ نکوٹین تمام جسمانی فعل کو متاثر کرتا ہے۔ سب سے زیادہ اعصابی نظام متاثر ہوتا ہے۔ چند اشخاص کے لیے نکوٹین سرور آور ہے تو چند اشخاص میں یہ چستی پیدا کرتا ہے۔ سر کا درد، چکر، غشی کی کیفیت، ہاتھ پیروں میں رعشہ اور بے ہوشی بھی طاری ہو سکتی ہے۔

نکوٹین سے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے۔ خون کی شریانیں تنگ ہو جاتی ہیں جس سے بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے۔ دل کی حرکت میں بے قاعدگیاں پیدا ہوتی ہیں۔ تمباکو نوشی کرنے والوں میں ہارٹ اٹیک ہونے کے امکانات بھی بڑھ جاتے ہیں۔

نکوٹین سے پیٹ میں ترشہ زیادہ بنتا ہے سینے میں جلن ہوتی ہے بھوک کم لگتی ہے۔ ایک قسم کی بدمزگی رہتی ہے۔ نکوٹین بعض اشخاص میں قبض کشا ہے اسی لئے اکثر حضرات سگریٹ لیے بیت الخلاء جاتے ہیں جو ان کی عادت بن جاتی ہے۔

نکوٹین سے جسمانی درجہ حرارت میں کمی واقع ہوتی ہے۔

نکوٹین نظام تنفس پر بھی اثر کرتا ہے۔ سانس لینے کے عمل میں پہ تیزی پھر آہستگی ہوتی ہے۔ نکوٹین سے ہونے والی اموات، نظام تنفس کے ناکام ہونے سے واقع ہوتی ہیں۔

خالص نکوٹین زہر ہے۔ کارخانوں میں کیڑے مارنے کے لیے ا استعمال کیا جاتا ہے۔ ایک اندازہ کے بموجب دو سگریٹ میں موجود نکوٹین کی اگر خون میں داخل کی جائے تو انسان کی موت واقع ہو سکتی ہے تب سوال کیا ہے کہ نکوٹین جیسے زہر سے تمباکو استعمال کرنے والے کیسے بچ رہتے ہیں۔ انسانی جسم میں موجود تمام نکوٹین کو جذب نہیں کر پاتا۔ سگریٹ میں موجود نکوٹین کا ا حصہ فضا میں بکھر جاتا ہے جس سے تمباکو استعمال نہ کرنے والے حضرات م ہوتے ہیں۔ ایک تہائی حصہ سگریٹ پینے والے کے منہ میں جاتا ہے جس بہت ہی تھوڑا حصہ جسم میں جذب ہو جاتا ہے۔ سگریٹ کے دھوئیں کو ش کے اندر تک کھینچنے اور تیز تیز کش لینے سے جسم میں نکوٹین کی زائد مق پہنچتی ہے۔ سگریٹ کے آخری حصے میں نکوٹین کی زیادہ مقدار جمع ہوتی ہے۔ جو لوگ سگریٹ کے آخری ٹکڑے کے گہرے اور تیزی سے کش لیتے ہیں جس نکوٹین کی زائد مقدار جسم میں جذب ہوتی ہے۔ نکوٹین کے انجذاب کے علاوہ از جسم آہستہ آہستہ نکوٹین کا عادی ہو جاتا ہے۔

کینسر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے تجزیہ کے مطابق، ایک عدد بغیر فل سگریٹ میں ۲۱ ملی گرام تار اور ایک ملی گرام نکوٹین پایا جاتا ہے۔ فلٹر سگر میں ۱۸ تا ۲۳ ملی گرام تار اور ایک ملی گرام نکوٹین، کنگ سائز سگریٹ م ۲۴ تا ۲۸ ملی گرام تار اور ۱٫۲۵ تا ۱٫۷۸ ملی گرام نکوٹین اور بیڑی میں ۳ ملی گرام تار اور ۱٫۷ ملی گرام نکوٹین پایا جاتا ہے۔ ہمارے ملک میں فلٹر اور بغیر فلٹر سگریٹ کے تار اور نکوٹین کی مقدار میں بہت ہی کم فرق پایا جا ہے ہمارے ملک میں استعمال ہونے والے فلٹر کا سائز دوسرے ممالک میں استعما ہونے والے فلٹر سے کم ہوتی ہے اس کے علاوہ ہمارے یہاں فلٹر کی کارکردگی بھی بہ نہیں ہوتی۔ بعض ممالک میں فی سگریٹ تار کی مقدار کو ۱۵ ملی گرام اور نکوٹین کی مقدار کو ایک ملی گرام سے کم رکھنے کا قانون لاگو ہے۔ قارئین کو

یہ بھی بتادیں کہ سگریٹ کی لمبائی ۷۰ ملی میٹر، فلٹر کنگ کی لمبائی ۸۵ ملی میٹر اور بیڑی کی لمبائی ۶۰ ملی میٹر ہوتی ہے۔

سگریٹ میں تار اور نکوٹین کی مقدار کم ہونے سے سرطان اور ہارٹ اٹیک ہونے کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔

(۴) تمباکو کے دھویں میں نقصان دہ گیسیں موجود رہتی ہیں جیسے کاربن مونو آکسائیڈ، ہائیڈروجن سلفائیڈ، اور ہائیڈروجن سیانائیڈ۔ یہ گیسیں انسانی جسم کے لیے مضر ہیں۔ کاربن مونو آکسائیڈ سے خون میں آکسیجن لے جانے کی صلاحیت متاثر ہوتی ہے۔

تمباکو کسی بھی صورت میں جسم کو درکار نہیں ہے۔ تمباکو کا استعمال ہمیشہ ہی نقصان دہ ہوتا ہے۔ آئیے اب مختصراً تمباکو نوشی سے ہونے والے امراض کا جائزہ لیں۔

تمباکو نوشی سے ہونے والا سب سے خطرناک اور موذی مرض سرطان ہے۔ تمباکو کے دھویں سے حلق اور شش کا کینسر اور تمباکو کھانے سے منہ، زبان کا کینسر ہو سکتا ہے۔ ابھی یہ معلوم ہونا باقی ہے کہ تمباکو یا اس کے اجزا کیسے کینسر پیدا کرتے ہیں۔ لیکن یہ بات یقینی ہے کہ تمباکو استعمال کرنے والوں میں کینسر ہونے کے امکانات زیادہ ہیں۔ مثال کے طور پر ہر روز ایک پیکٹ سگریٹ پینے والوں میں کینسر ہونے کے امکانات بیس گنا زائد ہوتے ہیں۔

شُش کی مختلف بیماریاں تمباکو نوشی کرنے والوں میں عام ہیں۔ کھانسی پھیپھڑوں اور سینے کی حرکت ہے جو ناپسندیدہ اشیاء کو باہر کرنا چاہتے ہیں۔ تمباکو نوشی سے شش میں ورم آتا ہے۔ رطوبت زیادہ ہوتی ہے۔ مرض BRONCHITIS معمولی کھانسی سے شروع ہوتا ہے بعد میں کھانسی اس مرض کی مستقل صفت بن جاتی ہے۔ دم چڑھنے لگتا ہے بلغم زیادہ بنتا ہے۔ دمہ جیسی کیفیت بھی ہو سکتی ہے۔ شش میں ہر اقسام کے جراثیم حملہ آور ہوتے ہیں۔ بعض وقت شش کے آخری حصہ پھیل جاتے ہیں جسے BRONCHIECTASIS کہا جاتا ہے۔

شش کا کچھ حصہ جراثیم سے سڑ بھی جا سکتا ہے۔ ان امراض کے علاوہ EMPHYSEMA نامی کیفیت بھی ہوتی ہے شش پھیلنے اور سکڑنے کی صلاحیت کھو دیتا ہے۔ سانس لینے اور چھوڑنے میں دشواری ہوتی ہے جسم کو آکسیجن کم ملتا ہے اور جب شش، خون کو آکسیجن کم مقدار میں مہیا کرتے ہیں تو دل بھی متاثر ہوتا ہے۔ اس قسم کے مرض کو COR PULMONALE کہتے ہیں۔ تپ دق یعنی ٹی۔ بی۔ تمباکو نوشی کرنے والوں میں زیادہ ہوتا ہے لیکن بعض ڈاکٹر اس بات سے اتفاق نہیں کرتے۔

تمباکو سے دل کی حرکت تیز ہوتی ہے۔ اختلاجی کیفیت لاحق ہو سکتی ہے۔ بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے۔ تمباکو استعمال کرنے والوں میں ہارٹ اٹیک ہونے کے امکانات دوگنے ہو جاتے ہیں۔ دل کو خون کم پہنچنے سے ANGINA نامی مرض بھی سگریٹ نوشی کرنے والوں میں زائد ہوتا ہے۔

BUERGER'S DISEASE نامی عارضہ تمباکو نوشی کرنے والے مردوں میں ہوتا ہے۔ یہ مرض ۲۰ تا ۴۰ سال کی عمر کے درمیان، شریانوں اور ورید کو متاثر کرتا ہے۔ اکثر پیر کی شریانیں تنگ ہو جاتی ہیں دوران خون کم ہوتا ہے بعض وقت دوران خون بالکل بند ہو جاتا ہے جس سے پیر سڑنے لگتا ہے۔ اس مرض کا کوئی علاج نہیں ہے سوائے اس کے کہ پیر کاٹ دیا جائے۔

تمباکو کے استعمال سے پیٹ میں ترشہ زیادہ بنتا ہے جس سے السر ہو سکتا ہے۔ تمباکو استعمال کرنے والوں کو السر کے علاج سے خاطر خواہ فائدہ بھی نہیں ہوتا۔ تمباکو نوشی ترک کرنے کے بعد دوائیں اثر کرتی ہیں۔

TOBACCO AMBLYOPIA نامی مرض سے تمباکو استعمال کرنے والوں کی بینائی متاثر ہوتی ہے۔

تمباکو کے استعمال سے دانت بھی متاثر ہوتے ہیں۔ مسوڑھے سوج جاتے ہیں ان سے خون رسنے لگتا ہے۔ جراثیم حملہ آور ہوتے ہیں۔ اس مرض کو GINGIVITIS کہتے ہیں۔ دانت تمباکو استعمال کرنے والوں کا ساتھ جلد چھوڑ دیتے ہیں۔

تمباکو استعمال کرنے والی خواتین کے نوزائیدہ بچوں کا وزن کم ہوتا ہے۔

حمل ضائع ہونا، مردہ بچے پیدا ہونا اور بچہ پیدا ہونے کے چند دنوں بعد مرجانا بھی دورانِ حمل تمباکو استعمال کرنے والی خواتین میں عام ہے۔ خوش قسمتی سے ہمارے ملک کی خواتین کم از کم حمل کے دوران تمباکو نوشی نہیں کرتی ہیں۔

۱۹۳۸ء میں ڈاکٹر آر پرل نے چھ ہزار نو سو تیرہ انسانوں کا معائنہ کرکے بتلایا کہ تمباکو نوشی انسانی زندگی کو مختصر کرتی ہے۔ پچاس فیصد بہت زیادہ سگریٹ پینے والے حضرات تیس سال کی عمر کے بعد سترہ سال کے اندر انتقال کر گئے، جبکہ سگریٹ نوشی سے پرہیز کرنے والے حضرات کا پچاس فیصد حصہ تیس سال کی عمر کے بعد اٹھائیس سال کے اندر انتقال کر گئے۔ ایک اور اندازے کے مطابق، تیس پینتیس سالہ شخص اگر ہر روز دو پیکٹ سگریٹ پیتا ہے تو اس کی زندگی سگریٹ نہ پینے والے شخص سے آٹھ سال کم ہوگی۔ بیڑی کے استعمال اور عمر کے تعلق سے اعداد و شمار دستیاب نہیں ہیں لیکن بیڑی سگار وغیرہ کے استعمال سے بھی زندگی مختصر ہوتی ہے۔

تمباکو نوشی کرنے والے حضرات یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ ان کا تمباکو نوشی کرتے وقت چھوڑا ہوا دھواں فضا کو آلودہ کرتا ہے جس سے تمباکو استعمال نہ کرنے والے لوگ بھی تمباکو کے نقصان دہ اثرات سے متاثر ہوتے ہیں۔ اسی لیے پبلک مقامات جیسے سینما گھر، بس، ہسپتال وغیرہ میں سگریٹ نوشی ممنوع قرار دی جاتی ہے۔ اکثر لوگ چھوٹے بچوں کے درمیان سگریٹ نوشی کرتے ہیں جس کے دوررس نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ تمباکو کے دھوئیں سے متاثرہ تمباکو استعمال نہ کرنے والے لوگوں میں شش کا کینسر ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ جاپان میں ایک دلچسپ مشاہدہ کیا گیا، شش کا کینسر ان خواتین میں تین گنا زائد پایا گیا جن کے شوہر سگریٹ نوشی کرتے تھے۔

ہمارے ملک میں تمباکو نوشی ایک فیشن کی طرح یا دوست احباب کے اصرار پر اوائل جوانی میں شروع کی جاتی ہے جو آہستہ آہستہ علت بن جاتی ہے۔ عادت کی حد سے آگے بڑھ کر تمباکو نوشی طلب بن جاتی ہے۔ تقریباً بیس فیصد تمباکو نوشی کرنے والے حضرات تمباکو نوشی ترک کرتے ہیں۔ ان میں سے اکثریت ان لوگوں کی ہوتی ہے جو عموماً کسی مرض کی وجہ سے تمباکو نوشی ترک کرتے ہیں۔

تمباکو نوشی ترک کرنے سے تمباکو نوشی سے ہونے والی اموات اور بیماریوں پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ تمباکو نوشی فوراً ترک کرنا اچھا ہوتا ہے آہستہ آہستہ ترک کرنے میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ تمباکو نوشی فوراً ترک کرتے میں طلب نہیں ستاتی جبکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ تمباکو نوشی آہستہ آہستہ ترک کرنے والوں میں طلب بڑھ جاتی ہے۔

تمباکو نوشی فوراً ختم کر دینے سے بعض اشخاص میں چند شکایات ہوتی ہیں جس کی وجہ نکوٹین ہے۔ سستی، پریشانی، چڑچڑاپن، بے خوابی اور قبض یا اجابت زیادہ آنے کی شکایات ہوتی ہیں۔ ان شکایات کے پیش نظر سگریٹ نوشی کو آہستہ آہستہ بتدریج ترک کرنے کے لیے مشورہ دیا جاتا ہے سگریٹ کی تعداد کم کر دیں، سگریٹ کے کش کم لیں، تھوڑا سا سگریٹ پی کر پھینک دیں پھر تمباکو نوشی کی عادت ہمیشہ کے لیے ترک کر دیں۔ اس طریقے پر عمل کرنے سے سگریٹ نوشی بند کرنے پر ہونے والی شکایات سے چھٹکارا ملتا ہے۔ یہ بات مسلمہ ہے کہ شراب نوشی اور دوسری منشیات کی طلب ترک کرنے کی بہ نسبت تمباکو نوشی ترک کرنا بہت آسان ہے۔

مغربی ممالک میں بیس سال قبل سگریٹ نوشی کے خلاف مہم شروع کی گئی جہاں محکمہ صحت کی جانب سے تمباکو نوشی کنٹرول پروگرام کامیابی کے ساتھ چلائے جا رہے ہیں۔

تمباکو نوشی مختلف طریقوں سے صحت پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اسی لئے تمباکو نوشی ترک کرنے کیلئے ہر طرح کے اقدامات کئے جائیں۔ جس موثر طریقہ سے تمباکو نوشی کے لیے اشتہارات دیئے جاتے ہیں اسی جاذبیت سے ترک تمباکو نوشی اور تمباکو نوشی کے مضر اثرات کو عوام کے سامنے پیش کیا جانا چاہیئے جو معاشی طور پر ممکن نہیں ہے۔ اسی لئے سگریٹ اور بیڑی کے اشتہارات کو بند کر دینا سماج کی صحت کے لیے ضروری ہے۔ تمباکو نوشی سے ہونے والے مضر اثرات کے بارے میں معلومات کو عام کرنا چاہیئے تاکہ تمباکو نوشی کی لعنت سے پاک صحت مند سماج تشکیل پا سکے۔

●●

افسانہ

م۔ک۔ مہتاب
A-4/78
پسچھم وہار، نئی دہلی ۶۳

میں چھٹی پر ہوں

میں وقت پر آ نہیں سکا۔ آپ خواہ مخواہ ناراض ہو رہے ہیں زندگی کی اس کشاکش میں وقت کہاں ہے کہ آدمی وعدے میں پورا اُتر سکے۔ کہنے کو تو میں دفتر سے چھٹی پر ہوں۔ صبح شام پر اپنا اختیار ہے لیکن سوال تو یہی ہے کہ وقت کہاں ہے؟

صبح سویرے اٹھ جاتا ہوں بلکہ اُٹھا دیا جاتا ہوں۔ محلّے کے دس بارہ آدمیوں کو سیر کا جنون ہے۔ چاہے رات کو میں کتنی بھی دیر سے سویا ہوں وہ تڑکے پانچ بجے ہی آوازیں لگانا شروع کر دیتے ہیں۔ چار و ناچار اُن کا ساتھ دینا پڑتا ہے کیونکہ اُن میں علاقے کا تھانیدار بھی ہوتا ہے۔ جب تک سیر کرنے والوں کی ٹولی میں دس بارہ آدمی نہ ہوں اُسے اپنے کارنامے اور ڈاکوؤں کے قصے سنانے کا لطف ہی نہیں آتا۔ پھر اُسے یہ عادت ہے کہ بات بات پہ کہے جاتا ہے کیوں مہرہ صاحب! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا۔ بھئی تم تھانیدار ہو۔ تم غلط کیسے کہہ سکتے ہو۔ کس کی شامت آئی ہے کہ تمہیں کہے کہ تم جھوٹ کہہ رہے ہو۔ ہو سکتا ہے کل کسی جھوٹے مقدمے میں ڈال کر تھانے بلوا لے۔ اگر ساتھ نہ جاؤ تو دوسرے لوگ تھانیدار کے کان بھر سکتے ہیں۔ بہتر ہے کہ نیند کی قربانی دی جائے۔ دن کو سو لیں گے چھٹی پر ہی تو ہیں۔

لوٹ کر چائے کا پیالہ بھی ختم نہیں کر پایا تھا کہ منگل جمعدار نے دروازے پر دستک دی۔ آؤ بھئی کیسے آنا ہوا؟ وہ بہت طیش میں تھا۔ مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا دھمکی دے رہا تھا کہ اس کی بہو اور بیٹی جو ہمارے ہاں صفائی دھلائی کا کام کرتی ہیں آج سے کام پر نہیں آئیں گی۔ جس کا مطلب ہے کہ ہمیں خود جھاڑو دینا ہوگا۔ ٹٹی غسل خانے صاف کرنے ہونگے۔ منگل کو شکایت تھی کہ کسی بابو نے کل اس کی لڑکی سے بُرا سلوک کیا ہے۔ میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا منگل! میں نے تمہاری لڑکی سے کچھ نہیں کہا۔ تم یہ دھمکی مجھے کیوں دے رہے ہو۔ یہ ظلم نہ کرو۔ دو بچے پہلے ہی بیمار پڑے ہیں اور غلاظت پھیلی تو سارا گھر بیمار ہو جائے گا مگر منگل ہوا کے گھوڑے پر سوار کہے جا رہا تھا کہ آپ نے نہیں تو آپ کے کسی پڑوسی کسی رشتے دار نے کہا ہوگا۔ تم مالک مکان لوگ اندر سے بڑے بدکردار ہوتے ہو ہمیں مفت کا مال سمجھ کر ہماری بوٹیاں نوچنا چاہتے ہو۔ ہماری برادری نے فیصلہ کیا ہے کہ جب تک آپ سب لوگ میری بیٹی سے معافی نہیں مانگو گے کوئی عورت آپ کے گھروں میں کام کرنے نہیں آئے گی۔ نہ جانے کس بدقماش نے منگل کی لڑکی سے چھیڑ خانی کی تھی۔ میں منگل کو محلے کے پانچ سات چودھریوں کے پاس لے گیا سب نے منگل کو یقین دلایا کہ اگر وہ آدمی مل گیا تو اس کا سماجی بائیکاٹ کیا جائے گا تم ہمارا بائیکاٹ نہ کرو۔

سانس میں سانس آئی نہیں تو ہفتے میں گھر گندگی کا ڈھیر بن جاتا۔ ناشتہ مانگا تو بیوی کہنے لگی آپ کل گندم پسنے کیلئے چکّی پر دے آئے تھے گھر پہ آٹا نہیں ہے ابھی جا کر لے آئیں۔ آپ تو چھٹی پر ہیں کون سا دفتر جانا ہے۔ چکی والے کو فرصت ہی نہیں تھی کہنے لگا مہرہ صاحب بس چار آدمیوں کے بعد آپ کا نمبر ہے۔ میں دانت پیس کر رہ گیا۔ میں کل شام گندم چھوڑ گیا تھا اور یہ سالا آج صبح بھی کہتا ہے کہ چار آدمیوں کے بعد آپ کا نمبر ہے اگر بجلی بند ہو گئی تو ہو گئے رام بھروسے

ابھی گندم صاف بھی نہیں کرائی۔ دو دو کلو میٹر تک اور کہیں چکی بھی تو نہیں ہے گندم اٹھا کر کہاں لے جاؤں۔ لاچار ایک مشکل لے کر بیٹھ گیا۔ رام لال چکی والا میرے پاس آکر کہنے لگا کہ جب تک آپ کی گندم صاف ہوتی ہے آپ میرے دو چار فارم ہی بھر دیں آپ تو چھٹی پر ہیں' مرتا کیا نہ کرتا۔ اگر انکار کرتا ہوں تو یہ سالا میرا نمبر دو تین نمبر اور پیچھے کر دیگا یا آٹا اتنا خراب پیسے گا کہ کھایا نہیں جائے گا آٹا لا کر رکھا تھا کہ بیوی بولی کہ لگے ہاتھوں راشن کی چینی بھی لیتے آیئے۔

آج آخری تاریخ ہے۔ کل ہو جائے گی۔ اگر چاول سوجی میدہ آگئے ہوں تو وہ بھی لیتے آیئں۔ تھیلے اٹھا کر راشن والے کی دکان پر جا کھڑا ہوا۔ آخری تاریخ تھی کوئی بھی سرکاری چینی چھوڑنے کو تیار نہیں۔ کتنے ہی لوگ کھڑے تھے اور جوگندر سنگھ راشن والا دھمکیاں دے رہا تھا کہ اگر چینی چاہیئے تو قطار میں کھڑے ہو جاؤ۔ بڑے بڑے پھنے خاں ایک ایک دو دو کلو چینی کے لیے بے جان بکریوں کی مانند قطار بند ہو گئے۔ ٹانگیں درد کرنے لگیں تو کچھ راشن ملا۔

راشن پکانے کے لیے ایندھن کی بھی ضرورت ہے۔ تین دن ہوئے گیس بک کرائی تھی۔ چھ بار ٹیلی فون کر چکا ہوں۔ ہر بار یہی جواب ہے کہ آج شام تک پہنچ جائے گی۔ ٹھیلے والے نہ جانے راستے میں کہیں کرپشن کر لیتا ہے کہ سلنڈر ہم تک پہنچ ہی نہیں پاتا۔ تیل ہے نہیں۔ بیوی کہہ رہی ہے کہ یا تو مٹی کا تیل لا دیجئے یا باہر بیٹھ کر کوئلوں کی انگیٹھی جلا لائیں۔ آپ تو چھٹی پر ہیں۔ وہ یہ نہیں جانتی کہ تیل لانا تیل نکلنے سے بھی مشکل ہے۔ پھر ایک بار میں اتنا کم ملتا ہے کہ دو دن کا کھانا بھی نہیں بن سکتا۔ دو پڑوسیوں کے راشن کارڈ مانگے اور تیل والے مانگے رام کی دکان پر گیا۔ وہاں باہر بورڈ لگا تھا کہ ماں کی وفات ہو جانے کے سبب ڈپو منگل وار کو کھلے گا۔ سالے ماں تیری مری ہے یا ساری کالونی کی مر گئی ہے کہ وہ تین دن کھانا پینا بند کر دیں گے۔ لیکن مانگے رام سے جھگڑا کرنے کا کیا فائدہ پہلے کبھی کبھی خوش ہو کر ایک دو بوتل تیل زیادہ دے دیا کرتا ہے اب راشن کا تیل بھی نہیں دیگا۔ اندر گیا مانگے رام اور اس کی بیوی ماتھے پر ہاتھ رکھے بیٹھے تھے۔ اُن سے افسوس کا اظہار کیا اور پوچھا کہ ماں جی کو کیا ہوا تھا؟ اس نے ڈسپنسری سے لیکر بڑے ہسپتال کے علاج تک کی ساری کہانی ایک گھنٹے میں سنائی جو سننی پڑی کیونکہ میں اس سے کیا چاہتا تھا کہ دکان کے پچھلے دروازے سے دو چار بوتل تیل نکال دے۔ مرحومہ کی آتما کی شانتی کے لیے دعا کی۔ ماں جی کی اعلیٰ ظرفی' غریب پروری حسن سلوک کے کئی اوصاف بیان کئے اور کہا کہ مانگے رام کہ وہ تو میری بھی ماں تھی مانگے رام کو اپنے بھائی پر رحم آگیا اور اٹھ کر تین لیٹر تیل چور دروازے سے نکال دیا۔

کھانا کھا کر چاہتا تھا کہ سو جاؤں تاکہ صبح سیر کیلئے جلدی اٹھ سکوں لیٹنے میں فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ کوئی صاحب کالج میں اپنی کسی دوست سے بات کرنا چاہتے تھے۔ عرض کیا کہ رانگ نمبر ہے۔ لیکن پانچ منٹ بعد پھر وہی گھنٹی وہی آدمی اور کالج کی اسی چھوکری کی بات تو یہ ناک میں دم کر دیا ہے۔ دو منٹ بعد پھر وہی کال۔ وہ صاحب درخواست کر رہے ہیں کہ اگر آپ کو ٹھیک نمبر معلوم ہو تو بتا دیجئے وہ کانپور سے بول رہے تھے اور کالج کی لیکچرر چھایا سے ملنا چاہتے تھے اُن کو بار بار سمجھایا کہ خواہ آپ کانپور سے بول رہے ہیں یا رامپور سے یہاں کوئی چھایا ہے نہ مایا آپ کو کسی نے غلط نمبر دے کر اُلو بنایا ہے۔ یہ نام انہیں شاید بہت پسند آیا کہ اس کے بعد اُن کا فون نہیں آیا۔

آدھ گھنٹہ بھی نہیں گذرا تھا کہ گھنٹی پھر بجنے لگی۔ چونکا اٹھایا کہ دوسری طرف سے کوئی آواز سنائی نہیں دیتی۔ ایلو۔ ایلو۔ کر کے رکھ دیا دو منٹ بعد پھر گھنٹی بجنے لگی اور دوسری جانب سے پھر خاموشی پانچ منٹ بعد پھر گھنٹی اور پھر خاموشی۔ کسی فرض مند دوست رشتے دار کا فون ہوگا۔ غریب بار بار کوشش کر رہا ہے لیکن کیا بڑھیا ٹیلی فون سسٹم ہے کہ دوسری جانب آواز ہی نہیں جاتی۔ ہیلو ہیلو۔ ہیلو چیخ چیخ کر سر اور کان درد کرنے لگے۔

سوچا ایکسچینج کو فون کر کے فون ٹھیک کرایا جائے۔ ون نائن ایٹ گھمایا۔ ادھر سے آواز آئی۔ مہربانی کر کے انتظار کیجئے آپ کیو میں ہیں۔ بار بار یہی آواز چلی آرہی ہے کہ آپ کیو میں ہیں۔ انتظار کیجئے۔ اتنا انتظار تو راشن کی دکان پر بھی نہیں کرنا پڑا تھا۔ بڑی مشکل سے رابطہ قائم ہوا تو آپریٹر نے ایک اور نمبر دے دیا اور گھنٹی بج رہی ہے۔

شام ہو رہی ہے۔ بیوی کہہ رہی ہے تیار ہو جائیں آپ کو انکم ٹیکس افسر بھنڈاری کے لڑکے کی رسیپشن پر جانا ہے۔ شادی پر بھی نہیں گئے۔ آپ

چھٹی پر تو ہیں دے گئے تو وہ ناراض ہو جائے گا۔ پھر آپ نے ریٹرن بھی داخل کر رکھی ہے کہیں گڑبڑی ذکر دے۔ یہ جرمانہ تو دینا ہی پڑے گا۔ استقبالیہ بڑے بڑے سیٹھ اور تاجر موٹے موٹے نذرانے دے رہے تھے اُن کے سامنے اپنا حقیر نذرانہ دیتے ہوئے شرم محسوس ہوتی تھی کہ کہیں وہ اُٹھا کر نہ پھینک دے لہذا انتظار کرنا پڑا۔

وہیں انڈر سیکرٹری شانتی نارائن سے پتہ چلا کہ رات کو ڈپٹی سیکرٹری دتہ کی لڑکی کی شادی ہے۔ میرا وہاں جانا بہت ضروری ہے کیونکہ میری ترقی کا کیس دتہ کے پاس ہے مجھے لڑکی کیلئے کچھ تحفہ بھی لے جانا چاہئیے۔ شانتی نارائن کی بات ٹھیک تھی۔ مجھے وہاں جانا چاہئیے تھا ورنہ سُپر سیڈ ہو جانے کا خدشہ تھا۔ لہذا۔ رات وہاں جانا لازمی ہو گیا۔

برات کے استقبال کیلئے دتہ صاحب کے سب ماتحت ہاتھ جوڑے کھڑے تھے۔ کچھ بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ بینڈ باجے کے ساتھ بارات آئی۔ لڑکے اور لڑکی کی تصویریں اُتاری گئیں۔ میری بیوی نے حسب توفیق شگون لڑکی کو دیا۔ لیکن جب وہ لڑکی کو نذر دے کر لوٹی تو وہ بہت گھبرائی ہوئی تھی اس کے پاؤں لڑکھڑا رہے تھے۔ وہ کچھ نہیں پا رہی تھی۔ بڑی مشکل سے اسے سنبھالا تو وہ کہنے لگی۔

” آپ کو پرموشن لینی ہے تو یہ شادی رکوا دیں“

” کیوں ! آخر کیا ہوا ہے ؟“

” میں کہتی ہوں دتہ صاحب کو بچا لیجئے۔ اُن کی لڑکی تباہ ہو جائیگی میں اس لڑکے کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ یہ لوگ بھوپال میں میرے مائیکے کے پڑوس میں رہنے والے ہیں۔ لڑکا ایک بار سمگلنگ کرتا پکڑا گیا تھا۔ باپ نے ایک لاکھ روپیہ دے کر جان چھڑائی۔ کہتے ہیں کہ محلے کی ایک لڑکی بھی اِسی لڑکے کے سبب دریا میں چھلانگ لگا کر مر گئی تھی۔ آپ دتہ صاحب کو بتا دیجئے اُن سے دھوکہ ہو رہا ہے“۔

” مالتی ! میں دتہ صاحب سے کیسے کہہ سکتا ہوں۔ بارات واپس جانے سے اُن کی کتنی بدنامی ہوگی۔ میں انہیں ناراض نہیں کر سکتا۔ میری پروشن کا فائل اُن کے پاس ہے پھر میں چیشی پر بھی۔ اُن سے کیسے کچھ کہہ سکتا ہوں؟ ●●

صادق نقوی ایم اے (عثمانیہ)
12-2-846 آصف نگر
حیدرآباد 500028

پروفیسر ہارون خاں شروانی مرحوم

چند یادیں

یوں تو سورج روز ہی نکلتا، ڈوبتا ہے لیکن ۱۵ ستمبر ۱۹۸۰ء کا سورج اپنے ہمراہ ۶½ بجے شام تاریخ کے ایک ایسے خورشیدِ درخشاں کو لے ڈوبا جو تقریباً پون صدی سے ساری دنیا کے لیے سرچشمۂ نور بنا ہوا تھا جس کے کرنوں کی ضیا پاشی سے نہ صرف اندرون ملک کے بیشمار تشنگانِ علم اکتساب کرتے رہے بلکہ بیرون ملک کے کئی اسکالرس بھی فیض یاب ہوتے رہے پروفیسر ہارون خاں شروانی بذاتِ خود کوئی تاریخ نہ تھے لیکن ایک دور کی تہذیبی تاریخ ضرور تھے۔ وہ بیک وقت ایک شہرہ آفاق مورخ، مثالی استاد، تہذیبی روایات کے پاسدار، وضع دار، پروقار، رانجان مرنج شخصیت کے مالک تھے۔ اصول پسندی انکی زندگی کا جزِ لاینفک تھی انہیں کسی قیمت پر اپنے اصولوں کی سودا بازی پسند نہ تھی۔ ولایت میں حصولِ تعلیم کے دوران جو ڈسپلن انکی طبیعت میں جڑ پکڑ گیا تھا آخردم تک قائم رہا۔ وقت کی پابندی تو کوئی ان سے سیکھے صبح ناشتہ سے فارغ ہوتے ہی اپنے ڈرائنگ روم میں داخل ہوجاتے اور شام تک لکھنے پڑھنے کے کام میں اسطرح مشغول ہوجاتے کہ جیسے کسی نے ان پر یہ روزانہ کی پابندی عائد کردی ہو جسکا پورا کرنا ازبس ضروری ہے۔ اسکا ڈرائنگ روم کیا تھا اچھی خاصی لائبریری تھی جسمیں مختلف کتابیں نہایت عمدگی اور ترتیب سے بھی رہتیں کیا مجال کہ کوئی کتاب الٹ پلٹ یا بے ترتیب ہوجائے۔

۱۹۷۳ء میں جب میں نے پروفیسر ہارون خاں شروانی کی اردو خدمات پر تحقیقی کام شروع کیا تو مجھے تقریباً چھ سات ماہ تک انہوں نے اپنی لائبریری سے استفادہ کا موقع دیا لیکن اصول پسندی کا یہ عالم تھا کہ میرے لیے مقرر کئے گئے وقت پر آنے جانے کا نہ صرف سختی سے پابند ہونا پڑا بلکہ کسی کتاب کو کبھی گھر لیجانے کی اجازت نہ دیجاتی۔ اپنے تحقیقی مواد کے حصول کے لیے میں جس کتاب کا نام لیتا۔ پروفیسر صاحب لائبریری کے کسی خانے کی طرف انگلی کا اشارہ کرتے اور جب میں وہ مجلد کتاب لاکر کھولتا تو یہ وہی میری مطلوبہ کتاب ہوتی۔ کثرتِ مطالعہ سے گویا ذہن کے خانوں میں ہر کتاب کا خانہ محفوظ ہوگیا تھا۔ مطالعہ انکی زندگی تھی اور وہ مطالعہ کیلئے زندہ تھے۔

پیرانہ سالی اور عارضۂ چشم کے سبب ڈاکٹر نے انکو مطالعہ سے باز رہنے کی ہدایت کی تو اس کا ذکر انہوں نے مجھ سے ان الفاظ میں کیا "مطالعہ میری زندگی ہے اور کوئی اپنی زندگی سے کسطرح دور رہ سکتا ہے۔ مجھ سے یہ کہا جائے کہ کھانا نہ کھاؤں تو یہ ممکن ہے لیکن مطالعہ کے بغیر زندہ رہوں یہ ممکن نہیں۔ پڑھنے لکھنے سے اس قدر خطرناک حد تک انس شاید ہی کسی کو رہا ہو۔

پروفیسر ہارون خاں شروانی کے آبا و اجداد سرسیّد کے تعلیم یافتہ جاگیردار طبقہ کے افراد تھے۔ شروانی خاندان کے ان افراد سے سرسید کے دوستانہ تعلقات رہے یہ سب سرسید تحریک کے علمبردار تھے۔ ہارون خاں شروانی کی اعلیٰ تعلیم کیمبرج اور آکسفورڈ یونیورسٹی میں ہوئی۔ وہ بزمانۂ طالبعلمی لندن

شاعرِ مشرق علامہ اقبال کے نوعمر ہمعصر تھے ۔ ہارون خاں شروانی انگریزی زبان پر عبور رکھنے کے علاوہ کئی مغربی زبانوں سے اچھی طرح واقف تھے ۔ انگریزی زبان میں انکے تاریخی اور سیاسی موضوعات پر کئی گراں قدر تصانیف اور مضامین بہت سوں سے خراج تحسین حاصل کرچکے ہیں ۔

پروفیسر شروانی کو تاریخ کا شغف بھی ورثہ میں ملا تھا ۔ ہندستان کے دورِ وسطیٰ میں شروانی خاندان کے ایک مشہور مورخ عباس خاں شروانی گزرے ہیں جنکی ایک کتاب "تحفۂ اکبرشاہی" شیرشاہ سوری کے عہد کے مؤرخ کی قدیم مستند تاریخ ہے ۔ دورِ حاضر کے ملنے ہوئے شہرہ آفاق و مستند مؤرخ اسی خاندان کے ایک سپوت پروفیسر ہارون خاں شروانی تھے ۔ دکنی تاریخ میں انہوں نے خصوصی دلچسپی لی اور آخر وقت تک اپنی خدمات بہم پہنچاتے رہے ۔

طبعاً وہ ایک سلجھے ہوئے سیاستداں، محب وطن قوم پرست تھے ۔ سرسید اور علی گڈھ تحریک سے انکے بزرگوں کی وابستگی کے خوشگوار اثرات پروفیسر صاحب کے دل و دماغ پر ہمیشہ قائم رہے ۔ اعلیٰ تعلیم سے فراغت حاصل کرکے ولایت سے ہندستان واپس آنے کے بعد ۱۹۱۸ء تک پروفیسر شروانی علی گڈھ کانگریس کمیٹی کے سکریٹری کے فرائض انجام دیتے رہے ۔ اس طرح نوجوانی میں ایک ماہر قانون بیرسٹر نے ابتداً ملک کی سیاست میں بھی نمایاں حصہ لیا ۔ سیاست سے دلچسپی حب الوطنی اور قوم پرستی کے جذبات انکو ورثے میں ملے ۔ گاندھی جی، پنڈت نہرو، سروجنی نائیڈو اور ابوالکلام آزاد جیسے کانگریس کے چوٹی کے نیتاؤں سے انکے قریبی روابط رہے ہیں ۔ شروانی صاحب کی سیرت اور کردار پر بھی ان عظیم نیتاؤں کے عظیم آدرش کے گہرے نقوش پائے جاتے تھے ۔ انکے بعض مضامین ملک و قوم کی فلاح و بہبود، آپسی اتحاد اور قومی یکجہتی کا پیغام ہوا کرتے تھے وہ ملک کی قابل فخر تاریخی ہستیوں کی بلند کرداری اور قومی یکجہتی کے روح پرور واقعات اور انکے ایثار و قربانی کے حقیقی قصوں کو پیش کرکے اہلِ وطن میں بھائی چارگی کی ایک نئی روح پھونکنا چاہتے تھے ۔

کئی مشاہیرِ عالم سے اُنکے قلمی روابط اور دوستانہ تعلقات تھے جن میں انگریزی ادب کے شہرہ آفاق ادیب ای ۔ ایم ۔ فورسٹر قابلِ ذکر ہیں جن کا ایک مشہور ناول "A PASSAGE TO INDIA" نیویارک کے ایک تھیٹر میں پیش کیا گیا تو پہلے دن کی آمدنی میں سے ان کا حقِ تصنیف بیس ہزار روپے ملا تو یہ پوری رقم انہوں نے اردو ہال کے تعمیری فنڈ میں جمع کروادی ۔

پروفیسر ہارون خاں شروانی اردو کالج کے قیام کی مساعی میں بھی پیش پیش رہے ۔ پروفیسر شروانی ہزار رنگ جلوے رکھنے والی گنگا جمنی تہذیب کے علمبردار تھے ۔ اپنی گوں ناگوں مصروفیات کے باوجود صوم و صلوٰۃ کے بھی پابند تھے انہوں نے فریضۂ حج بھی ادا کیا تھا ۔

انکی شخصیت مشرقی اور مغربی تہذیب کا خوشگوار سنگم تھی ۔ علمی مشاغل انکی طبیعت ثانی ہوکر رہ گئے تھے ۔ تحقیقی کام عبادت کی طرح انجام دیتے رہے ۔ یقین محکم، عمل پیہم ان کا نصب العین تھا ۔ وہ کل تک دنیا کو تاریخ کا درس دیتے رہے اور آج خود ایک دور کی تاریخ بن گئے ہیں ۔ ●●



معذوروں کی دستگیری

مصنوعی اعضائے انسانی کی تیاری کے لئے ایک علحدہ کارپوریشن تشکیل دی گئی ہے ۔ اور جسمانی معذورین کو اس کے لئے حاشیائی رقم بطور امداد دی جاتی ہے ۔

اے۔ اے۔ قدیر
17-5-238 محلہ دبیرپورہ حیدرآباد

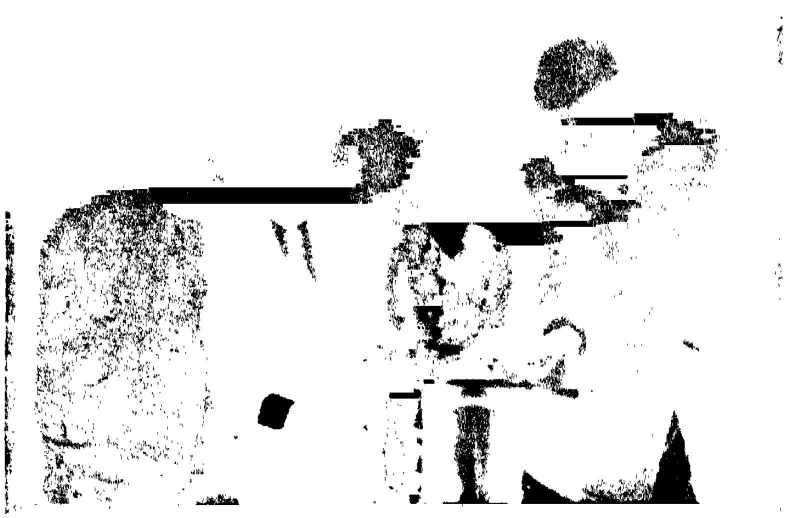
سی۔ ایم۔ سی ہاسپٹل ویلور

کرسچین میڈیکل کالج ہاسپٹل تامل ناڈو اسٹیٹ کے ایک قصبہ ویلور میں واقع ہے جو مدراس سے ۹۰ میل دور ہے اور جسکو لیڈی ڈاکٹر آئیڈا اسکوڈر نے سنہ ۱۹۰۱ء میں قائم کیا تھا۔ یہ دواخانہ دنیا کے مشہور و معروف دواخانوں میں شمار کیا جاتا ہے جہاں مشہور و بڑے ماہر ڈاکٹر طبی خدمات انجام دیتے ہیں۔ اس دواخانے سے قریب ایک بہت بڑا طبی کالج بھی قائم ہے۔ جہاں نہ صرف ہندستان بلکہ غیر ممالک کے ماہر فن ڈاکٹرس تعلیم اور ڈاکٹروں کو عملی تربیت دیتے ہیں۔ مریضوں کی سچی خدمت کرنا امراض کی صحیح تشخیص و علاج کرنا مریضوں کے آرام کا زیادہ سے زیادہ خیال کرنا اور انہیں جلد سے جلد صحت یاب کرنے کی کوشش کرنا ہی اس دواخانے کے قیام کا اصل مقصد ہے اور اسی نظریہ کے تحت یہاں کام کیا جاتا ہے۔ یہ ادارہ آج ایک بہت بڑا طبی خدمات، طبی تعلیم، طبی تحقیقات اور طبی ترقیات کا مرکز بنا ہوا ہے یہاں دنیا کے تمام انسانی امراض کا سو فیصد کامیاب علاج کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ڈاکٹر آئیڈا اسکوڈر کے والد ایک امریکن ڈاکٹر تھے جو ہندستان کی آزادی سے قبل موضع ویلور میں طبی پراکٹس کیا کرتے تھے۔ انکی لڑکی آئیڈا اسکوڈر سنہ ۱۸۹۳ء میں اپنے والدین سے ملنے ہندستان آئی۔ ایک رات اس نے دیکھا کہ تین نوجوان حاملہ عورتیں بری طرح زچگی کی تکلیف میں مبتلا ہیں۔ آئیڈا اسکوڈر نے ان حاملہ عورتوں کو بہت سمجھایا منایا کہ انکے والد جو ماہر ڈاکٹر ہیں ان سے زچگی کروالیں لیکن چونکہ حاملہ عورتیں پرانے رسم و رواج کے سخت پابند تھے مرد ڈاکٹر سے زچگی کروانے کسی طرح رضامند نہ ہوسے اور انہوں نے گاؤں کی ناتجربہ کار دایا سے زچگی کروالی جسکے نتیجہ میں تینوں نومولود بچے فوت ہوگئے۔ جب آئیڈا اسکوڈر کو اسکی اطلاع ملی تو وہ بہت رنجیدہ ہوئی۔ ان کے دل پر بہت اثر ہوا اور انہوں نے خدا سے عہد کرلیا کہ وہ طبی تعلیم حاصل کرے گی اور اسی موضع ویلور میں رہ کر ہندستانی عورتوں کی خدمت کرے گی۔ ڈاکٹر آئیڈا اسکوڈر نے اپنا عہد پورا کیا اور اسی سچی خدمت کے جذبہ کے پیش نظر انہوں نے سنہ ۱۹۰۱ء میں دواخانہ کی بنیاد ڈالی جو رفتہ رفتہ ہمہ گیر مقبولیت حاصل کرتا گیا اور دن بدن تیزی سے ترقی کے زینے طے کرتا چلا جارہا ہے۔ یہاں مختلف امراض کے مریض نہ صرف ہندستان کی تمام ریاستوں سے بلکہ غیر ممالک مثلاً آسٹریلیا۔ بنگلہ دیش۔ بھوٹان۔ افریقہ۔ سری لنکا۔ نی لینڈ۔ اٹلی۔ ملائیشیا نیپال، خلیج فارس، افغانستان، سنگاپور، تنزانیہ، امریکہ، ریاست ہائے متحدہ زمبیا اور ماریشس سے ہر سال آکر صحیح تشخیص و علاج کرواکر باصحت واپس جاتے ہیں۔ اس دواخانے کی ہمہ گیر مقبولیت اور بہترین کارکردگی کی وجہ اور اسکو زیادہ سے زیادہ ترقی دینے کی خاطر (۴۷) مختلف ہندستانی اور بیرونی غیر ممالک کے گرجا گھروں اور اداروں سے مدد ملتی ہے۔ اس دواخانے کی کارکردگی کے بارے میں اپنے ذاتی تجربات کی بناء پر یہ ضرور کہوں گا کہ وہاں ڈاکٹرس اور دواخانے کا اسٹاف مریضوں سے ازحد پیار و محبت کا سلوک کرتے ہیں۔ دوسرے معنوں میں مریضوں کو اپنے عزیز بھائی بہن اور بچے سمجھ کر ان سے پیار و شفقت سے پیش آتے ہیں اور ازحد دلچسپی سے علاج کرتے ہیں۔ علاج سے قبل مرض کی تشخیص اور اس کی وجوہات دریافت کرنے پر زیادہ توجہ دیجاتی ہے اور جب ڈاکٹرس مرض کی وجوہات سے مطمئن ہوجاتے ہیں تب ہی علاج

شروع کیا جاتا ہے اور یہی کامیاب علاج کا اصل راز ہے۔ مجھے بھی اس دواخانے میں تین ماہ رہنے کا اتفاق ہوا اور میں نے خاص طور پر وہاں کی کارکردگی کا بہت قریب سے مطالعہ کیا۔ میں نے دیکھا کہ دل کے آپریشن کے کسی بھی کیس کو ناکام ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ بتایا گیا کہ یہاں دل کے کامیاب آپریشن کا فی صد تناسب ۹۹ء۹۹ فیصد ہے اور پھیپھڑوں کے کامیاب آپریشن کا فی صد تناسب ۱۰۰ فیصد ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سی ایم سی ہاسپٹل ویلور صرف دولت مند مریضوں کا دواخانہ ہے اور وہاں مریضوں سے زیادہ فیس وصول کی جاتی ہے صحیح نہیں ہے۔ میں نے مشاہدہ کیا کہ وہاں مریضوں سے فیس مرض اور اس کے علاج کی نوعیت کے لحاظ سے مقرر کی جاتی ہے اور جہاں تک ممکن ہو کم سے کم فیس مقرر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اکثر تو دیکھا گیا کہ نازک موقعوں پر مریضوں کی زندگی بچانے کی خاطر بلا تفریق مذہب و ملت مفت طبی امداد بھی دی جاتی ہے۔ اس دواخانے میں آوٹ پیشنٹ اور ان پیشنٹ اور ان پیشنٹ دونوں خدمات انجام دیے جاتے ہیں اور جو بھی آمدنی ہوتی ہے وہ دواخانے کے مختلف ترقیاتی کاموں پر صرف کی جاتی ہے۔ ڈاکٹروں کے مشورہ پر اڈمیٹنگ آفس کے توسط سے مریضوں کو دواخانے میں شریک کیا جاتا ہے مرض کے متعلقہ وارڈوں اور کمروں میں اگر بستر خالی ہوں تو فوری مریض کو ڈاکٹر کے مشورہ پر شریک کر لیا جاتا ہے۔ مریضوں کے شرکت کے اوقات ہر روز صبح ۸ بجے سے ۱۱ بجے تک اور شام میں چار بجے سے مقرر ہیں اور مریض کی نازک حالت میں شرکت کے اوقات دن رات کھلے رہتے ہیں۔ جنرل وارڈوں میں فی بستر چار روپے اور نرسنگ فیس اور دواؤں کا خرچ ہر روز چھ روپے چارج کیا جاتا ہے۔ چند وارڈوں میں مریضوں کے لیے کمرے بھی مہیا ہیں اور جو مریض کمروں میں رہنا چاہتے ہیں وہ متعلقہ وارڈز کے منتظم صاحبین سے ربط پیدا کر کے کمرے حاصل کر سکتے ہیں۔ مرض کی تشخیص و امتحانات کی فیس۔ علاج کی فیس۔ متعلقہ ڈاکٹر کی خدمات کی فیس۔ آپریشن کی فیس۔ اور اگر مریض دواخانے سے غذا بھی حاصل کرنا چاہتا ہے تو ان سب کے چارجس علاوہ علاوہ مریض کو ادا کرنا پڑتا ہے۔ آپریشن تھیٹر ...

انستھیسیا کی فیس صرف اُن مریضوں کو ادا کرنا پڑتا ہے جو آپریشن کے قابل ہوتے ہیں۔ اگر مریض اپنے قیام کے دوران دواخانے سے غذا حاصل کرنا چاہتے ہیں تو جنرل وارڈ کے مریض کو ہر روز خوراکی کے اخراجات گوشت کھانے والے اور نہ کھانے والے ہر دو کو -/۶ روپے ادا کرنا پڑتا ہے اور کرایہ کے کمرہ میں رہنے والے مریض کو ہر روز -/۱۰ دس روپے ناشتہ۔ دوپہر کا کھانا شام کی چائے اور رات کے کھانے کے لیے ادا کرنا پڑتا ہے۔ وارڈوں میں پکوان کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ مریض کے رشتہ دار بھی جو دواخانے سے غذا حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ متعلقہ سسٹر کو قبل از وقت مطلع کر دیں۔ ہر مریض کے پاس خدمت کے لیے صرف ایک عورت کو ٹھہرنے کی اجازت ہے۔ مرد آدمی کو مریض کے پاس ٹھہرنے کی اجازت نہیں ہے۔ مرد آدمی کھانے اور ملنے کے اوقات میں عیادت کے لیے مریض کے پاس آ سکتے ہیں۔ مریض کی خدمت کے لیے اگر کوئی عورت نہیں ہے تو نرسنگ آفس کے مشورہ سے دواخانے سے کسی آیا کا انتظام کیا جا سکتا ہے جو صبح ۷ بجے سے شام کے ۷ بجے تک اور شام کے ۷ بجے سے صبح کے ۷ بجے تک مقرر کیا جا سکتا ہے اور ایسی صورت میں آیا کو ۱۲ گھنٹے کے لیے مریض کی خدمت کے لیے ہر دن اور ہر رات دو روپے پچاس پیسے ادا کرنا پڑیگا۔ دواخانے میں مریض سے ملنے کے اوقات صبح ۱۱ بجے سے ایک بجے تک اور شام میں ۴ بجے سے ۶ بجے تک مقرر ہے۔ مریض کی سہولت کے لیے ہر ہفتہ بل دیا جاتا ہے تاکہ رقم کی ادائیگی میں سہولت ہو اور زیادہ بار نہ پڑے۔ اگر مریض دواخانہ کو زیادہ رقم لیکر آیا ہے اور اگر وہ چاہے تو اپنے نام سے دواخانے کے ڈپازٹ اکاؤنٹس میں رقم محفوظ کروا سکتا ہے۔ اور وقتاً فوقتاً روپیہ حاصل کر سکتا ہے۔ جو لوگ ڈاکٹروں سے مشورہ کے لیے دواخانہ آتے ہیں اور مریض کے رشتہ داروں کو ٹھہرنے کے لیے بھی دواخانے کے لحاظ میں مناسب انتظام کیا گیا ہے دواخانہ پہونچنے کے لیے بسوں اور ٹرین کی کافی سہولتیں موجود ہیں۔ بسیں کافی تعداد میں رات دن مدراس اسٹیشن سے بھی چلا کرتی ہیں اور جو لوگ ریل کے ذریعہ ویلور جانا چاہتے ہوں انکو چاہیئے کہ "کاٹ پاڈی" اسٹیشن پر اتر جائیں۔ جو سی ایم سی ہاسپٹل سے ۴ میل دور واقع ہے اور وہاں سے بھی لوگ باآسانی بسوں اور ٹیکسیوں کے ذریعہ دواخانہ پہونچ سکتے ہیں۔ ●●

خبریں تصویروں میں



ڈاکٹر شنکر دیال شرما گورنر آندھرا پردیش نے شمع روشن کرکے یکم جنوری ۱۹۸۵ء کو ۴۵ دیں کل ہند صنعتی نمائش کا نمائشی میدان حیدرآباد میں افتتاح کیا۔



ڈاکٹر شنکر دیال شرما گورنر آندھرا پردیش نے ۹ جنوری ۸۵ء کو راج بھون میں انڈو جاپان فرینڈشپ آرگنائزیشن کی میٹنگ کو مخاطب کیا۔



چیف منسٹر مسٹر این ٹی راما راؤ نے تدریسی دواخانوں کے مہتمم اور میڈیکل کالجوں کے پرنسپلوں کی کانفرنس کا ۱۸ ؍ جنوری ۸۵ء سروجنی دیوی ہاسپٹل حیدرآباد میں افتتاح کیا۔



شری جگن ناتھ ریڈی چیف جسٹس آندھرا پردیش ہائی کورٹ نے شمع روشن کر کے انڈین اسوسی ایشن آف میڈیکل مائیکرو بیالوجسٹ کی آٹھویں نیشنل کانگریس کا ۱۷ ؍ جنوری ۱۹۸۵ء کو جوبلی ہال میں افتتاح کیا۔ شری نریندر لوتھر پرنسپل سکریٹری محکمہ صحت اور اسوسی ایشن کی صدر شریمتی کے راجیہ لکشمی بھی تصویر میں دیکھی جاسکتی ہیں۔



محکمہ اطلاعات وتعلقات عامہ کے اسٹال کا افتتاح وزیر داخلہ شری دیکنٹ رام جوگیا کے ہاتھوں ۵ر جنوری سنہ ۱۹۸۵ء کو عمل میں آیا۔ مسٹر پی وی آر کے پرشاد کمشنر اطلاعات اور مسٹر سی وی نرسمہا ریڈی ناظم اطلاعات وتعلقات عامہ تصویر میں دیکھے جا سکتے ہیں۔



"گوروویالو" لوک ناچ ۲۶ر جنوری سنہ ۱۹۸۵ء کو یوم جمہوریہ کے موقع پر نئی دہلی میں ریاست آندھرا پردیش کی طرف سے پیش کیا گیا۔



بلبل ہند - سروجنی نائیڈو

"جواہر لعل نہرو نے سروجنی نائیڈو کے تعلق سے کہا تھا کہ انکی شخصیت زندہ دلی و شوخی سے مامور بے پناہ آب و تاب کی مالک ہے اور وہ کئی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے ایک منفرد حیثیت کی حامل ہیں۔ انہوں نے قومی جدوجہد میں اپنی لطافت اور شاعری سے نئی روح پھونک دی ہے۔"

سروجنی نائیڈو مشہور سائنسداں فلاسفر مسٹر اگھور ناتھ چٹوپادھیائے اور سلیم الطبع شاعرہ برادا سندری دیوی کی سب سے بڑی بیٹی تھیں سروجنی نائیڈو جو اپنے کو مغنیہ شاعرہ کہتی تھیں ۱۳ر فروری سنہ ۱۸۷۹ء کو حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد ایک ماہر تعلیم و ماہر لسانیات جدوجہد کرنے والے فطرتاً ایک صاحب فکر زود واقع ہوئے تھے۔ انہوں نے اڈنبرا سے ۱۸۷۷ء میں ڈاکٹر آف سائنس کی ڈگری حاصل کی اور حیدرآباد میں ۱۸۷۸ء میں نظام کالج قائم کیا۔ جہاں انہوں نے انگریزی زبان اور عورتوں کی تعلیم کا بیڑہ اٹھایا سروجنی نائیڈو کا بچپن دانشوروں شعراء فلسفیوں اور انقلابی فکر کے حامل افراد کے درمیان گزرا جو ہمیشہ انکے والد کے مکان میں جمع ہوا کرتے تھے۔ اپنے حالات کا ذکر کرتے ہوئے بعد میں سروجنی نائیڈو نے کہا کہ "میری پرورش ہندوستانیوں کے گھر میں ہوئی نہ کہ ہندوؤں یا برہمنوں کے اسلئے میرے والد محترم نے کہا تھا کہ ہندوستانیوں کی محبت کے حد تک ہی اپنے کو مقید نہ کرو بلکہ اپنے کو بجا طور پر عالمی شہری بناؤ اور اپنی زندگی ہندوستان کی فلاح کے لیے قربان کرنے ہر وقت تیار رہو۔"

اسکول سے زیادہ گھر پر انہوں نے تعلیم حاصل کی اور بہت کم عمر میں باشعور ہو گئیں۔ الجبرا یا دوسری تعلیم حاصل کرنے کے بجائے شاعری کرنا شروع کر دیا اور ۱۲ سال ہی کی عمر میں مدراس پریسیڈینسی میں میٹرک درجہ اول سے کامیاب کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے قیام انگلستان کے دوران کنگس کالج لندن اور بعد میں گریٹن کالج کیمبرج میں خوش قسمتی سے انہیں انگریزی کے مشہور شعراء سے دوستی کا موقع ملا۔ ایڈمنڈ گوس نے تقلیدی انگریزی شاعری کو ہندوستانی سریلی شاعری میں بدلنے میں سروجنی نائیڈو کی مدد کی۔ جسے انہوں نے تین مجموعوں کی شکل میں ۱۹۰۵ - ۱۹۱۲ اور ۱۹۱۷ء میں شائع کیا مشہور ادبی نقاد قابل اعتبار دوست آرتھر سیمنس نے انگریزی زبان کے محاوروں اور قافیوں کے استعمال کے ضمن میں انکی رہنمائی کی جس کی وجہ سے وہ ایک بہت بڑی شاعرہ بن کر ابھریں اور جنہیں بجا طور پر بلبل ہند کے لقب سے پکارا گیا۔ بحیثیت شاعر انہیں عالمی شہرت حاصل ہوئی انہوں نے اپنی میٹھی اور حلاوت آمیز نظموں کے ذریعے ہندوستان کی خوبصورت اور دلآویز زندگی سے مغرب کو روشناس کیا۔

ہندوستان کے ایک اور عظیم سپوت رابندر ناتھ ٹیگور کی طرح سروجنی نائیڈو کی شخصیت جلوۂ صد رنگ لئے ہوئے تھی۔ انکی دلچسپی صرف شاعری تک ہی محدود نہیں تھی۔ ۱۹۰۶ء میں کلکتہ کانگریس سیشن میں انکی ملاقات گوپال کرشن گوکھلے سے ہوئی جنھوں نے سروجنی نائیڈو کی خطابت اور فہم و ذکاوت میں مستقبل کے ابھرنے والے قائد کو دیکھا۔ انکی آواز پر لبیک کہتے ہوے سروجنی نائیڈو نے مادر وطن کی خدمت کے لیے اپنی زندگی میں نئے دور کا آغاز کیا۔ اور اسی لمحے سے انہوں نے جدوجہد آزادی میں اپنے کو جھونک دیا اور ہندوستان کو غیر ملکی اقتدار سے آزاد کرانے میں بے شمار مصائب برداشت کئے۔ قدآور مجاہدین آزادی کے ساتھ ان کے میل ملاپ کی بدولت انکے اندر چھپی ہوئی بہترین صلاحیتیں منظر عام پر آگئیں۔ آپسی اتحاد کے لیے انکی انتھک کوششیں اس وقت کامیاب ہوئیں جبکہ انہیں ۱۹۲۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس کا صدر منتخب کیا گیا۔ اینی بسنت کے بعد اس جلیل القدر عہدے کے لیے منتخب کی جانے والی یہ دوسری خاتون تھیں

۱۹۱۹ء میں سیول نافرمانی کی تحریک کے دوران سروجنی نائیڈو گاندھی جی کی انتہائی قابلِ اعتماد ساتھی رہی ہیں۔ بڑی دلیری اور ہمت کے ساتھ انہوں نے عوام کو تشدد سے باز رہنے کی ترغیب دی۔ اور ممنوعہ لٹریچر فروخت کیا۔ امرتسر میں مارشل لا اور جلیانوالا باغ کے قتل عام کے خلاف پرجوش جلسوں کو مخاطب کیا۔ قیصر ہند میڈل حکومت کو واپس کر دیا یہ میڈل انہیں ۱۹۰۸ء میں حیدرآباد کے طاعون کے دوران انجام دیئے گئے گرانقدر خدمات کے صلہ میں دیا گیا تھا۔ بلاشبہ سروجنی نائیڈو ۱۹۱۹ء میں اپنی ذاتی جدوجہد ہی سے سیاسی قائد بن کر ابھریں۔

اپنی پوری زندگی میں انہوں نے ہندوستانی عورت کی آزادی کے لیے سرگرم اور گہری دلچسپی لی۔ عورتوں کی تحریک کے سلسلے میں اپنا حصہ ادا کرتے ہوئے انہوں نے مدراس میں بیوہ خواتین کی دوبارہ شادی کے عنوان پر منعقد کی جانے والی کانفرنس میں شرکت کی۔ اینی بسنت اور سی۔ پی۔ راما سوامی آئیر کے ہمراہ ۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۸ء تک انہوں نے سارے ہندوستان کا دورہ کیا اور عورتوں کی آزادی۔ نوجوانوں کی بہبود محنت کش طبقے کی عظمت اور قومیت کے تعلق سے لیکچر دیئے۔ سروجنی نائیڈو نے مسلم خواتین کو پردے سے باہر آنے اور سماجی دھارے میں شامل ہوتے ہوئے مساویانہ حقوق کے لیے جدوجہد کرنے پر زور دیا اور بتایا کہ پردہ عورت پر مرد کی حکمرانی کی علامت ہے۔

مہاتما گاندھی کی طرح سروجنی نائیڈو زندگی بھر ہندو مسلم اتحاد کی موئید و حامی رہی ہیں۔ ۱۹۱۵ء میں گوپال کرشن گوکھلے کے انتقال پر انہوں نے جو پُراثر خراج تحسین گوکھلے کو پیش کیا تھا اس میں مسز نائیڈو نے ہندو مسلم اتحاد کے مدبرانہ تصور پر زور دیا ہے جو انکی زندگی کا مضبوط ترین عقیدہ تھا جس کے لیے انہوں نے لگاتار محنت کی تھی ۱۹۱۳ء میں لکھنو میں منعقدہ نئے مسلم لیگ کے تاریخی سیشن میں مسلمانوں کے اجتماع کو مخاطب کیا تھا۔ انکی تقریر کا نچوڑ ہندو مسلم اتحاد ہی تھا۔ انڈین نیشنل کانگریس کے کاکی ناڈا سیشن میں انہوں نے ہندوؤں سے ہندو مسلم اتحاد کو پروان چڑھانے کی تلقین کی۔ ملک کی تقسیم اور بعد میں ہونے والی تباہی نے انکے فرقہ وارانہ اتحاد کے خواب کو بکھیر کر رکھ دیا۔

کچلے ہوئے اور مظلوم لوگوں کو انصاف رسانی کے لیے جب بھی کوئی تحریک چلائی گئی سروجنی نائیڈو نے اس کی حمایت کی ہے۔ اس طرح انہوں نے کالی کٹ میں مخالف موپلا اقدامات کی شدید مذمت کی۔ بردولی مہم کے دوران وہاں کے کسانوں کے حقوق کی حمایت میں ایک پرجوش پیام ارسال کیا اور ہندوستان کے اتحاد کی ضرورت پر زور دیا۔ چمپارن کے نیل کے کھیتوں میں کام کرنے والے محنت کشوں کے مقاصد کی حمایت کی اور ان غریب قسمت کے مارے ہندوستانیوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے تعلق خاطر کا اظہار کیا۔

آزادی کے ملتے ہی انہیں یہ شرف امتیاز دیا گیا کہ وہ ہندوستان کے سب سے بڑے صوبے کی پہلی خاتون گورنر بنائی گئیں بحیثیت گورنر انہوں نے عوامی زندگی کو ایک آن بان وقار اور سبھاؤ عطا کیا۔ انکی زندگی کا آخری کارنامہ ۱۹۴۷ء میں ایشیائی تعلقات کی کانفرنس کی صدارت تھا۔ ۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو بہ عمر

سال دفتر میں ان کا انتقال ہوا۔

سروجنی نائیڈو محبت، التفات، دانشمندی و غمگساری سے بھرپور جذبے کی حامل اور غیر معمولی کردار کی خاتون تھیں۔ ان میں بزلہ سنجی تیز فہمی سادگی بدرجہ اتم موجود تھی جس کی بدولت انہیں ملک کے اعلیٰ کونسلوں کے اندر صلح و سمجھوتا کرانے والے کی حیثیت سے ایک منفرد مقام حاصل ہوا۔ عوام کے تمام طبقات نہ صرف انہیں چاہتے تھے بلکہ انکی عزت و تعظیم بھی کرتے تھے۔ چاہے جھونپڑی ہو کہ محل اپنے کو اجنبی محسوس نہ کرنے والی یہ عالمی شہری صحیح معنوں میں اپنی بے پناہ انسان دوستی کی بدولت عوام کے درمیان زندگی بھر ایک دوامی واسطے کا کام انجام دیتی رہیں۔ مذہب کے معاملے میں وہ رواجی عقیدے کی حامل نہیں تھیں۔ ان کا یہ ایقان تھا کہ خدا ہر شئے میں ہے۔ اخلاق اور تہذیب کے اعتبار سے اسلام کی انکے پاس اتنی ہی قدر و منزلت تھی جتنی کہ برہمن ہونے کے اعتبار سے وہ اپنے برہمن ورثہ کی قدر کرتی تھیں۔

وہ ایک زبردست و پرجوش مقرر تھیں۔ انکی پرجوش و جذباتی خطابت کے اثرات سے مغلوب سامعین بسا اوقات انکی بلند پایہ دانشمندانہ صلاحیتوں کو محسوس نہ کرپاتے۔ لوگوں کے حق میں وہ قوت و استحکام کا پہاڑ تھیں تو دوسری طرف رفاقت اور شگفتگی کا مقام اتصال تھیں۔ سب سے بڑھکر ان کی نمایاں خصوصیت انکی دلیری اور بے باکی تھی جس سے انکے جاننے والے فیض حاصل کرتے رہے۔ ڈاکٹر گوبند اراجولو نائیڈو سے انکی شادی بین فرقہ جاتی اور بین ریاستی شادی تھی۔ سماج میں نمایاں حیثیت کے حامل اور تعلیم یافتہ لوگوں کا انکے گھر میں جمگھٹہ رہتا تھا جسکی بدولت انکا گھر "گولڈن تھریشولڈ" بلند پایہ دانشوروں، نکتہ سنجوں، فنون لطیفہ کے شائقین کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

شہر حیدرآباد کی بوقلموں زندگی نے سروجنی نائیڈو کی شاعری کو مشرقی تہذیب کا پس منظر عطا کیا۔ اس شہر میں موجود چارمینار بڑے تالاب حسین ساگر، سالار جنگ میوزیم اور دوسری بے شمار قدیم یادگاری عمارتیں شہر کے بیچوں بیچ پلوں کے نیچے سے خاموش انداز سے بہنے والی رود موسیٰ گنبدان گولکنڈہ وغیرہ غرض کہ اس شہر کی ہر شئے سے سروجنی نائیڈو کو والہانہ انس و محبت تھی۔

اس پرکشش اور جاذبیت کے ماحول میں شریمتی نائیڈو نے اپنا گھر "گولڈن تھریشولڈ" تعمیر کیا جس کی دلفریبی کی ہر ایک نے تعریف کی۔

اسی "گولڈن تھریشولڈ" میں جو کسی وقت نکتہ سنجوں اور دانشوروں کی آماجگاہ تھا آج حیدرآباد سنٹرل یونیورسٹی جیسے ایک اعلیٰ تعلیمی ادارے کے قیام کے ذریعے بلاشبہ بلبل ہند سروجنی نائیڈو کو حقیقی معنوں میں خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے۔ ●●



عوام کے لئے منصوبہ بندی

منصوبہ بندی کو غیر مرکوز کرنے اور اس میں عوام کو زیادہ سے زیادہ سرگرم عمل کرنے کیلئے قدم اٹھائے جارہے ہیں۔ ضلع میں منصوبہ بند مشنری کی تشکیل نو کی جارہی ہے اور اسے مالیہ بہم پہونچایا جارہا ہے۔





తెలుగు తల్లి

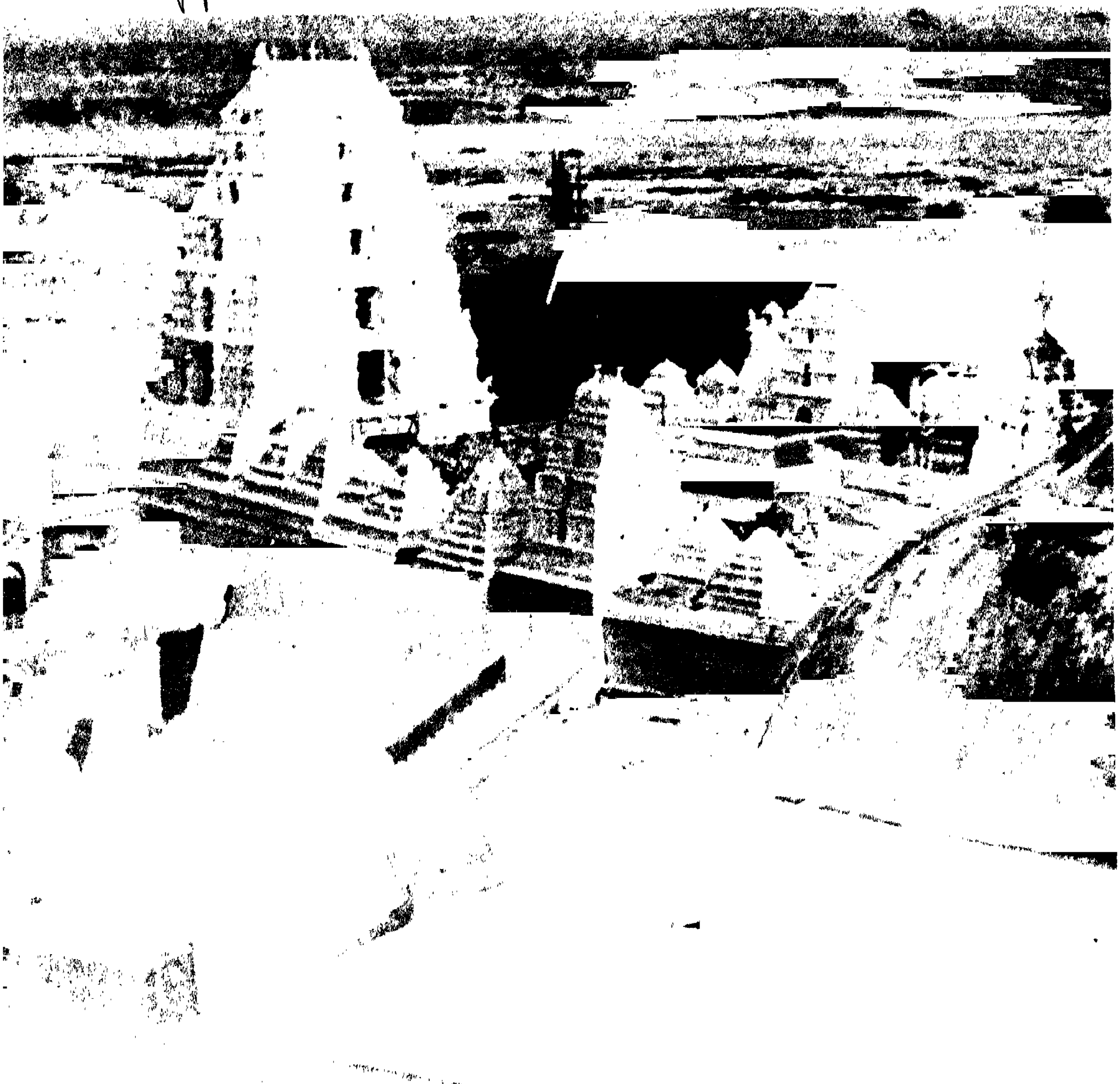
mo mation

చార శాఖ

آندھرا پردیش

مارچ سنہ ۱۹۸ء

۵۰ پیسے



آندھرا پردیش - اعداد و شمار بہ یک نظر

رقبہ (۱۹۸۱ء مردم شماری)	(مربع کیلومیٹر)	۲۷۵٫۶۱	
اضلاع		۲۳	
تعلقہ جات		۳۱۲	
پنچایت سمیتیاں		۳۳۰	
آبادی (۱۹۸۱ء مردم شماری)		۵۳۵٫۵۰	(لاکھ میں)
مرد		۲۷۱٫۰۹	〃
عورتیں		۲۶۴٫۴۱	〃
درج فہرست اقوام کی تعداد		۷۹٫۶۲	〃
درج فہرست قبائل کی تعداد		۳۱٫۷۶	〃
محنت کش افراد کی تعداد		۲۳۵٫۰۶	〃
اراکین پارلیمنٹ کی تعداد	(بشمول راجیہ سبھا)	۶۰	
اراکین اسمبلی کی تعداد		۲۹۵	
اراکین قانون ساز کونسل کی تعداد		۹۰	
دواخانے (آلوپیتھک)		۲۹۵	
خصوصی امراض کے دواخانے		۴۵	
بستروں کی تعداد		۲۶,۹۳۸	
یونیورسٹیوں کی تعداد		۱۰	
جملہ آبپاشی سے سیراب کیا جانے والا رقبہ		۵۰٫۵۸	لاکھ ہیکٹر
کوئلہ کی پیداوار		۱۰۰٫۸۳	لاکھ ٹن

REGD. No. H/HD-76.

ماہنامہ آندھرا پردیش حیدرآباد

ARCH 1985 మార్చి • PHALGUN-CHAITRA 1906-1907 SE • جمادی الثانی ۱۴۰۵ھ

مارچ سنہ ۱۹۸۵ء • اشاعت کا ۳۰ واں سال • شمارہ : ۳ • قیمت : ۵۰ پ

فہرست

چیف ایڈیٹر

پی۔ وی۔ آر۔ کے۔ پرشاد (آئی اے ایس)

ایڈیٹر

خواجہ حسین احمد بی۔اے (عثمانیہ)

• اس شمارہ میں اہلِ قلم حضرات نے انفرادی طور پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے اُن سے لازمی طور پر حکومت کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

• زرِ سالانہ : ۶ روپے • فی پرچہ : ۵۰ پیسے

• زرِ سالانہ ذریعہ منی آرڈر روانہ کیجئے • وی۔پی بھیجنے کا قاعدہ نہیں

• منی آرڈر ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ کے نام روانہ کیجئے

• غیر مطبوعہ تخلیقات روانہ کرنے کا پتہ : ایڈیٹر ماہنامہ "آندھرا پردیش" محکمہ اطلاعات و تعلقات عامہ، گرہاکلپا، چھٹی منزل، مکرم جاہی روڈ حیدرآباد ۔۔۔۔ ۵ • ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ حکومت آندھرا پردیش نے شائع کیا • کتابت : ایس اے حمید • طباعت : گورنمنٹ پریس (آنیکسٹ) چنچل گوڑہ، حیدرآباد۔

آندھراپردیش میں

نوجوانوں کیلئے فلاحی اسکیمات

ہماری آبادی کا بڑا حصہ نوجوانوں پر مشتمل ہے۔ ہماری سماجی ترقی میں وہ اہم اور موثر کردار ادا کرسکتے ہیں۔ اگر انہیں نظرانداز کردیا گیا تو قوم کی تعمیری اور پیداواری سرگرمیوں کی رفتار سست ہوجائے گی۔ نوجوانوں کی دلچسپیوں، چھپی ہوئی صلاحیتوں اور فطری تقاضوں اور رجحانات کا ٹھیک اندازہ قائم کرتے ہوئے انہیں تخلیقی اور تعمیری سرگرمیوں کی سمت پھیر دیا جانا چاہیئے۔

اس مقصد کے حصول کے لیے ۱۹۷۲ء میں ہماری ریاست میں محکمہ یوتھ سرویسس کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس کے زمانے قیام ہی سے یہ محکمہ کئی سلسلے وار پروگراموں پر عمل کررہا ہے۔ ہماری ریاست میں رونما ہونے والی تیز رفتار سماجی و معاشی تبدیلیوں میں شدت سے حصہ لینے کے لیے نوجوانوں کی ہمت افزائی کرنا، اپنے پیر پر کھڑا کرنے کیلئے نوجوانوں کو مختلف فنی پیشوں کی ٹریننگ اور آپسی تبادلہ خیال کے مواقع ایک دوسرے کے تجربے سے استفادہ وینز نوجوانوں کی ثقافتی ادبی اور کھیل کود کی صلاحیتوں کا ابھارنا ان پروگراموں کا مقصد ہے۔

نوجوانوں کی فلاحی سرگرمیوں کے لیے منظور کردہ موازنہ کی رقم میں گزشتہ برسوں کے دوران بتدریج اضافہ ہونے لگا۔ سال ۱۹۷۲ء میں ۴ لاکھ روپے سے یہ رقم سال ۸۵-۱۹۸۴ء میں ۵۵ لاکھ روپے تک پہنچ گئی۔

<u>نوجوانوں کے لیے اختیار کردہ اسکیمات</u>

ریاست میں سال ۸۴-۱۹۸۳ء کے دوران نوجوانوں کی فلاح کے لیے اختیار کردہ اسکیمات میں ایک سائنس کلب کا قیام شامل ہے اپنی اپنی مخصوص مشغولیات کو جاری رکھنے کے مراکز قائم کرنے میں نوجوانوں کی ہمت افزائی کرنا۔ فوٹوگرافی کلبوں کے قیام یوگا ٹریننگ موسیقی اور کراٹے سیکھنے کیلئے مراکز قائم کرنے کے لیے مالی امداد مہیا کرنا وغیرہ۔ اسکیمات میں شامل ہیں۔

رواں مالی سال کے دوران (۸۵-۱۹۸۴) یوتھ کلبوں کی عمارتوں کی تعمیر ضلع اور بلاک کی سطح پر یوتھ سنٹروں کا قیام اور نوجوانوں کے تہواروں کے اہتمام پر مشتمل پروگراموں پر عمل آوری کی جائے گی۔ ڈسٹرکٹ ٹریننگ کامپلکس، ہابی سنٹروں، فوٹوگرافی کلبوں، سائنس سنٹروں وینز حیدرآباد میں اسٹیٹ یوتھ سنٹر کے قیام کا فیصلہ کیا گیا ہے — ریاست میں یوتھ سنٹروں کو کھیل کود میں کام آنے والے سامان آڈیو ویژول آلات ان مراکز کو سربراہ کرنے کے لیے خریدے جائیں گے۔ جن اضلاع میں قبائلی لوگوں کی خاطر خواہ آبادی موجود ہے وہاں قبائلی نوجوانوں کے لیے مراکز قائم کئے جائیں گے۔ کمیونٹی ڈیولپمنٹ اور سماجی خدمات میں حصہ لینے کے لیے نوجوانوں کی ہمت افزائی کی جائے گی۔

نوجوانوں کی ضروریات کی تکمیل کرنے والے کتب خانوں کو مالی امداد کی منظوری کے علاوہ ریاست کے مسلمہ اور رجسٹر شدہ یوتھ کلبوں

اور اسوسی ایشنوں کو کھیل کود اور ثقافتی سرگرمیاں جاری رکھنے کے قابل بنانے کے لیے رقمی امداد دی جائے گی۔ ریاست کے نوجوانوں کی ہمہ اقسام کی صلاحیتوں کے مظاہرے کے لیے بہت جلد ریاستی سطح پر ایک نمائش کے اہتمام کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

نوجوانوں کا بین الاقوامی سال

قوم کی تعمیری سرگرمیوں میں نوجوانوں کی اہمیت اور امکانی قلت کے خطرات و بے روزگاری۔ اضطراب و پریشانی۔ انکی بقا کے لیے سازگار معیشت اور آنے والے دہوں میں انکے وجود کو لاحق خوف کا احساس کرتے ہوئے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ۱۹۸۵ء کو نوجوانوں کا بین الاقوامی سال قرار دیا ہے۔ اس سال نوجوانوں کو ترقیاتی کاموں میں شریک کرتے ہوئے امن کی کوششوں کو جاری رکھنا ہے۔ نوجوانوں کے بین الاقوامی سال کے دوران ہماری ریاست میں کئی نئے پروگرام بنائے جا رہے ہیں۔

نوجوانوں کی صلاحیتیں

موجودہ ریاستی حکومت نے دیہی نوجوانوں کی صلاحیتوں کو کمیونیٹی ترقیاتی سرگرمیوں میں شامل کرنے کے لیے "یوا شکتی" کے عنوان سے ایک پروگرام تیار کیا ہے۔ جس کی بدولت ریاست کے نوجوان ایک جگہ جمع ہو سکیں گے تاکہ فنی اور خود روزگار اسکیمات کے لیے دی جانے والے مختلف ٹریننگ پروگراموں سے استفادہ کر سکیں۔

سال ۸۵-۱۹۸۴ء کے سالانہ موازنہ میں اس پراجکٹ کے لیے ۵۰ لاکھ روپے کی رقم مختص کی گئی ہے۔ اس پراجکٹ کے جزو کے طور پر شہر حیدرآباد میں ریاستی سطح پر ایک بہت بڑا ٹریننگ سنٹر قائم کرنے کے لیے سرگرمی کے ساتھ غور کیا جا رہا ہے عنقریب اسکا قیام عمل میں آ جائے گا۔

نہرو یووک کیندرا

ریاست کے ۲۳ شہروں میں نہرو یووک کیندر کام کر رہے ہیں۔ مقامات کے نام یہ ہیں۔

اننت پور۔ چتور۔ کڈپہ۔ گنٹور۔ کریم نگر۔ کھمم۔ کاکی ناڈا
کرنول۔ محبوب نگر۔ نظام آباد۔ سدی پیٹھ۔ سریکاکلم۔ وجئے واڑہ
اور وساکھاپٹنم۔

ان کیندروں کے کوارڈینیٹر مرکزی فنڈ سے استفادہ کرتے ہوئے نوجوانوں کے کئی فلاحی اسکیمات پر عمل آوری کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ریاستی اسکیمات کی عمل آوری میں کلکٹروں کا ہاتھ بٹا رہے ہیں۔ نہرو یووک کیندر ریاستی سطح پر ڈائرکٹر یوتھ سرویسس کے تحت کام کر رہے ہیں۔

پسماندہ طبقات اور خواتین کے لیے فلاحی اسکیمات

درج فہرست اقوام و درج فہرست قبائل کے علاوہ آبادی کے بہت سے طبقات ایسے ہیں جو معاشی اور سماجی پسماندگی کا شکار ہیں اس لیے یہ ضروری ہے کہ ان طبقات کی خاطر خواہ ترقی اور بہبود کے اقدامات کئے جائیں۔ ریاستی حکومت نے ان پسماندہ طبقات کیلئے کئی رعایتوں کا اعلان کیا ہے۔ پسماندہ طبقات کی فلاح کے لیے اہم اقدامات تعلیمی اور معاشی بہتری کے شعبے میں اٹھائے گئے ہیں۔ تعلیمی شعبے میں کئے گئے اقدامات کے ذریعے نہ صرف انہیں تعلیمی وظائف اور ہاسٹل کی سہولتیں فراہم کی گئی ہیں بلکہ کتابوں کا مفت انتظام بھی کیا گیا ہے۔ پیشہ وارانہ تعلیم اور ٹریننگ کی سہولتوں پر زیادہ زور دیا گیا ہے اس لیے اس سے فوری روزگار کے مواقع دستیاب ہو جائیں گے۔

پیشہ وارانہ کاموں زراعت، چھوٹی اور گھریلو صنعتوں میں مصروف طبقات کی موزونیت کا لحاظ رکھتے ہوئے اسٹیٹ پسماندہ طبقات کے فینانس کارپوریشن کے توسط سے کئی معاشی امدادی اسکیمات پر عمل آوری

کی گئی ہے۔

سنہ ۱۹۸۳-۸۵ء کے دوران پسماندہ طبقات کی بہبود کے لئے تعلیمی اور معاشی طور پر ترقی دینے والی اسکیمات کو روبہ عمل لایا گیا جن پر ۳۷.۸۶ کروڑ روپے خرچ ہوئے۔

تعلیمی پروگرام کے تحت اختیار کردہ اہم اسکیمات یہ ہیں۔ تعلیمی وظائف۔ ماہانہ رقمی اعانت۔ قوم یا ئے گئے نصابی کتب کی سربراہی فلوشپ برائے طلباء ایم فل اور پی۔ایچ۔ ڈی۔ آئی۔ پی۔ ایس۔ آئی۔ اے۔ ایس اور گروپ ۱ ملازمتوں کے امتحانات کے لیے خصوصی کوچنگ سنٹروں کا قیام عمل میں لایا گیا۔ ہاسٹل قائم کئے گئے چھٹے پنجسالہ منصوبے کی شروعات کے موقع پر ہاسٹلوں کی تعداد ۶۷ تھی جو منصوبے کے ختم پر ۳۳۲ تک پہنچ گئی۔ منصوبے کے دوران پسماندہ طبقات کے لیے ہاسٹلوں کے ۹ نئی عمارتیں تعمیر کی گئیں۔

ماہی گیروں کے بچوں کے لیے ۲۱ آشرم اسکول شروع کئے گئے چھٹویں پنجسالہ منصوبے کے ختم تک آشرم اسکولوں کی تعداد ۲۶ ہوگئی۔ سالانہ اوسطاً ۵۰ ہزار طلباء کو قومیائے ہوئے کتب سربراہ کئے گئے۔ تقریباً ۱٫۶۰٫۰۰۰ طلباء کو ما قبل میٹرک غیر اقامتی تعلیمی وظائف دیئے گئے معاشی طور پر ترقی دینے کی اسکیمات کے تحت پسماندہ طبقات کے مستفیضین کی تعداد ۱۹۸۰ - ۸۱ میں ۲۷ ہزار سے ۱۹۸۴ء - ۸۵ میں ۸۴ ہزار تک پہنچ گئی۔

خواتین

آبادی کا تقریباً نصف حصہ خواتین پر مشتمل ہے۔ اور بیشتر ان میں ایسی ہیں جنھیں علحدہ طور پر کسی قسم کی آمدنی نہیں ہے۔ ریاستی حکومت نے خواتین کو منفعت بخش روزگار اور آمدنی پیدا کرنے والی سرگرمیوں میں لگانے کے لیے کئی اسکیمات شروع کی ہیں۔ بعض اسکیمات محنت کش خواتین کو سہولتیں فراہم کرنے اور بعض خواتین کو فنی کاموں کی ٹریننگ دینے کی غرض سے شروع کی گئی ہیں۔ ریاستی حکومت نے سرکاری ملازمتوں میں خواتین کے لئے ۳۰ فیصد جائیدادوں کی حد تک تحفظ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ ترپتی میں خواتین کے لیے ایک یونیورسٹی قائم کی گئی ہے۔ آبائی جائیداد میں عورتوں کو مساوی حق دینے کے لیے قانون مدون کرنے کی کارروائی شروع کی گئی ہے۔ خواتین کے ریسکیو ہوم بے سہارا اور محتاج عورتوں کیلئے ریاستی اور سروس ہوم محنت کش خواتین کے لیے ہاسٹل چلائے جا رہے ہیں۔ ۱۹۸۳ - ۸۵ء کی مدت کے دوران محنت کش خواتین کے لیے ۸ مقامات پر ہاسٹل قائم کئے گئے اور مذکورہ مدت کے دوران خواتین کے فلاحی پروگراموں پر جملہ ۳.۸۹ کروڑ روپے خرچ کئے گئے۔

درج فہرست اقوام اور درج فہرست قبائل کی بہبودی

درج فہرست اقوام اور درج فہرست قبائل سے تعلق رکھنے والے عوام کا طبقہ سب سے زیادہ کچلا اور پچھڑا ہوا طبقہ ہے۔ گذشتہ منصوبوں میں درج فہرست اقوام اور درج فہرست قبائل کے تعلق سے بنائے گئے ترقیاتی پروگراموں کا انداز عارضی اور سرسری رہا ہے جس میں انکے حالات اور پس منظر کا بہت کم خیال رکھا گیا تھا۔ اور جو بھی اسکیمات چلائی گئیں وہ سب کی سب سطحی نوعیت کی تھیں۔ ان طبقات کے لیے چلائے گئے خصوصی پروگراموں کو بھی مجموعی اور عام نوعیت کی ترقیاتی کوششوں سے منسلک کرتے ہوئے اضافی شکل دی گئی۔ عام ترقیاتی اسکیمات کے تحت دستیاب فوائد میں تھوڑی سی تبدیلی کرتے ہوئے ان اسکیمات کو درج فہرست اقوام و قبائل کے خصوصی پروگرام کے نام سے چلایا گیا۔ لیکن اب ریاست میں کمزور طبقات کے پروگراموں کو ایک جامع اور نیا انداز اختیار کرتے ہوئے نئے ۲۰ - نکاتی پروگرام کے تحت روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔

درج فہرست اقوام کی بہبودی

۸۵-۱۹۸۴ء کے دوران تعلیمی اور معاشی طور پر ترقی دینے کی اسکیمات کے نام سے درج فہرست اقوام کی فلاح کے لیے دو اسکیمات پر عمل آوری کی گئی ہے اور ان اسکیمات پر ۵۰ء۶۱ کروڑ روپے خرچ کئے گئے ہیں۔

تعلیمی اسکیم کے تحت آئی۔ ٹی۔ آئی۔ پالی ٹیکنک انجنیرنگ میڈیکل اور پوسٹ گریجویٹ انسٹی ٹیوشنوں میں تعلیم پانے والے طلباء کو ماہانہ رقمی امداد دینے بلند معیار کے کانوینٹ اسکولوں میں تعلیم پانے والے طلباء کے لیے فیس کی ادائی۔ درج فہرست اقوام سے تعلق رکھنے والے ایڈوکیٹ کی امداد۔ ریسرچ اسکالروں کو اسکالرشپ کی منظوری۔ قومیائے ہوئے نصابی کتب کی سربراہی انجنیرنگ آلات الیکٹرانک کیالی کیولیٹرس اور ملبوسات وغیرہ کی فراہمی کے لیے مذکورہ رقم خرچ کی گئی۔ معاشی طور پر ترقی دینے کی اسکیم کے تحت ناریل اور املی کے درختوں کے پٹے حاصل کرنے زرعی زمینات کی خریدی دستکاری اور کاروبار کے لیے رقمی امداد دی گئی۔

مذکورہ مدت کے دوران تقریباً ۵۲۰۰۰ طلباء پر مشتمل ۷۵۰ ہاسٹلوں میں قیام پذیر طلباء کو ملبوسات فراہم کرنے کے لیے مالی امداد دی گئی۔ اس طرح ۸۵-۱۹۸۴ء کے دوران مستفیضین کی تعداد ۴ لاکھ تک پہنچ گئی۔ معاشی ترقیاتی اسکیم کے تحت درج فہرست اقوام کی امداد کے لیے اے پی شیڈولڈ کاسٹ فینانس کارپوریشن میں ۴۱ء۲۳۶ کروڑ روپے مشغول کیے گئے۔

نئی اسکیمات

بے زمین زرعی مزدوروں کو فائدہ پہنچانے کے لیے سال ۸۵-۱۹۸۴ء کے دوران ایک نئی اسکیم منظور کی گئی۔ ان بے زمین مزدوروں میں سے بیشتر کا تعلق درج فہرست اقوام اور درج فہرست قبائل سے ہے۔ اس اسکیم کے تحت زرعی شعبہ میں جسمانی محنت کرتے ہوئے آمدنی حاصل کرنے والے مزدوروں کو جن کی عمر ۶۰ سال یا اس سے زائد ہے ۳۰ روپے ماہانہ وظیفہ پانے کا مستحق قرار دیا گیا۔ یہ وظیفہ سال کے بارہ مہینے ان افراد کو دیا جائے گا۔ سنہ ۸۵-۱۹۸۴ء کے دوران اس مقصد کے تحت ریاستی حکومت نے ۶ کروڑ روپے منظور کئے ہیں۔ اور تقریباً ۵ لاکھ لوگوں کو اس اسکیم کے تحت وظیفہ دینا طے کیا گیا ہے۔ گذشتہ دو سال کی مدت کے دوران معاشی طور پر امداد حاصل کرنے والے درج فہرست اقوام کے خاندانوں کی جملہ تعداد ۶ لاکھ ہے۔

درج فہرست قبائل کی بہبودی

درج فہرست اقوام کی طرح محکمہ قبائلی بہبود کی جانب سے درج فہرست قبائل کے لیے بھی تعلیمی اور معاشی سدھار کی اسکیمات پر عمل آوری کی گئی۔ ۸۵-۱۹۸۳ء کی مدت کے دوران درج فہرست قبائل پر صرف کردہ رقم ۵۹ء۱ کروڑ روپے ہے۔ ماہانہ رقمی امداد وظائف نصابی کتب کی سربراہی۔ کتابوں کی خریدی کے لیے رقمی امداد پوسٹ گریجویٹ سنٹروں انجنیرنگ اور میڈیکل شعبوں میں تعلیم پانے والے قبائلی طلباء کو دی گئی۔ معاشی طور پر ترقی دینے کے پروگرام کے تحت اختیار کی گئی قابل ذکر اسکیمات یہ ہیں۔ چھوٹی آبپاشی۔ زراعت افزائش مویشیاں۔ موٹر ڈرائیونگ ٹریننگ۔ ملبوسات تیاری کی ٹریننگ۔ ماقبل میٹرک تعلیمی وظائف پانے والے قبائلی طلباء کی تعداد سال ۸۵-۱۹۸۴ء میں تیزی کے ساتھ ۰۰۰۰ تک پہنچ گئی۔ اور آئی۔ ٹی۔ آئی اور پالی ٹیکنک کے اوسطاً ۰۰ طلبا کو کتابوں کی خریدی کے لیے رقمی امداد دی گئی۔ کاروبار۔ حمل و نقل صنعتوں۔ افزائش مویشیاں اور زراعت کے شعبوں میں اے۔ پی شیڈولڈ ٹرائیب کوآپریٹیو فینانس کارپوریشن نے درج فہرست قبائل کے افراد کی منفعت کے لیے مختلف اسکیمات پر عمل آوری کی ہے۔ کارپوریشن کی جانب سے روبہ عمل لائی گئی اسکیموں کی بدولت سالانہ اوسطاً ۱۶۰۰۰ قبائلی خاندانوں کو فائدہ پہنچا ہے۔

قبائلی منصوبہ

ڈائرکٹر ٹرائبل ویلفیر کی جانب سے روبہ عمل لائی جانے والی اسکیمات کے علاوہ مختلف ترقیاتی شعبوں کے تحت مختص کردہ رقومات کو یکجا کرکے درج فہرست قبائل کے لیے ایک منصوبہ تیار کیا اور اس پر عمل آوری کی گئی ہے۔ گذشتہ دو سال کی مدت کے دوران تقریباً ایک لاکھ قبائلی خاندانوں کو معاشی طور پر ترقی دینے کے لیے امداد دی گئی۔

اضلاع کی خبریں

قرضوں کی تقسیم

مسٹر محمود شریف ریوینیو ڈیویژنل افسر نے سدی پیٹھ نے ۲۶ر جنوری کو ضلع میدک کے موضع بلّور میں منعقدہ ایک تقریب میں الیکٹرک موٹروں۔ سلائی مشینوں، بیل گاڑیوں اور چھوٹے کاروبار شروع کرنے کے لیے ۳۳ افراد میں ۵۰ء۱ لاکھ روپے بطور قرض تقسیم کئے۔ آر۔ ڈی۔ او نے رقم حاصل کرنے والوں کو مشورہ دیا کہ وہ قرض کی رقم کا صحیح استعمال کریں اور بروقت قرض کی ادائی شروع کردیں۔ مسٹر اے۔ ایم سائیلو سمیتی پریسیڈینٹ مسٹر سری رام ڈل بی۔ ڈی۔ او اور تحصیلدار سدی پیٹھ نے اس موقع پر مخاطب کیا۔

رکشاؤں کی تقسیم

ریوینیو ڈیویژنل افسر سدی پیٹھ نے ۲۶ر جنوری کو سدی پیٹھ نے ۲۶ر جنوری کو سدی پیٹھ کے کمزور طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد میں ۴ رکشے تقسیم کئے۔ "یہ رکشا" ذاتی رکشا حاصل کرنے کی اسکیم کے تحت دیئے گئے ہیں۔ مسٹر این پربھاکر میونسپل کمشنر نے کہا کہ مزید پانچ رکشا بہت جلد تقسیم کئے جائیں گے۔

محفوظ آبرسانی اسکیم

مسٹر الوری وینکٹ سوریہ نارائن راجو صدر نشین آندھرا پردیش اگرد انڈسٹریز کارپوریشن آندھرا پردیش نے ۲۶ر جنوری ۱۹۸۵ء کو ضلع مشرقی گوداوری کے موضع پلی پالم میں ۲ء۱۱ لاکھ روپے کی لاگت سے تعمیر کی جانے والی محفوظ آبرسانی اسکیم کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس کی بدولت ساحلی علاقے میں رہنے والے ۲۰۰۰ ماہی گیروں کو فائدہ پہنچے گا۔

ضلع نظام آباد میں ۱۰ ہزار پختہ مکانات کی تعمیر

مسٹر کے۔ دی۔ راؤ کلکٹر نظام آباد نے پولیس پریڈ گراؤنڈ نظام آباد میں یوم جمہوریہ کی تقاریب میں حصہ لیتے ہوئے بتایا کہ ۴۲۶ مواضعات میں بے گھر غریب لوگوں کے لیے ۱۰ ہزار پختہ مکانات تعمیر کئے گئے ہیں اور سیلاب سے متاثرہ لوگوں کی بازآبادکاری کے لیے ۴۵ لاکھ روپے کی تخمینی لاگت سے مزید ۳۳۳۴ مکانات تعمیر کرنے کا پروگرام شروع کیا گیا ہے۔ انہوں نے یہ بھی انکشاف کیا کہ ۲۰ء۷۷ لاکھ روپے مالیت کے ۵۸۶۷ مکانات کے پٹے کمزور طبقات میں تقسیم کئے گئے۔ درج فہرست اقوام اور درج فہرست قبائل کے ۲۱۰۰ خاندانوں کے زندگی کے حالات کو بہتر بنانے کے لیے ایک کروڑ روپے خرچ کئے گئے۔

ضلع کڑپہ میں ترقیاتی پراجکٹ

ڈسٹرکٹ کلکٹر مسٹر امیتابھ بھٹا چاریہ نے کہا کہ ضلع کڑپہ میں سال رواں کے دوران ۱۰ کروڑ روپے کی لاگت سے ترقیاتی پراجکٹ شروع کئے گئے ہیں تاکہ ضلع کے دیہی علاقوں میں انفرا اسٹرکچرل اثاثہ جات

اور روزگار کے نئے مواقع فراہم کئے جاسکیں۔

روزگار پیدا کرنے کی اسکیمات

۲۶ر جنوری یوم جمہوریہ کے موقع پر مخاطب کرتے ہوئے ڈسٹرکٹ کلکٹر نے بتایا کہ قومی دیہی روزگار پروگرام اور دیہی بے زمین افراد کیلئے روزگار کی ضمانت کے پروگرام کے تحت ۴ کروڑ روپے کی لاگت سے روزگار کی اسکیمات شروع کی گئی ہیں۔ خشک سالی امدادی اسکیمات بھی ۳ کروڑ روپے کی تخمینی لاگت سے منظور کی گئی ہیں۔

چھوٹی آبپاشی

کلکٹر نے بتایا کہ ضلع میں آبپاشی کے وسائل کو فروغ دینے چھوٹی آبپاشی اور کنوؤں کی کھدائی کے کام کے لیے ۱۹۰ لاکھ روپے منظور کئے گئے ہیں۔

مسٹر امیتابھ بھٹاچاریہ نے بتایا کہ غربت کی سطح سے اوپر اٹھانے کیلئے بشمول ٦ ہزار درج فہرست اقوام کے خاندانوں کے ۶۲۰۰ افراد کو مالی امداد دی گئی۔ انہوں نے بتایا کہ ضلع میں ۳۶۸۶ لاکھ سبز راشن کارڈ رکھنے والے موجود ہیں۔ ان افراد میں ۴ ہزار مفت ساڑیاں اور دھوتیاں تقسیم کئے گئے اور بے زمین زرعی مزدوروں میں ۲ ہزار وظائف منظور کئے گئے۔

مکانات اور پینے کے پانی کی سہولتیں

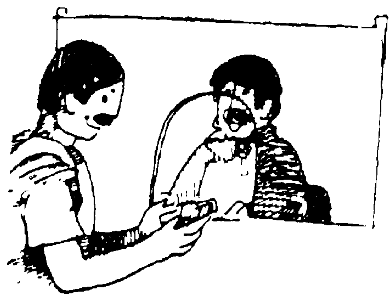
کلکٹر نے بتایا کہ رائلسیما علاقے میں اس ضلع کو دیہی امکنہ کے پروگرام کی عمل آوری میں قابل فخر مقام حاصل ہوا۔ اس سلسلے کے مزید ۵ ہزار مکانات بہت جلد تعمیر کئے جائیں گے۔ ۱۰۰ افراد کی آبادی والے تمام مواضعات میں پینے کے پانی کی سہولتیں مہیا کی گئی ہیں۔

اہلِ قلم حضرات!

آندھرا پردیش کی معاشی، زرعی، صنعتی، تعلیمی اور سماجی ترقی پر اپنے موضوعاتی مضامین، ماہنامہ "آندھرا پردیش" (اردو) میں اشاعت کے لئے روانہ فرمائیے۔ صرف غیر مطبوعہ تخلیقات ہی روانہ فرمائیے ناقابل اشاعت مضامین واپس نہیں کئے جاتے

"ایڈیٹر"

جسمانی طور پر کمزور
لیکن
ارادہ مضبوط



دہرانی کوٹہ سامبیا ایک مضبوط ارادے کا آدمی ہے

اس شخص نے دشوار گزار حالات سے اپنی زندگی کی ناؤ کو اطمینان و اعتماد کے ساتھ کھیتے ہوئے کامیابی سے ہمکنار کیا ہے اور اب کامیاب زندگی گزار رہا ہے۔ (۷) برس کی عمر میں پولیس کے ہاتھوں معذور بنا دیا گیا۔ اس کے ماں باپ علاج کے لیے موضع پاڈو سے گنٹور لے آئے اگرچہ کہ اس کے دونوں پاؤں کمزور ہو گئے ہیں لیکن اس نے مصمم ارادہ کرتے ہوئے زندگی میں اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے لیے ۱۱ سال کی عمر میں خیاطی کا کام سیکھنا شروع کیا اور اس کے ساتھ ساتھ اس نے لکھنے پڑھنے کی مشق شروع کی۔ اپنے رشتہ داروں کی مدد سے اس نے بعدازاں ایک استعمال شدہ سلائی مشین خریدی۔ (۱۰) سال سے زیادہ عرصے تک وہ خیاطی کا کام کرتا رہا اور اپنے خاندان کو سہارا دیتے ہوئے روزانہ کی روٹی کماتا رہا۔

شرامک ودیا پیٹھ پیشہ وارانہ ٹریننگ سنٹر گنٹور میں اس نے جزوقتی انسٹرکٹر کے طور پر کام کیا۔ خوش نصیبی سے جسمانی معذورین کے بین الاقوامی سال کے دوران ریاستی شیڈولڈ کاسٹ و بیک ورڈ کلاس کارپوریشن کی جانب سے اسے ٹرائیسیکل فراہم کی گئی جس کی بدولت اسے چلنے پھرنے میں بڑی مدد حاصل ہوئی۔ سال ۱۹۷۹ء میں جب حکومت نے اشیائے ضروریہ کے سرکاری طور پر تقسیم کرنے کے نظام کو وسعت دی تو اس نے بحیثیت جسمانی معذور کے ایک ارزاں فروشی کی دکان کی منظوری کے لیے حکومت کے ہاں درخواست پیش کی۔ چنانچہ حکومت کی جانب سے گنٹور میں اسے امدادی — فیئر پرائس شاپ نمبر ۹۳ منظور کی گئی۔ اس نے اسٹیٹ بینک آف انڈیا گنٹور سے اپنے رشتہ داروں کی طرف سے دی گئی ضمانت پر پانچ ہزار روپے بطور قرض حاصل کئے۔ اس رقم کو اس نے محکمہ سیول سپلائز میں اپنی دکان کے اشیاء ضروریہ کا کوٹہ حاصل کرنے کے لیے بطور دھروٹ جمع کرادی۔

اپنے افراد خاندان کی نان و نوش کی ذمہ داری سنبھالتے ہوئے اس نے کامیابی کے ساتھ بینک سے حاصل کردہ قرض کی رقم ادا کردی۔

نومبر ۱۹۸۲ء میں اپنی دکان کے کوٹہ میں اضافہ کرنے کے لیے اس نے انڈین بینک سے پھر ۵ ہزار روپے بغیر ضمانت کے بطور قرض حاصل کئے۔ اب وہ ایک کامیاب زندگی گزار رہا ہے۔ فنی صلاحیت کو کام میں لاتے ہوئے اپنی آمدنی میں مزید اضافے کی خاطر اس نے ڈسٹرکٹ رورل

گراموڈیا کی مدد سے ایک تاسندہ لکڑی کاٹنے کی مشین کا مالک بن گیا

اپنے افراد خاندان اور اپنے گاؤں والوں کی آمدنی میں خاطر خواہ اضافہ کرنے اور تاڑی نکلانے کے پیشے سے کنارہ کشی اختیار کرنے اور کوئی نفع بخش کاروبار اختیار کرنے کا خواب نرسمہا کی زندگی میں اس وقت پورا ہوا جبکہ موضع بولکم پلی تعلقہ ابراہیم پٹنم ضلع رنگاریڈی کے اس شخص نے گراموڈیا اسکیم کے تحت سٹیٹ بینک آف حیدرآباد کی مالی مدد سے اپنے گاؤں میں لکڑی کاٹنے کی مشین قائم کی۔

آرا مشین کے قیام سے قبل ماں باپ، بیوی اور ایک بچے کے لیے نرسمہا کی ماہانہ ۲۰۰ روپے کی قلیل آمدنی بالکل ناکافی تھی۔ بحیثیت میکانک اس کا تجربہ آلات اور اوزار درست کرنے میں اسکی فطری صلاحیت نے اسے آرا مشین قائم کرنے کی طرف رہنمائی کی۔

مسٹر کے یادگیری ریڈی سمیتی پریسیڈنٹ اور کئی بہی خواہوں کی طرف سے نیک رہنمائی حاصل کرتے ہوئے نرسمہا نے منیجر اسٹیٹ بینک آف حیدرآباد شاخ ابراہیم پٹنم مسٹر ستیہ مورتی اور ڈسٹرکٹ انڈسٹریز سنٹر سے ربط پیدا کیا ان لوگوں نے اسے گراموڈیا کے تحت مالی امداد حاصل کرنے کا مشورہ دیا۔

آرا مشین کی کارکردگی کے تعلق سے جب مسٹر ڈی۔ نرسمہا سے دریافت کیا گیا تو اس نے فخریہ انداز میں بتایا کہ اب وہ اور اسکی بیوی آرا مشین کے کارخانہ میں کام کرتے ہیں اور اس کے ماں باپ گھر پر آرام کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اور اس کاروبار سے ہونے والی ماہانہ ۱۰۰۰ روپے کی آمدنی انکے لیے بہت کافی ہے اور انکی زندگی خوشحال گزر رہی ہے۔ اس کے علاوہ اس کا یہ کارخانہ گاؤں کے پانچ افراد کو روزگار مہیا کرنے کا ذریعہ بن گیا ہے۔

اسٹیٹ بینک آف حیدرآباد کی جانب سے دی گئی ۲۵ ہزار روپے کی امداد کے اقساط بڑی پابندی سے ادا کر رہا ہے۔ منیجر بینک مسٹر ستیہ مورتی کا خیال ہے کہ نرسمہا اپنے کارخانے کی توسیع کرتے ہوئے محنت اور اخلاص سے اپنے کاروبار کو مزید وسعت دے سکتا ہے۔

مسٹر نرسمہا سے مستقبل کے منصوبوں کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ وہ دروازے کھڑکیاں چوکھٹ اور زرعی آلات تیار کرنے روزانہ مارکٹ میں فروخت کرنے کے لیے خام لکڑی خریدنا چاہتا ہے۔

اس لئے کہ تعمیراتی کاموں اور زراعت کے لئے کام آنے والے ان اشیاء کی بازار میں بہت مانگ ہے۔

ڈیولپمنٹ ایجنسی کے ہاں ایک الیکٹرانک سلائی مشین کی خریدی کے لیے قرض کی درخواست پیش کی۔

اسکی دوکان چونکہ اس کی اپنی گھاس پھوس سے بنی ہوئی جھونپڑی میں ہے اس لئے اسے دکان میں موجود اجناس کے تحفظ کا مسئلہ درپیش ہے۔ لیکن اسے یقین ہے کہ وہ یہ مسئلے کو بھی حل کرلے گا۔

وہ حکومت اور اسٹیٹ ہاؤزنگ کارپوریشن گسٹودر کی مدد سے ایک پختہ مکان تعمیر کرنا چاہتا ہے۔ اس مقصد کے لیے اس کی درخواست نظامت جسمانی معذورین میں زیر غور ہے۔

ماڈاپٹی ہنمنت راؤ — آندھراپتا

اس صدی کے پہلے دہے میں وائسرائے لارڈ کرزن کے منصوبہ تقسیم بنگال کی وجہ سے پوری قوم میں جذبہ حب الوطنی بیدار ہوگیا۔ اس زمانے میں "وندے ماترم" ترانے کا پڑھنا بغاوت کرنے کے مماثل تھا۔ ان ہی دنوں کی بات ہے کہ نلگنڈہ میں کچھ نوجوان قوم پرستی سے سرشار ہندوستان کے ایک مشہور قائد کے بارے میں آپس میں تبادلہ خیال کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک کو گھو کھلے کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اگرچیکہ گھو کھلے کا یہ لقب وقت کے ساتھ معدوم ہوگیا لیکن "قومی خدمت کی اس تنظیم" کی جانب سے دیا گیا گھو کھلے کا یہ لقب ماڈاپٹی ہنمنت راؤ پر پوری طرح صادق آتا ہے۔ ماڈاپٹی ہنمنت راؤ صاحب کا صد سالہ یوم پیدائش ۲۲ر جنوری ۱۹۸۵ء کو حیدرآباد اور آندھراپردیش میں دوسرے مقامات پر منایا گیا۔

گوپال کرشن گھو کھلے کی طرح اگرچہ کہ ماڈاپٹی ہنمنت راؤ نے خدمت گاروں کی انڈیا سوسائٹی قایم نہیں کی تھی۔ لیکن وہ تلگو والے علاقوں کو ایک متحدہ ریاست کے تحت لانے کی تحریک کے بانی تھے۔

مسٹر این۔ ٹی۔ راما راؤ چیف منسٹر آندھراپردیش نے اپنے پیام میں کہا ہے کہ ماڈاپٹی ہنمنت راؤ تلگو زبان اور ثقافت کے زبردست حامی اور حمایتی تھے۔

ماڈاپٹی ہنمنت راؤ آزادانہ اور اعتدال پسندانہ سیاسی نظریات کے حامل تھے لیکن بحیثیت سماجی مصلح کے وہ ترقی پسندانہ ذہن رکھتے تھے عورتوں کی ترقی اور تعلیم کو عام کرنا ہر وقت ان کے پیش نظر رہا ہے۔ تنقید میں تعمیری رجحان زیادہ رہتا تھا۔ انتہاپسندی سے گریز کیا کرتے اور ہم آہنگ اور مقبول عام خیالات کا پرچار کرتے۔ بحیثیت قائد کے انہیں ہر ایک پسند کرتا میر عثمان علی خاں نظام حیدرآباد کو بھی ان پر کافی اعتماد تھا۔ بڑے اور اعلیٰ عہدہ دار ان کے مشوروں کے طالب ہوا کرتے۔ نظام حیدرآباد کی جانب سے دستوری اصلاحات کے نفاذ کے لیے تشکیل کردہ کمیشن کے روبرو بحیثیت آل پارٹی چیرمین ماڈاپٹی ہنمنت راؤ صاحب نے نمائندگی کی تھی۔

ازسرنو تشکیل شدہ حیدرآباد سٹی کارپوریشن کے (۵۴-۱۹۵۱) مسلسل تین دفعہ میئر اور دو دفعہ مسلسل صدرنشین قانون ساز کونسل کی حیثیت سے انتخاب مسٹر ماڈاپٹی ہنمنت راؤ کی ملنسار اور خوش مزاج اور ہر ایک سے اچھے تعلقات قائم کرنے کی ان میں موجود فطری صلاحیت کا نتیجہ ہے۔ وہ کبھی بھی کسی میں حاسدانہ جذبات کو مشتعل نہیں کرتے اور نہ ہی عہدوں اور اقتدار کے پیچھے دوڑتے تھے۔ خاموشی اور چوکسی کے ساتھ اپنا کام کرتے رہتے۔ غرور سے بالاتر تھے۔ ان کے ارادوں اور مقاصد میں خلوص چھلکتا اور انکی راست بازی پر کوئی انگشت نمائی نہیں کر سکتا تھا۔

بچپن ہی میں ہنمنت راؤ صاحب کے والدین کا انتقال ہوگیا وہ اپنے پیدائشی مقام ضلع کرشنا سے اپنے چچاؤں کی زیرنگرانی سوریا پیٹھ ضلع نلگنڈہ منتقل ہوگئے۔ اور زندگی میں سخت دشوار حالات سے گزرتے ہوئے ترقی کی۔ پانچ روپے ماہانہ تعلیمی وظیفہ پاتے ہوئے انہوں نے مڈل اسکول کا امتحان کامیاب کیا اور میٹرک کے بعد انکی تعلیم ختم ہوگئی۔ نظام سرکار کے محکمہ تعلیمات میں اسسٹنٹ کی حیثیت سے کام کرتے ہوئے

انہوں نے وکالت کی سند حاصل کی اور وکالت کرنے لگے لیکن ۲۵ سال کام کرنے کے بعد اس پیشے سے کنارہ کشی اختیار کی تلنگانہ اضلاع میں آندھرا مہاسبھا کے قیام اور کام میں مصروف ہوگئے۔ کھلے طور پر سیاسی سرگرمیاں اختیار کرنے پر پابندی کی وجہ سے سیاسی پیام کو بڑے احتیاط سے عام کرنے کی خاطر عوامی کتب خانے مدارس سماجی کاموں کے لیے جلسے اور ادبی سرگرمیوں کی ہمت افزائی کا کام کرتے رہے۔

مسٹر ہنمنت راؤ کی ساٹھ سالہ عوامی زندگی اس اعتبار سے منفرد حیثیت کی حامل تھی کہ وہ دوسروں کے کئے ہوئے کام میں اپنے کو شامل کر کے شہرت حاصل نہیں کرتے تھے بلکہ جس کام کا بیڑہ اٹھاتے خود اس کام کو پوری طور پر پائے تکمیل کو پہنچاتے جو بات کہتے اس کو کر دکھاتے۔

عورتوں میں تعلیم کو عام کرنے میں ان کا سب سے اہم کام لڑکیوں کے لیے اسکول قایم کرنا تھا۔ انکی اہلیہ مانکیماں ہی سب سے پہلی طالبہ ہیں جنھیں انکے شوہر نے گھر ہی بحیثیت استاد تعلیم دی۔ کچھ برسوں کے بعد سرسلہ میں منعقدہ خواتین کی کانفرنس کی انہوں نے صدارت کی اور ان کے شوہر مسٹر ہنمنت راؤ نے عمومی کانفرنس کی کارروائی چلائی۔

ماڈاپٹی ہنمنت راؤ نے نارائن گوڑہ میں لڑکیوں کے لیے ایک فوقانیہ اسکول کی بنیاد رکھی اور اسے ترقی کی منزلوں تک پہنچایا۔ یہ اسکول اپنے قیام کے بعد سے مسلسل ترقی کر رہا ہے۔ اور اپنے بانی کی یاد ہمیشہ تازہ کرتا ہے۔ مسٹر ہنمنت راؤ نے اپنے ہائی اسکول کے قریب لڑکیوں کے لیے ایک مکمل طور پر آراستہ کالج کے قیام میں راجہ بہادر وینکٹ رامار یڈی کی بھرپور مدد کی۔

عثمانیہ یونیورسٹی سینٹ کے تاحیات ممبر رہے اور کئی برسوں تک سنڈیکیٹ کے رکن رہے۔ تلگو تعلیم کے لیے مساوی موقف کے حصول میں وہ کامیاب رہے اگرچہ کہ وہ اپنے نام کے ساتھ کوئی ڈگری نہیں لگاتے تھے لیکن تعلیم کے میدان میں ان کی گرانقدر خدمات کے پیش نظر عثمانیہ یونیورسٹی کی جانب سے انہیں ادب میں ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری دی گئی۔ مشہور سائنسداں پروفیسر سوری بھگونتم نے بحیثیت وائس چانسلر اعزازی ڈگری پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ "ہمیں یہ شرف حاصل ہوا ہے کہ ہم حیدرآباد کی اس بزرگ شخصیت کو یہ اعزاز پیش کر رہے ہیں جس نے ہمیشہ سادہ زندگی کے ساتھ بلند خیالات کو اپنایا اور جس نے ہمیشہ ہی اپنا سب کچھ دوسروں کو دیا لیکن اپنے لیے دوسروں سے کچھ نہیں لیا"

ممنون و مشکور آندھرا عوام اور شہریان حیدرآباد نے ماڈاپٹی کی خدمات کو عظیم الشان خراج تحسین پیش کیا اور انکی ساٹھویں یوم پیدائش کے موقع پر ۶ اور ۷ فروری ۱۹۴۶ء کو انکی ششتی پورتی منائی۔ اور انہیں چاندی کے سکوں میں تولا گیا۔ یہ تمام سکے اور اسکے علاوہ ۸۴۲۰ روپے ۱۵ آنے انہیں کیسہ زر کے طور پر پیش کئے گئے جسے انہوں نے ایک تلگو بک ٹرسٹ آندھرا چندریکا گراندھ مالا کو بطور عطیہ دیدیئے۔ مسٹر کونڈہ وینکٹ رنگا ریڈی اس ٹرسٹ کے صدرنشین تھے۔

تعلیمی سرگرمیوں کے علاوہ جس کام سے انہیں زندگی بھر دلچسپی تھی وہ تھا کتب خانوں کو کھلے اور غیر رسمی تعلیمی مراکز کے طور پر ترقی دینا تاکہ نوجوانوں کو ایک عوامی لائبریری کی عمارت تعمیر کرنے کے لیے تیار کیا جائے جو شہر میں اب راجہ کرشن دیورائے کی عظیم یاد کو تازہ کر رہی ہے نظام سرکار کے پائے تخت شہر حیدرآباد میں تلگو ادب کے ایک عظیم سرپرست کے نام سے موسوم کتب خانہ قایم کرنے کا خیال ۸۰ برسوں سے بھی قبل اس کتب خانے کے بانیوں کے ذہن میں آیا تھا۔ یہ ان لوگوں کی فراست اور دوربینی کی عکاسی کرتا ہے کہ یہ تاریخی شہر آخر میں متحدہ آندھرا پردیش کا دارالخلافہ بنے گا چنانچہ یہ کتب خانہ راجہ نریندرا کی یاد میں یہاں قائم کیا گیا۔ اس راجہ نے آندھرا پر راجمندری سے حکومت کی تھی اور اور مہابھارت کا تلگو زبان میں ترجمہ کروایا تھا۔

ماڈاپٹی ہنمنت راؤ کے کارناموں کا اہم پہلو جسے عام طور پر لوگ نہیں جانتے وہ بحیثیت ادیب تلگو زبان کے فروغ میں ان کا حصہ ہے۔ ان کا شمار تلگو زبان کے پہلے کہانی نویسوں میں ہوتا ہے۔ انہوں نے

مُعیز پاشا کی زندگی میں اُمید کی نئی کرن

ابراہیم پٹنم ضلع رنگاریڈی کا رہنے والا بے روزگار نوجوان معیز پاشا روزگار حاصل کرنے کی مساعی لاحاصل کے بعد حکومت کی جانب سے شروع کردہ گرامودیا اسکیم کی بدولت ایک آجر کی حیثیت سے کامیاب زندگی گزار رہا ہے ۔ گرامودیا اسکیم کے تحت منتخب کرلیے جانے کے بعد مسٹر پاشا کو حیدرآباد میں بیکری کی اشیاء تیار کرنے ماہانہ الاؤنس کے ساتھ مختصر مفت ٹریننگ دی گئی ۔ بعد میں گرامودیا اسکیم کے تحت ۲۵ فیصد امداد کی بنیاد پر ۲۵ ہزار روپے کا قرض منظور کیا گیا تاکہ وہ اپنا پسندیدہ کاروبار شروع کرسکے ۔

اپنے گاؤں ابراہیم پٹنم میں بیکری چلانے کے شوق اور خود اعتمادی کی بدولت معیز پاشا ماہانہ ایک ہزار روپے کمانے کے قابل ہوگیا۔ اسکے علاوہ اس نے اپنے کاروبار میں ۶ غریب بچوں کو بھی لگا دیا ہے ۔ یہ بچے قرب و جوار کے مواضعات میں بیکری میں تیار کردہ اشیاء کمیشن کی بنیاد پر فروخت کرتے ہیں۔

اپنے مشترکہ خاندان میں پاشا کمانے والا دوسرا ممبر بن گیا۔ اب اس کے خاندان کی آمدنی میں قابل لحاظ اضافہ ہوا ہے اور اُسے اپنے کاروبار پر فخر ہے۔ ۲۵ ہزار روپے کے قرضے کی اقساط وہ پابندی کے ساتھ اسٹیٹ بینک آف حیدرآباد کو ادا کر رہا ہے ۔ پاشا کا خیال ہے کہ دیہی نوجوانوں کو چاہیئے کہ روزگار کی تلاش میں اپنا وقت ضائع کئے بغیر بینکوں کی مدد سے اپنا آزادانہ ذاتی کاروبار شروع کردیں۔ ڈی آر ڈی اے اور بینک کے عہدہ داروں ' عوامی نمائندوں جیسے کمیٹی کے صدر مسٹر کے یادگیری ریڈی۔ مسٹر پی ۔ ویرپا سرپنچ ابراہیم پٹنم کی وقتاً فوقتاً گرامودیا کی جانب سے منظور کردہ کاروبار کی جانچ اور نگرانی سے پاشا یہ محسوس کرتا ہے ایسی چوکسی اور نگرانی سے اس کی ہمت افزائی ہوئی ہے اور یہی اسکی کامیابی کا سبب ہے۔

تلنگانہ میں آندھرا تحریک کے عنوان سے دو جلدیں لکھیں ہیں جسے آندھرا چندریکا گراندھامالا کی جانب سے شائع کیا گیا ۔ اس تحریک کو خود انہوں نے فروغ دیا۔ ابراہام لنکن کی زندگی ۔ گری بالدی کا قصہ ۔ سلطنت روما کی تاریخ ۔ آنندمٹھ ۔ بنکم چندرا چٹرجی کی وجدان انگیز ناول کا تلگو میں ترجمہ وغیرہ مسٹر ماڈاپٹی ہنمنت راؤ کے ادبی کارنامے ہیں ۔ کلاسکی اور بول چال کی زبان میں وہ شاعری بھی کیا کرتے تھے۔ ایک آنے قیمت سے عوام الناس میں معلومات کو عام کرنے کے لیے وہ ورقیے تقسیم کرتے تھے۔

تلگو اردو ۔ فارسی اور انگریزی میں انکی نگارشات اور مختلف کانفرنسوں میں بحیثیت میئر اور صدر نشین قانون ساز کونسل انکی تقاریر کو جمع کرنا اور انہیں شائع کرنا ہی حقیقی معنوں میں ماڈاپٹی ہنمنت راؤ کی منکسر المزاج و ہر دلعزیز شخصیت کو خراج عقیدت پیش کرنے کے برابر ہے۔ ماڈاپٹی ہنمنت راؤ تلگو نشاۃ ثانیہ کے جدّ اعلیٰ تھے۔ انہوں نے وشال آندھرا تحریک میں اپنی زندگی کے مشن اور امید کی تکمیل ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔

بعدازاں حکومت ہند نے انہیں پدما بھوشن کا خطاب دیا۔ بلاشبہ وہ ایک خوشبودار کنول کی طرح تھے جو غربت اور تنگی کے کیچڑ سے ابھرا تھا۔ انہوں نے بے لوث و بے غرض زندگی گزاری۔ تلگو تہذیب و ثقافت کا نگینہ تھے جو اس قطعہ ارضی کا جزء لاینفک ہے جسے ہم ہندوستان کہتے ہیں۔ •

محمد منظور احمد
22-1-732/1
دارالشفا - حیدرآباد



ڈاکٹر زور
چند یادیں

ایک رات انگریزی نظموں کے کسی مجموعہ کا مطالعہ کر رہا تھا۔ لانگ فیلو (LONG FELLOW) کی مشہور نظم (PSALM OF LIFE) کے ان اشعار پر نظر پڑی :-

TRUST NO FUTURE HOWEVER PLEASANT
LET THE DEAD PAST BURY ITS DEAD ,
ACT, ACT IN THE LIVING PRESENT ,
HEART WITHIN AND GOD "OR HEAD"
(OVER HEAD)

ان اشعار میں (KARMA YOGA) پر زور دیا گیا ہے۔ اور جو لمحہ اس وقت قبضہ و اختیار میں ہے اُسے بہتر طور پر استعمال کرنے کی اہمیت بیان کی گئی ہے معاً اقبال کا یہ شعر میرے ذہن کی سطح پر اُبھرا۔

وہ قوم نہیں لائقِ ہنگامۂ فردا
جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے

ڈاکٹر زور کا عمل بھی ہمیشہ اس شعر کی تفسیر و تشریح تھا۔ انہوں نے اپنی زندگی کے ایک ایک لمحہ کا جو اُن کے اختیار میں تھا، بہتر طور پر استعمال کیا۔ وقت کی قدر و قیمت اور اس کی اہمیت و افادیت کا احساس، انہیں نوجوانی کے دور ہی سے تھا اور اسی لئے طالب علمانہ زندگی ہی سے ان میں رکھ رکھاؤ سنجیدگی اور باقاعدگی تھی۔ انہوں نے ۲۱ سال کی عمر میں "روحِ تنقید" جیسی کتاب ادبی دنیا کو دی۔ سنہ ۱۹۲۷ء میں تنقیدی مقالات اور محمود غزنوی کی بزمِ اد[ب] اور سنہ ۱۹۲۹ء میں اردو شہ پارے جیسی دلچسپ، معلومات آفریں اور فکر انگیز کت[ب] شائع کیں۔ سنہ ۱۹۳۰ء میں ان کی تحقیقی کتاب ہندوستانی صوتیات (انگریزی) طبع سے آراستہ ہوئی اور سنہ ۱۹۳۱ء میں، ان کی پُرخلوص کوششوں سے حیدرآباد ادارہ ادبیات اردو کا قیام عمل میں آیا۔ ۱۹۳۲ء میں ہندوستانی لسانیات [اور] ۱۹۳۳ء میں عہدِ عثمانی میں اردو کی ترقی اور سنہ ۱۹۳۵ء میں فنِ انشاء پردازی اور سنہ ۳۷ میں مرقعِ سخن جلد اول، مرقعِ سخن جلد دوم، متاعِ سخن، کیفِ سخن، بادۂ سخن سیرِ گولکنڈہ شائع ہوئیں۔ ڈاکٹر زور نے سنہ ۱۹۳۸ء میں ماہنامہ "سب رس" [جاری] کیا۔ سنہ ۱۹۴۰ء میں کلیاتِ محمد قلی قطب شاہ کو مرتب اور شائع کیا۔ کلیات [ا]س کے لیے انہوں نے ایک عالمانہ اور محققانہ مقدمہ سپردِ قلم کیا۔ سنہ ۱۹۴۲ء میں تا[ریخ] ادبِ اردو کی اشاعت عمل میں آئی۔ اردو زبان و ادب کی ترویج و اشاعت اور اس کی مقبولیت میں اضافہ کے لیے سنہ ۱۹۴۳ء میں انہوں نے کل ہند اردو کانگریس کے انعقاد کا اہتمام کیا۔ تذکرہ مخطوطات کی اول جلدیں سنہ ۱۹۵۱ء میں اور دکنی ا[دب] کی تاریخ سنہ ۱۹۶۰ء میں شائع کر کے، ڈاکٹر زور نے اردو ادب کے قیمتی ذخ[یرے]

میں گراں بہا اضافہ کیا۔

۱۹۵۸ء میں پہلی مرتبہ یوم محمد قلی قطب شاہ کی تقاریب کا انتظام نہایت سلیقے سے کیا۔ ان تقاریب کے اہتمام سے اُن کی غیر معمولی تنظیمی صلاحیتیں منظر عام پر آئیں۔

اس عرصے میں ان کی کئی گراں قدر تصانیف شائع ہوئیں۔ انہوں نے اردو زبان و ادب کے ایک پرخلوص خدمت گذار، انشاء پرداز، افسانہ نگار، نقاد، محقق، شاعر اور ادیب کی حیثیت سے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوالیا۔

ڈاکٹر زورؔ نے بارہا کہا تھا کہ جو کچھ کرنا ہو آج ہی کر ڈالو۔ کسی کام کو کل پر کبھی نہ ٹالو۔ کیونکہ صرف آج پر ہمارا اختیار ہے۔ کل پر کسی کو اختیار نہیں ان کی گفتگو سن کر مجھے بے اختیار، انگریزی کی ضرب المثل یاد آئی

(PROCRASTINATION IS THE THIEF OF TIME.)

اور ہندی کا یہ دوہا بھی یاد آیا کہ کال کرے سو آج کر، آج کرے سو اب۔ پل میں پرلے ہوئیگی پھیر کرے گا کب۔

مولانا حالیؔ نے بھی آج کی اہمیت پر اپنے اس شعر میں زور دیا ہے ؎

کل یہاں کاروبار ہیں سب بند
کرلو جو کچھ کہ ہے کمائی آج

ایک سہانی شام مجھے یاد آرہی ہے۔ اسی روز میں "تہنیت منزل" میں ۵ بجے شام زورؔ صاحب کی نشست گاہ میں اُن کے تخت کے روبرو ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔ کسی قدر فاصلے پر ایک گھڑی رکھی ہوئی تھی۔ زورؔ صاحب مجھ سے باتیں بھی کر رہے تھے اور اپنے کام میں بھی مصروف و منہمک تھے۔ دولت خانہ پر روزانہ اُن کے کام کرنے کا انداز یہی تھا۔ اُن کی نظر اپنے سامنے رکھے ہوئے کاغذات پر جمی ہوئی تھی۔ اُسی روز آیا ہوا ایک ٹیلی گرام بتلاتے ہوئے مجھ سے فرمایا کہ دیکھا آپ نے! نواب مہدی نواز جنگ نے میرا اور ادارہ ادبیات اردو کا کس قدر خیال رکھا ہے۔ وہ یہاں سے دہلی جارہے تھے تو میں نے انہیں ایک کام کے سلسلے میں زحمت دی تھی۔ چنانچہ ٹیلی گرام کے ذریعہ انہوں نے اپنی مہربانی سے دہلی سے مجھے اس کام کی تکمیل کی اطلاع دی ہے۔ ڈاکٹر زورؔ کا یہ جملہ ابھی ختم بھی نہ ہوا تھا کہ ادارہ کے دفتر کے ایک قدیم کارکن، کمرے میں داخل ہوئے اور نہایت ادب کے ساتھ زورؔ صاحب کے روبرو خاموش کھڑے ہوگئے۔ ڈاکٹر زورؔ نے اُن کی طرف دیکھے بغیر اپنا ہاتھ آگے کی طرف بڑھایا اور سامنے رکھی ہوئی گھڑی کا رُخ پلٹ دیا اور پھر اُن سے مخاطب ہوکر فرمانے لگے کہ میرے ہاں گھڑی میں پانچ اسی وقت بجینگے جب دفتر کا آج کا کام پایۂ تکمیل کو پہونچ جائے۔ اس لئے اس وقت تک آپ اس گھڑی یا خود اپنے ہاتھ پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف نظر مت ڈالئے۔ زورؔ صاحب انتہائی سنجیدگی کے ساتھ قطعی لہجہ میں فرمارہے تھے۔ اِدھر ادارۂ ادبیات اردو کے دفتر کے کارکن صاحب، نہایت خاموشی کے ساتھ یہ کلمات سنتے رہے۔ اور پھر نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ اس روز تکمیل پائے ہوئے کام کی تفصیل پیش کرنے لگے۔

انٹرمیڈیٹ کا امتحان، آرٹس کالج، عثمانیہ یونیورسٹی کے گراؤنڈ فلور پر ہورہا تھا۔ یہ ۱۹۴۳ء یعنی آج سے کوئی (۴۱) سال پہلے کی بات ہے۔ اس زمانے میں امتحان کے امیدواروں کی نشستوں کے درمیان کافی فاصلہ ہوا کرتا تھا۔ ہر امیدوار، اپنی نشست سے بلا کسی معقول سبب کے اور ہال میں موجود نگران کار صاحب کی اجازت کے بغیر اٹھ نہیں سکتا تھا۔ ہال میں ایک نگران کار (INVIGILATOR) نگرانی کا کام بحسن و خوبی انجام سے لیا کرتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ امتحان دینے والے طلبا ڈرے، سہمے، سانس روکے، صرف سوالات کے پرچہ اور اپنی جوابی بیاض پر نظریں جمائے رہتے تھے۔ نہ انہیں شدت کی پیاس باربار محسوس ہوتی تھی اور نہ پیشاب کے بہانے وہ تین گھنٹے کے دوران کئی بار امتحان ہال سے باہر جانے کے بارے میں سوچ سکتے تھے۔ پرچہ سوالات کی تقسیم کے بعد امتحان گاہ میں مکمل سناٹا چھا جاتا اور مقررہ وقت کے ختم ہونے تک صرف جوابی بیاضوں کے صفحات کے الٹنے کی آوازیں خاموش فضا میں بلند ہوا کرتی تھیں۔

اس امتحان کا دوسرا یا تیسرا دن تھا اور ہم سب امیدوار اپنی اپنی

جوابی بیاضوں پر جوابات لکھنے میں مصروف تھا۔ اچانک ایک امیدوار نے ڈاکٹر زور کو ہال میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا اور نہایت دبی آواز میں بے ساختہ کہا "ڈاکٹر زور" ! مجھے اس سے پہلے ڈاکٹر زور کو دیکھنے کا کبھی موقع نہیں ملا تھا۔ البتہ اُن کی بعض کتابیں پڑھ چکا تھا اور اپنے بعض بزرگ رشتہ داروں کو سنا چکا تھا۔ اسلئے اشتیاق کے ساتھ میری نگاہیں بھی اٹھیں۔ ڈاکٹر زور تیز قدموں کے ساتھ' میری دائیں طرف بیٹھے ہوئے ایک طالب علم کے قریب آئے اور اس کی جوابی بیاض کے صفحے الٹنے لگے۔ طالب علم' ادب واحترام کے ساتھ خاموش کھڑا رہا۔ زور صاحب نے اُسے بیٹھنے کے لیے کہا لیکن اُسے اُن کے اِس ارشاد کی تعمیل میں تکلف ہو رہا تھا۔ دو تین منٹ کے بعد زور صاحب ہال سے باہر تشریف لے گئے۔ وہ برہنہ سر اور دیدہ زیب خوبصورت شیروانی زیب تن کئے ہوئے تھے۔ ان کی بارعب اور جامہ زیب شخصیت سے ہال میں موجود تمام طلبا متاثر ہوئے اور اس روز امتحان ہال سے باہر نکلنے کے بعد تھوڑی دیر تک' زور صاحب کے ہال میں تشریف لانے' جوابی بیاضوں کے اوراق' الٹ کر دیکھنے اور پھر ہال سے باہر جانے کا' ایک دوسرے سے تذکرہ کرتے رہے۔

آرٹس کالج عثمانیہ یونیورسٹی میں بی۔ اے اور اس کے بعد ایم اے (اردو) کی تعلیم کے دوران یعنی چار سال تک' مجھے ڈاکٹر زور کی شاگردی کا شرف حاصل رہا۔ بی اے میں وہ' ہم طالب علموں کو تاریخ ادب اردو پڑھاتے تھے اور ایم۔اے میں ہندوستانی لسانیات اور کلیات محمد قلی قطب شاہ۔ اُن کے پڑھانے کا انداز بڑا دل نشیں ہوتا تھا۔ ذہن میں ایک ایک بات اُترتی چلی جاتی تھی۔ وہ اپنے لکچر انتہائی انہماک اور پوری توجہ سے دیا کرتے تھے۔ یہ لکچر کچھ اس قدر تفصیل اور وضاحت کے ساتھ ہوا کرتے تھے کہ بہت کم کبھی کوئی بات تشنہ رہ جاتی۔ زور صاحب اپنی کلاس میں' وقت کی پابندی کے ساتھ تشریف لایا کرتے تھے۔ ہم طالب علموں کو کبھی ان کا انتظار نہیں کرنا پڑا۔

ڈاکٹر زور' نواب رفعت یار جنگ کے داماد تھے۔ خوشحالی اُنکے قدم چوم رہی تھی لیکن اس کے باوجود چونکہ اُن کے پیش نظر' ہمیشہ ایک اعلیٰ مقصد زندگی رہا' اِس لیے وہ غضب کی محنت کرتے اور وسیع اور گہرے مطالعہ کے ذریعہ صلاحیت کے نکھارنے اور قابلیت میں اضافہ کرنے کی مسلسل کوشش کرتے رہے۔ وہ زندگی کو ایک نعمت غیر مترقبہ اور قدرت کا گراں بہا عطیہ سمجھے اور اسی لحاظ سے اس کی بے حد قدر کرتے تھے۔ انہوں نے کبھی ایک لمحہ بھی بیکار ضائع نہیں جانے دیا۔ ایک باشعور اور صاحب بصیرت شخص کی طرح' انہوں نے وقت کا بہترین استعمال کیا۔ وہ بہت کم سوتے تھے۔ رات دیر گئے تک تک مطالعہ اور لکھنے کے کام میں مصروف رہتے اور علی الصبح بیدار ہو جاتے تھے ان کے سامنے مسائل اور مشکلات کی دیواریں' ہمیشہ کھڑی رہیں۔ لیکن سخت کوشی سے ان میں خود اعتمادی پیدا ہوئی اور ثابت قدمی' استقلال' حوصلہ اور ہمت کے ساتھ انہوں نے ان دیواروں کو ڈھا دیا اور اپنی منزل کی طرف جوش' ولولہ اور استقلال کے ساتھ رواں دواں بڑھتے رہے۔ انہوں نے زبان وادب کی پرخلوص خدمت کے دوران کسی فرد یا انجمن کی مخالفت کی کبھی ذرہ برابر بھی پروا نہیں کی بلکہ ایسی رکاوٹ کو کبھی خاطر میں ہی نہیں لایا اور اُسے اہمیت ہی نہیں دی اور اپنے خوابوں اور منصوبوں کی صورت گری میں منہمک رہے۔ وہ نہ صرف خود کام کرتے بلکہ لکھنے کی صلاحیت رکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتے اور انہیں لکھنے پر مجبور کرتے تھے۔ انہوں نے اردو اور ادارہ ادبیات اردو کی بقا اور ترقی کے لیے اپنی زندگی کی آخری سانس تک کوشش کی۔ جیسے جیسے وقت گزرتا رہا' اردو اور ادارہ ادبیات اردو سے ان کی والہانہ وابستگی میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ وہ LUCK AND PLUCK کے قائل تھے۔ یعنی تقدیر کے ساتھ' وہ بقول اصغر گونڈوی

ع " جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں' مینا اسی کا ہے"

کے بھی قائل تھے۔ اردو کے ایک اور شاعر نے کہا تھا

س جو ہچکچا کے رہ گیا' وہ پیچھے رہ گیا
جس نے لگائی جست' وہ خندق کے پار تھا

پروفیسر عبدالقادر سروری نے ڈاکٹر زور کے انتقال

ل انڈیا ریڈیو حیدرآباد سے اپنے تعزیتی نشریئے میں ڈاکٹر زورؔ کی اس خصوصیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ہم دونوں (ڈاکٹر زور اور پروفیسر سروری) نے زبان وادب کی خدمت کا کام ایک ساتھ اور ایک ہی زمانے میں شروع کیا تھا لیکن اس دوڑ میں وہ مجھ سے بہت آگے نکل گئے۔

گفتگو میں الجھن پیدا کرنے والوں اور بغیر سوچے سمجھے بحث مباحثہ یا حجت کرنے والوں سے وہ کبھی کبھی خفا ہو جاتے تھے۔ ورنہ سچ پوچھئے تو وہ مفاہمت، مصالحت، تعاون، موقع شناسی، معاملہ فہمی اور اعتدال پسندی کے دل سے قائل تھے۔ اُن کا مسلک صلح کل تھا۔ وہ نزاع پسند کبھی نہیں رہے۔ تصادم اور ٹکراؤ سے بچنے کی انہوں نے ہمیشہ صدق دلی کے ساتھ کوشش کی۔ اسی لئے ان کے دوستوں، قدردانوں اور چاہنے والوں کا حلقہ نہایت وسیع تھا۔ اور اس حلقہ میں ہر مذہب وملت اور ہر مسلک کے لوگ شامل تھے۔ انہیں ہمیشہ اپنے کام سے کام رہا۔ وہ مسکراتے ہوئے کہا کرتے تھے،

عاشقاں آپ بھلے اپنا دلآرام بھلا

۲۲ مارچ سنہ ۱۹۶۰ء کو بخشی غلام محمد وزیر اعظم جموں وکشمیر نے ایوان اردو کا افتتاح فرمایا تھا۔ جناب بھیم سین سچر گورنر آندھرا پردیش نے افتتاحی جلسے کی صدارت فرمائی۔ حُسنِ اتفاق سے میں بھی اس خوشگوار اور یادگار تقریب میں موجود تھا۔ زورؔ صاحب نے اپنا خطبہ پڑھا جس میں کسی تعلّی کے بغیر مختصراً ادارہ ادبیات اردو کی سرگزشت نہایت سلجھے ہوئے اور سنجیدہ انداز میں بیان فرمائی۔ اس تقریب کے اختتام پر لوگ ان سے مل رہے تھے اور انہیں مبارکباد دے رہے تھے۔ میں جلسہ گاہ میں ایک جگہ کھڑا ہوا تھا۔ زورؔ صاحب ملاقاتیں اور معانقہ کرتے ہوئے میری طرف بھی تشریف لائے اور آہستہ سے پوچھا "آپ نے میری تقریر سُنی؟ کیسی تھی؟ اور پھر ایک منٹ کے وقفہ سے کہنے لگے "میں نے صرف ادارہ ادبیات اردو کی سرگرمیوں کا تذکرہ کیا ہے، کسی شخص یا انجمن یا ادارہ کی شکایت یا کسی پر اعتراض یا نکتہ چینی نہیں کی۔ اور ان خطوط پر میں نے کبھی سوچا ہی نہیں۔ مجھے ہمیشہ اپنے کام سے کام رہا۔ نہ ستائش کی تمنا، نہ صلہ کی پروا۔ اور زورؔ صاحب کے اس کہنے میں صد فی صد صداقت تھی۔ جس شخص نے بھی زورؔ صاحب کو قریب سے دیکھا ہے، وہ بلا تامل اس کی تصدیق کرے گا۔

اُن کے والد حضرت سید شاہ غلام محمد قادری زعمؔ ایک صوفی منش بزرگ تھے۔ اسی لیے زورؔ صاحب بھی صوفیوں کی طرح بے نیاز، ایک متوازن ذہن ودماغ رکھتے تھے۔ اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اُن کے پیش نظر ایک اعلیٰ مقصد تھا۔ اس مشن اور مقصد کے آگے وہ اس قسم کی چھوٹی چھوٹی بلکہ حقیر باتوں کی طرف، اُن کا متوجہ ہونا ناممکن تھا۔

زورؔ صاحب کا ضمیر پاک تھا۔ مخاطب سے وہ ہمیشہ مہذب وشائستہ پیرایہ میں گفتگو کرتے اور اگر کسی بزرگ شخص سے مل رہے ہوں تو اس کا دل سے احترام کرتے تھے۔ افراد اور اداروں کے کام کی دل کھول کر تعریف کرتے تھے تاکہ ان کی حوصلہ افزائی ہو اور وہ شوق ودلچسپی کے ساتھ اردو زبان وادب کی رفتارِ ترقی میں اضافہ کے لیے جوش وخروش سے حصہ لے سکیں۔ نوجوان شاعروں اور ادیبوں کی ہمت افزائی کا انہوں نے ہمیشہ خیال رکھا۔ کبھی عصری ادب پر مضمون لکھتے تو انہیں اس بات کا خیال ضرور رہتا کہ کسی اہم شاعر، ادیب یا اردو کے خدمت گزار کا نام سہواً بھی چھوٹنے نہ پائے۔ کوئی ان پر تنقید کرتا، کسی مضمون میں اُن پر اعتراضات ہوتے تو وہ کبھی دل شکستہ نہ ہوتے تھے۔ زورؔ صاحب قلندرانہ مزاج کے حامل تھے۔ وہ قوموں کے عروج وزوال کو ڈھلتی پھرتی چھاؤں سمجھتے تھے۔ اسی لیے پولیس ایکشن کے بعد بدلے ہوئے حالات میں بھی وہ کبھی پست ہمت نہیں ہوئے بلکہ ان کی ادبی اور علمی سرگرمیوں کی رفتار اور تیز ہو گئی۔ وہ کہا کرتے تھے کہ کام کرنے کا وقت تو یہی ہے۔ اُن کے اس قول کی اہمیت آج بھی یعنی اُن کے انتقال کے بائیس سال بعد بھی اتنی ہی باقی ہے جتنی خود اُن کے دور میں تھی اسی لئے میں اس قول کو دہراتے ہوئے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں کہ کام کرنے کا وقت تو یہی ہے۔ ●●

بی۔ سرینواس

مجھے کیا معلوم ؟

میری یہ تمنا ہے کہ ہر آدمی ایک لمحہ کے لیے غور کرتے ہوئے دیانت دارانہ طور پر اپنے آپ سے یہ سوال کرے " مجھے کیا معلوم " ؟ اور اسکا جواب وہ خود تلاش کرے۔

خاص طور پر سیاست سے وابستہ اشخاص کم از کم اپنی زندگی میں ایک دفعہ ایک دو لمحوں کا وقت نکال کر معقولیت پر مبنی اس سوال کا جواب اپنے اندر تلاش کریں۔ مجھے یقین ہے کہ اکثر لوگ الجھن میں پڑ جائیں گے کہ واقعی کس کو کتنی معلومات ہیں۔

برسر تذکرہ مجھے ایک جرمن کہانی یاد آگئی جس کا عنوان "کنیت ورسٹن" ہے یہ ایک سیدھی سادی کہانی ہے جسے بڑی آسانی سے بیان کیا جاسکتا ہے۔ بہت عرصہ پہلے کی بات ہے کہ ایک جرمن نیدر لینڈ کے علاقہ میں سیر و سیاحت کے لیے نکلا۔ وہ اپنی دلچسپی کے پہلے اور آخری مقام امسٹرڈم پہنچا وہاں سے وہ اس ملک کی معروف ترین بندرگاہ دیکھنے کے لیے گیا بندرگاہ میں جہازوں سے سامان اتارا اور لادا جارہا تھا جس کا وہ بہ غور مشاہدہ کرتا رہا۔ ایک بہت بڑے جہاز سے سامان اتارا جارہا تھا ۔ مشرق بعید سے آیا ہوا یہ قیمتی سامان بندرگاہ میں ایک طرف کو رکھا جارہا تھا۔ اپنے تجسس پر قابو نہ پاسکتے ہوئے جرمن سیاح نے سامان اتارنے میں مصروف کسی مزدور سے دریافت کیا کہ یہ جہاز کس کا ہے۔ مزدور نے جواب دیا "کنیت ورسٹن"

بعد ازاں شہر کے کسی بازار میں گھومتے پھرتے ہوئے اس کی نظر ایک عظیم الشان محل پر پڑی جس کی کھڑکیاں - دروازے بالکونیاں اور مکان کا اوپری حصہ تمام کے تمام سونے سے مرصع تھے یہ دیکھ کر جرمن سیاح کو بے انتہا حیرت ہوئی اور وہ دل میں سوچا کہ اس محل کا مالک یقیناً دنیا کے امیر ترین لوگوں میں سے ہوگا چنانچہ اس نے ایک راہرو سے پوچھا کہ اس محل کا مالک کون ہے اور اس کا نام کیا ہے۔ تو راہرو نے کھٹ سے جواب دیا ـــ "کنیت ورسٹن" اب جرمن سیاح اپنے دل میں کہنے لگا کہ یقیناً "کنیت ورسٹن" ہی ہونا چاہیئے ۔ مشرق بعید کے قیمتی سامان کا بہت بڑا تاجر ہونے کے ناطے وہی اتنا عالیشان محل بنا سکتا ہے۔

جرمن سیاح شہر میں گھومتا پھرتا وہاں شام کے وقت وہ کسی اہم بازار سے گزر رہا تھا کہ اس نے دیکھا کہ سیاہ رنگ کی گاڑی پر رکھا ہوا ایک جنازہ جارہا ہے۔ اور اسے اعلیٰ القسم کے سیاہ گھوڑے کھینچے لے جارہے ہیں ماتم کرنے والے لوگوں کا ایک لامتناہی سلسلہ جنازے کے پیچھے ہے۔ سامنے سیاہ لباس میں ماتمی موسیقی بجانے والوں کی ایک جماعت چل رہی ہے جرمن سیاح نے جب یہ دیکھا تو فوراً اس نے تعظیم کی نیت سے اپنی ٹوپی سر سے اتارلی واقعہ معلوم کرنے کی فطرت سے مجبور ماتم

ںمیں چلنے والے آخری لوگوں میں ایک آدمی کو پکڑ کر دہ پوچھ ہی لیا کہ یہ
ں کا جنازہ ہے۔ اب کی بار بھی جواب وہی "کنیت ورسٹن" تھا
ن سیاح کو بے انتہا افسوس ہوا کہ یہ عظیم کنیت ورسٹن اس فانی دنیا
کوچ کر چکا ہے۔ او پنے دل میں کہتے لگا کہ افسوس یہ ساری دولت
ل نما مکان۔ رشتہ دار دوست احباب، یہ اثر ورسوخ سب بیکار
گئے۔

اس واقعہ نے جرمن سیاح کے دل کی گہرائیوں تک متاثر
یا اور وہ روحانی اور ذہنی طور پر پنے کو منتشر محسوس کرنے لگا۔ اپنی
یر و سیاحت کو مختصر کرتے ہوئے وہ دل شکستہ اپنے ملک واپس
رگیا۔ واقعہ یہ ہے کہ جرمن سیاح پنی مادری زبان کے سوا کوئی دوسری
بان سے واقف نہیں تھا۔ جن لوگوں سے اس نے سوالات کئے وہ
رمن زبان نہیں جانتے تھے۔ اس لئے ہر ایک نے "کنیت ورسٹن"
مجھے کیا معلوم" کا جواب دیا۔

جرمن سیاح نے اپنی ناواقفیت اور دوسری طرف تجربہ
سے حاصل کردہ تھوڑی بہت واقفیت کے بعد اپنی مابقی زندگی کے
یام قناعت پسندی میں گذار دیئے۔

جرمن سیاح کے تجربات سے ہونے والے حکیمانہ اور نفسیاتی
نتائج ہی کی طرح اسی کے ایک اور ہم وطن کو بھی ایسے ہی حالات سے دوچار
رنا پڑا۔ شہر لندن میں ایک جرمن نے کسی راہرو سے وقت معلوم کرتے ہوئے
چھا کہ آیا وہ اپنے مقررہ وقت پر حاضر ہوا ہے یا تاخیر سے پہنچا ہے۔ راہرو
نے جرمن کی طرف سنجیدہ انداز میں غور سے دیکھتے ہوئے کہا کہ اس دنیا کی
بتدا سے لیکر اب تک کوئی بھی اس سوال کا ٹھیک ٹھیک جواب
ہیں دے سکا بھلا میں اپنی محدود معلومات کے دائرے میں کیسے ٹھیک
ور پر اس پیچیدہ سوال کا جواب دے سکتا ہوں۔ انگریزی زبان سے
طحی واقفیت کی بنا پر جرمن نے جو سوال کیا تھا وہ اس طرح تھا۔۔
وقت کیا ہے؟ سوال اس طرح ہونا چاہیئے تھا کہ اب کیا وقت ہے۔

سوال میں الفاظ کی تھوڑی سی تبدیلی نے ایک معمولی انگریز آدمی کو ایک ذہنی
طور پر منتشر جرمن سیاح سے مذاق کرنے اور وقت گزارنے کا موقع فراہم
کردیا۔ مجھے اب اصل موضوع پر آجانا چاہیئے۔

مجھے کیا معلوم؟ یہ سوال آج بھی اتنا ہی معقول ہے جتنا کہ برسوں بلکہ
صدیوں قبل تھا مستقبل میں بھی اسکی معقولیت میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

چند برسوں پہلے کی بات ہے کہ میں حیدرآباد میں ایک تلگو روزنامہ
کے ادارتی عملے میں کام کیا کرتا تھا۔ شہر حیدرآباد کی تاریخ میں یہ دور سکون
روحانیت ملی جلی تہذیب کا قابل افتخار دور تھا ریاست حیدرآباد پر اس
وقت ایچ۔ ای۔ ایچ۔ دی نظام کی شفقت بھری حکمرانی تھی۔ میرے ساتھی
اور دوست مسٹر یعقوب تلگو روزنامے کے ہمراہ شائع ہونے والے اردو
اخبار کے ادارتی عملے میں کام کرتے تھے۔ وہ حضور نظام کی حکومت میں ایک
گزیٹیڈ عہدے پر فائز تھے۔ شفیق اس لیے کہ اس دور میں خاطی
سرکاری ملازم کو نیچے بٹھا کر عہدہ داران بالا کی جانب سے اسکی توجہ کوتاہیوں
کی طرف مبذول کروائی جاتی تھی۔ اس کے سوا ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں
کی جاتی بلکہ ایسی کارروائی کے تعلق سے سوچا بھی نہیں جاتا تھا۔

میرے دوست یعقوب ایک پوسٹ گریجویٹ تھے۔ دن میں
سرکاری ملازمت کرتے اور رات میں اخبار کا کام انجام دیتے تھے۔ رات کی ڈیوٹی
ان کے لیے بہت آسان تھی لیکن دن کی ملازمت میں کچھ دشواری پیش آتی اور وہ
اپنی دونوں ملازمتوں سے ملنے والی تنخواہوں میں سے ایک بھی پیسہ چھوڑنا
نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ یعقوب صاحب جب اخبار کے دفتر میں
دن کی ڈیوٹی کرتے اسی وقت سرکاری ڈیوٹی پر بھی اوقات کار میں
مستعدی سے حاضری دینے والے سمجھے جاتے تھے یعنی کہ وہ اپنی شیروانی
اتار کر اپنے سرکاری دفتر میں کرسی پر لٹکا دیتے اور اپنے چپراسی سے
حاضری رجسٹر منگوا کر دستخط کرتے۔ صبح کی چائے نوش فرماتے اور
ایک سگریٹ جلا لیتے۔ اس کے بعد اپنے صیغہ کے منتظم کو بلا کر اشد ضروری
اور اہم امثلا جات منگوا کر دستخط کر دیتے اور اپنی میز پر کوئی سرکاری

غزل

زبیدہ تحسین
"جہانِ آرزو" H.NO.17-9-600/7
چھاؤنی نادر علی بیگ، حیدرآباد 500023

چاک گلشن میں ابھی تک بھی ہے میرا داماں
تیری آنکھوں سے ابھی تک ہیں وہی اشک رواں

ہر خوشی آج بھی لگتی ہے گراں اور گراں
درد کی آج بھی ہر موڑ پہ ملتی ہے دکاں

زندگی سایۂ ادبار سے بوجھل بوجھل
دور تک زندگی تپتی ہوئی آہوں کا دھواں

دور تک دشت تمنا میں ہے پر ہول سکوت
کوئی آواز نہ دستک نہ ہی قدموں کے نشاں

شب کی پلکوں پہ لرزتے ہوئے خوابوں کے محل
یہ دل و جاں سے اٹھتا ہوا بے رنگ دھواں

دل تو ہر حال میں ویرانہ سا ویرانہ ہے
اب وہ باقی نہیں تکرار بہار اور خزاں

تحسین ملتا ہے سکوں گوشۂ تنہائی میں
دعوت مے و طرب دیتے ہیں ارباب زماں

کاغذ پڑا رہنے نہیں دیتے۔ اس تمام کاروائی کے بعد اپنی سگریٹ اور دیاسلائی کی پیاکٹ کو میز پر اور شیروانی کو کرسی پر لٹکتا چھوڑ کر دفتر سے چل دیتے۔

چند ہی منٹوں میں وہ اخبار کے دفتر پہنچ جاتے اور شام میں سرکاری دفتر کے بند ہونے سے چند منٹ پہلے وہ اپنے دفتر کی کرسی پر موجود رہتے اہم اہم مثلوں پر دستخط کرنے کے بعد شیروانی پہن اور سگریٹ و دیاسلائی کی پیاکٹ جیب میں رکھ کر دفتر سے نکل جاتے تھے۔

ان اوقات کے دوران جبکہ وہ اپنے دفتر سے غائب ہو جاتے اگر کوئی یعقوب صاحب سے ملاقات کے لیے آجاتا تو یعقوب صاحب کا چپراسی کہتا کہ صاحب باہر گئے ہوئے ہیں۔ اگر اس سے دریافت کیا جاتا کہ کہاں گئے ہیں تو چپراسی کہتا "مجھے کیا معلوم" صاحب کب واپس آئیں گے تو کہتا کہ جناب وہ ٹھہرے عہدہ دار اور میں ایک معمولی چپراسی بھلا وہ مجھے کیوں بتا کر جائیں گے "مجھے کیا معلوم کہاں گئے ہیں بھائی مجھے کیا معلوم" صاحب چپراسی جواب دیتا۔

کیا وہ واپس بھی آئیں گے یا نہیں۔ ضرور آئیں گے یقیناً آئیں گے۔ چپراسی یقین دلاتا۔ کیا میں انتظار کر لوں تو چپراسی جواب میں کہتا۔ انتظار کرنے سے کیا ہوگا صاب۔ صاحب کب واپس آئیں "مجھے کیا معلوم؟" ——— اگر ملاقاتی زچ آکر شکایت کرے کہ کیا عہدہ داروں کے کام کرنے کا یہی طریقہ ہے تو چپراسی کہہ دیتا کہ "مجھے کیا معلوم صاب؟"

م۔م۔ راجندر
68 چترادھار، دھلی 92

ادبی یکجہتی

ہر ملک کا ادب اسکی قوم اور افراد کی روزمرہ کی زندگی اور انکی امنگوں، ولولوں اور عزائم کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ عام حالات میں اگر ملک اپنے نظم و نسق میں خودمختار ہے اور عوام کی ایک نمائندہ حکومت قائم ہے تو فکر و فن کے ذرائع اور قوتوں کو آزادی حاصل ہوتی ہے اور ایک صالح اور تعمیری ادب قوم کے اجتماعی جوش و خروش، مقاصد اور منازل کی نشاندہی کرتا ہے۔ جس وقت ہم ادبی یکجہتی کا ذکر کرتے ہیں تو ادب میں یہی کیفیت مقصود ہوتی ہے۔ تاہم، ایک غیر ملکی نظام میں تحریر و بیان پر کچھ پابندیاں عائد ہوتی ہیں اور وہ ساز گار حالات نہیں ہوتے جن میں ادب پنپ سکے اور افراد کی امنگوں کا ساتھ دے اور انکی حقیقی زندگی اور مسائل کو پیش کرے۔ ملک میں غیر جمہوری یا مطلق العنان نظام قائم ہو تو بھی صورتحال کم و بیش یہی ہوتی ہے۔

آزادی سے پہلے بھی ہمارے ملک میں متعدد صوبے، ریاستیں اور تہذیبیں تھیں اور ہر خطے کی زبان مختلف تھی۔ تاہم تاریخی اعتبار سے ایک ہندوستانی یا قومی ادب کی تشکیل و تعمیر ہو رہی تھی۔ تکنیکی نقطۂ نگاہ سے جہاں تک خالص ادبی اقدار کا تعلق ہے، آزادی سے قبل کا ادب بھی بلند پایہ بلکہ عظیم تھا۔ دراصل بیشتر عمدہ اور کلاسیکی یعنی بنیادی نوعیت کے ادب کی تعمیر آزادی سے قبل ہی ہوئی۔ بعد ازاں سنہ ۱۹۳۰ء کے اردگرد ادب کے ذریعے زندگی کے نئے تقاضوں کو پیش کیا جانے لگا۔ یہ وہ دور تھا جب نئی اقتصادی دشواریاں سر ابھار رہی تھیں۔ جنگِ عظیم کے دوران کئے گئے وعدے انگریزی حکومت نے پورے نہیں کئے تھے اور ملک میں ایک نئی بے چینی پھیل رہی تھی اور آزادی کی تحریک زیادہ سے زیادہ زور پکڑ رہی تھی۔ قوموں کی زندگی میں اور خاص طور پر ادبی محاذ پر بیس پچیس سال کا عرصہ نہیں ہوتا اور اس تعلق سے آزادی سے قبل کی دو تین دہائیاں اسی جدید دور کا حصہ ہیں جس میں آزادی کے بعد کے یہ پینتیس چھتیس یا کچھ زیادہ برس بھی شامل ہیں اور جس میں ایک ایسی ادبی یکجہتی نمودار ہوئی جو تمام قوم کی خواہشات اور ارادوں کی مظہر ہے۔

کرۂ زمین پر خطے خطے میں آب و ہوا، ملبوسات، رہن سہن اور زبان کا اختلاف ہے اور ملکوں کے حدود کے تعین نے اس اختلاف کو لازمی طور پر زیادہ مضبوط نہیں بنایا۔ ان ملکوں میں بھی جہاں بظاہر ایک زبان، ایک مذہب اور ایک نسل ہے یہ اختلاف کسی نہ کسی شکل میں اور تھوڑی بہت مقدار میں قائم رہا ہے۔ لیکن جس ایک خاص سطح پر یہ اختلافات غائب ہو جاتے ہیں یا ایک دوسرے میں پیوست ہو جاتے ہیں، اسکا نام قومیت ہے اور ادب بھی اسی قومیت کا ایک حصہ بلکہ ایک پہلو سے اسکی روح ہے۔ اسکا مذہب، زبان، رسم و رواج اور عقائد کے اختلاف سے کوئی واسطہ نہیں ہے بلکہ اس میں ان سب کی موجودگی کو سمونے کی بے انتہا لچک ہوتی ہے۔

حصولِ آزادی کے ساتھ ہی ہمیں تحریر و بیان کی مکمل آزادی بھی حاصل ہو گئی اور ملک بھر میں ادب و فن کے چشمے پھوٹ پڑے اور ادب کو فروغ ملا۔ آج ہمارے ملک میں مختلف زبانوں میں جتنے ادبی اور نیم ادبی رسائل نکلتے ہیں

ان کا عشر عشیر بھی آزادی سے پہلے نہیں تھا۔ کئی زبانیں جن میں آزادی سے پیشتر تحریری ادب یا تو تھا نہیں یا برائے نام تھا انکا رشمار آج ہماری طاقتور زبانوں میں ہوتا ہے اور ان میں عمدہ ادب تعمیر ہو رہا ہے مثلاً کشمیری، پنجابی اور آسامی اسکے علاوہ آج ہر زبان میں ناول نگاروں افسانہ نگاروں اور شاعروں کی اتنی تعداد ہے اور ہر زبان میں مختلف موضوعات پر اس کثرت سے کتابیں شائع ہو رہی ہیں کہ اس کا آزادی سے پہلے کے دور کیساتھ کوئی موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔

ہمارے ملک کی چند خصوصیتیں مختلف زبانیں، مختلف رسم و رواج مختلف ملبوسات اور مختلف مذہبی عقائد ہیں۔ بادی النظر میں یہ امور قومیت کی سطح پر ادب کے فروغ میں حائل اور مانع نظر آئیں گے مگر دراصل ایسا نہیں ہے اسکی ایک بڑی اور اہم وجہ ادب کی اپنی چند خاصیتیں ہیں۔ چونکہ ادب فکر و فن کا سرچشمہ ہے اسلئے جغرافیائی حدود، مذہبی عقائد اور رسوم اسکی رفتار اور روانی کو نہیں روک سکتے۔ دراصل ادب آفاقی سطح پر انسانی اقدار کا حامل ہے اور انکو فروغ دینے کا عمل اسکی ایک قدرتی خاصیت ہے۔ یہی ادب کی ایک اہم ذمہ داری بھی ہے زبان صرف ایک ذریعہ اظہار ہے اور رسم و رواج اور عقائد کا تعلق صرف محدود افراد سے ہے خواہ انکی تعداد کتنی بھی زیادہ کیوں نہ ہو۔ یہ امور ادیب کی پرواز فکر کو متاثر نہیں کرتے۔

بلاشبہ ایک ادیب اور فن کار ایک عام شہری بھی ہے اور اسے بھی قدرتی طور پر اپنی زبان، اپنے لباس، اپنے مذہب اور اپنے رسم و رواج عزیز ہوں گے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنے ملک کی دوسری زبانوں، لباسوں اور رسوم و عقائد کو نفرت کی نگاہ سے دیکھے گا۔ اسکے برعکس چونکہ ادیب مفکر بھی ہے اسے یہ یکساں عزیز ہونگی اور وہ انکا بھی مطالعہ کرنا چاہے گا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آجکا بیدار مغز ادیب دنیا بھر کے ادب کے مطالعے کا خواہشمند ہے اور ظاہر ہے کہ وہ پہلے اپنے ملک کی دوسری زبانوں کے ادب کا مطالعہ ہی کرنا چاہے گا۔ اس سے ایک زبان کے ادب کو دوسری ہندوستانی زبانوں میں ترجمے کی اہمیت ابھر کر سامنے آتی ہے۔ اس سلسلے میں سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر کام کیا جا رہا ہے مگر اس حد تک نہیں جتنی اسکی ضرورت ہے۔ مگر قومی یکجہتی کی بڑھتی ہوئی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس طرف مزید اور خصوصی توجہ دی جانی چاہیئے۔ یہی رجحانات ملک کی تمام زبانوں کے ادب کو یکجہتی کے اس نقطے پر ملا دیتے ہیں جہاں پوری قوم کے احساسات، مقاصد، ولولے اور امنگیں ملتی اور فروغ پاتی ہیں۔

چنانچہ آزادی کے بعد ہمارا ادب، ہماری مختلف زبانوں اور الگ الگ شاخوں کیساتھ قومی سطح پر یکجہتی کی راہ پر گامزن رہا ہے۔ شروع شروع میں البتہ یہ رفتار سست مگر واضح اور یقینی تھی۔ گزشتہ دس پندرہ برس سے اس رفتار میں کافی تیزی آگئی ہے اور یہ راہ بھی وسیع ہو کر ایک شاہراہ بن گئی ہے۔ آج ہم اس نقطۂ نظر کو اہمیت نہیں دیتے کہ فلاں ادیب اردو کا ہے اور فلاں ہندی کا یا کسی دوسری زبان کا جنوبی زبانوں کے ادب اور ادیبوں سے آج ہماری اتنی ہی واقفیت ہے جتنی شمال میں بولی جانے والی زبانوں کے ادیبوں اور ادب سے ہے۔ اب کم از کم یہ تمیز اور تقسیم کسی بھی زبان کے ادیب اور شاعر کی اہمیت اور اسکی تخلیقات پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ اپنی اپنی زبان کے باوجود ایک تمدنی رشتہ اور قومیت کا احساس اور جذبہ سب قلم کاروں کو ایک دوسرے کے قریب لا رہا ہے۔ اس میں بلاشبہ کل ہند پیمانے پر ہونے والے میلے اور کانفرنسیں بہت مددگار رہے ہیں اور باہمی رابطے کو قائم کرنے اور استوار کرنے اور خیالات اور عمل کی یکجہتی کے حصول میں ایسی کانفرنسوں کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ مشہور اور اہم مصنفوں کی تصنیفات کا ترجمہ دوسری زبانوں میں بھی ہو رہا ہے صوبائی تعصب، امتیاز اور تفریق کی یہ کچی دیوار بھی گر گئی ہے۔ آج ہم جانتے ہیں کہ گجراتی اور مراٹھی افسانہ کیا ہے۔ تیلگو، تامل اور ملایلم اور کنڑ بھاشاؤں میں کون سے نئے رجحانات نمودار ہو رہے ہیں، بنگالی، پنجابی، اڑیہ اور کشمیری میں کیا لکھا جا رہا ہے اور ان زبانوں کے کون کون سے مشہور ادیب اور شعرا ہیں۔

مگر موجودہ ادبی یکجہتی کا زیادہ نمایاں اور روشن پہلو ان مقاصد کی صورت اور اس ہم آہنگی میں ہے جو ہندوستانی قوم کیلئے آج سے نہیں بلکہ صدیوں سے مشعل راہ رہی ہے۔ یہ مقاصد اور یہ ہم آہنگی ہماری مکمل زندگی اور ہمارے فکر و فن کو جلا بخشتی ہے۔ ہمارے ادیب

ڈاکٹر راہی بی اے ایم ایس
ریذیڈنٹ کلینک، مغل پورہ حیدرآباد

پھر اُسی روشنی کا قتل ہوا

آج پھر روشنی کا قتل ہوا
آج پھر زندگی کا قتل ہوا
یہ نئی بات نہیں ہے۔ سچ ہے
یہ نئی بات نہیں تھی سچ ہے
ایسا ہوتا رہا ہے بھارت میں
اب سے سینتیس[۳۷] سال پہلے بھی
اپنے بابائے قوم قتل ہوئے
جب کہ ظُلمت کا دَور دَورہ تھا
ہر طرف ظُلمتوں کے سائے تھے
ہر طرف شور و غل تھا
آہ دیکا
ہر طرف قتل و خون ظلم و ستم
ہر طرف رنگ و نسل کے جھگڑے
ایسے عالم میں اک کرن پھُوٹی
سارے عالم میں روشنی پھیلی

شانتی، پیار، امن و یکجہتی
اک نئے دور کا ہوا آغاز
ہر طرف روشنی کا رقص ہوا
ہر طرف زندگی نے رقص کیا
ظُلمتوں کا وجود ختم ہوا
پُورا باپو کا ہوگیا سپنا
دیش آزاد ہوگیا اپنا
دیش میں روشنی کے آتے ہی
جانے کیوں روشنی کا قتل ہوا
جانے کیوں زندگی کا قتل ہوا
ہائے سینتیس[۳۷] سال گذرے تھے
اور اک گوڈسے ہوا پیدا
پھر اُسی روشنی کا قتل ہوا
پھر اُسی زندگی کا قتل ہوا ——— !!

اور فن کار ایک آفاقی انسانیت، بھائی چارے اور رواداری میں یقین رکھتے ہیں اور ان ہی جذبوں کو اپنی تحریروں میں سمو رہے ہیں۔ انہیں اپنے دیش کی دھرتی اور اس کے چپے چپے سے پیار ہے۔ انہیں اپنا رہن سہن اپنے رسم و رواج اور اپنی روایتیں تو عزیز ہیں ہی مگر اس بنا پر وہ کسی منفی نظریے میں یقین نہیں رکھتے۔ اسکے علاوہ ملک کی تعمیر اور ہمہ گیر ترقی اور عوام کی کوششوں، امنگوں اور عزائم میں برابر شریک ہیں اور انہیں اپنی تحریروں میں جھلکاتے ہیں۔ یہ جدید رجحانات کسی مخصوص زبان کے ادب کے نہیں ہیں۔ ہمارے ملک کی ہر زبان کے جدید ادب میں ان صحت مند رجحانات کی ایک طاقتور جھلکی ملتی ہے۔ فکر و سوچ کی یہی زاویۂ نظر دیش بھر میں عظیم پیمانے پر ایک لاثانی ادبی یکجہتی کو فروغ دے رہا ہے۔

سعادت نظیر بلاک ۱۰، فلیٹ ۵۰، چندولال بیلا کالونی حیدرآباد ۵۰۰۰۲۶۵

قتیلِ حالات

یہ واقعہ ہے کوئی خواب یا فسانہ نہیں

"شمیم" حسن کی اک بولتی ہوئی تصویر
بھری ہے جس میں مصوّر کی شوخیٔ تحریر
اگرچہ برقِ تبسم لبوں پہ رقصاں ہے
دلِ حزیں میں مگر اک کسک سی پنہاں ہے
کبھی بہ قدرِ ضرورت غذا نہیں ملتی
جگر ہے درد بھرا اور دوا نہیں ملتی
شکستہ حال ہیں ماں باپ، زورِ غربت ہے
ہجومِ یاس سے گھر عرصۂ قیامت ہے
ہزاروں طرح کی وہ سختیاں اٹھاتے ہیں
کٹھن ہے زندگی پھر بھی نباہے جاتے ہیں
کہیں تو کس سے کہیں؟ اُن پہ جو گزرتی ہے
کہ گھر میں بیاہ کے قابل جوان بیٹی ہے
جہیز لائیں کہاں سے! ہیں بے سروساماں
تعیشاتِ زمانہ کہاں؟ غریب کہاں؟
دلوں میں اُن کے تڑپتی ہیں حسرتیں کیا کیا!
ہیں اپنے دَور سے اُن کو شکایتیں کیا کیا!
کسی بھی مسئلے کا حل نظر نہیں آتا
سوادِ شب میں پیامِ سحر نہیں آتا

"شمیم" آ گئی عہدِ شباب کی حد میں
کہ بن گیا پاسِ نگاہِ زمانہ کی زد میں
ہوس کے بندوں نے چاہا ہوس کی رَو میں بہیں
بس ایک رات کی، اُس کو، دلہن بنا کے رہیں
کسی کا طنز کہ ماں باپ ہیں وہ بے پروا
کہ اُن کو فکر نہیں کچھ بھی اس کی شادی کا
کوئی کنواری کو گھر میں، بٹھائے رکھتا ہے؟
عجیب رنگِ جہاں ہے، عجیب دنیا ہے!
گماں کسی کو، وہ کسی پر وہ جان دیتی ہے
بچا کے نظریں کسی کا سلام لیتی ہے"
مذاق سب نے اُڑایا جو اس قرینے کا
رہا نہ کوئی بھی سہارا رہا نہ جینے کا
کہے تو کس سے کہے اپنا حالِ زار شمیم!
مصیبتوں میں گرفتار دلِ فگار شمیم
برائے زخمِ جگر جستجوئے مرہم ہے
بجائے چارہ، خلش ریزِ نشترِ غم ہے
قتیلِ جورِ مسلسل ہیں اس کے احساسات
اٹھائے دل پہ کہاں تک مصیبتیں دن رات!

نہ تابِ ضبط، نہ اب طاقتِ شکیبائی
خلافِ ظلم نہیں کچھ مجالِ گویائی
شکار ہو گئی گھٹ گھٹ کے دل کا آخر کار
بہار آتے ہی آتے ہوئی خزاں سے دوچار
"شمیم" خستہ و محزوں کا اور حال نہ پوچھ
یہ پھول ہو گیا کس طرح پائمال؟ نہ پوچھ

حجابِ غم میں ہیں پنہاں تجلیاں کتنی!
نہ جانے! اور بھی ہیں ایسی لڑکیاں کتنی؟
مصیبتوں پہ مصیبت اُٹھائے جاتی ہیں
گلے سے دل ہیں بھرے، مسکرائے جاتی ہیں

دوائے درد سے محروم محض ہیں مجبور
زمیں ہے سخت بہت اور آسماں ہے دور
دل اُن کے ہیں کہ بھرے حسرتوں کے مدفن ہیں
بھری بہار میں اُجڑے ہوئے نشیمن ہیں

فغاں کا طرز ہے اُن کے جوابِ تکلّم میں
دلوں کے گھاؤ نظر آتے ہیں تبسّم میں

کسی کو حال کی، اُن کے خبر نہیں ہوتی
خبر جو ہو بھی، کوئی آنکھ تر نہیں ہوتی

جو غم نصیب ہے، محرومِ شادمانی ہے
مصیبتوں کے شکنجے میں زندگانی ہے
کبھی تو شعلۂ احساسِ غم بھڑکتا ہے
کبھی جگر کا لہو، آنکھ سے ٹپکتا ہے

کہیں بھی صورتِ تسکیں نظر نہیں آتی
کسی غریب کی اُمید بر نہیں آتی
اَجل سے پہلے ہی مرتا ہے مفلس و مجبور
فریب کار زمانے کا ہے عجب دستور

مفادِ ذات کا بازار ہے کہ دنیا ہے؟
یہاں تو اپنا نہیں، پرایا ہے
نہیں کسی پہ کسی کے غم و الم کا اثر
کسی کو اپنے سوا کچھ نہیں کسی کی خبر

کوئی کسی کا، مصیبت میں غم گسار نہیں
یہ آدمی ہے، جسے آدمی سے پیار نہیں

غزل

یوسف نرمل
اریگیشن سرکل آفس
نرمل 504106

جو سچ لکھوں تو بھرم اعتبار کھو دے گا
غلط لکھوں تو قلم اعتبار کھو دے گا

دھرم کے نام پہ گر خون اور خرابہ ہو
یقین کیجئے دھرم اعتبار کھو دے گا

کرو نہ فرض کو قرباں مفاد پہ ورنہ
قلم، اے اہلِ قلم اعتبار کھوئے گا

جو شر پسندوں کو اپنی پناہ دے رکھے
وہ دیر ہو کہ حرم اعتبار کھو دے گا

رہِ وفا میں مصائب کے خوف سے یوسف
جو تھک گیا وہ قدم اعتبار کھوئے گا

شباب للت

پشیمانی

سینے کا مرے یارب ارمان کوئی نکلے
خوشحالی سے جینے کا سامان کوئی نکلے
ہاں میرے مرض کا بھی درمان کوئی نکلے
گزران کی صورت پھر آسان کوئی نکلے

اولاد زیادہ ہے تنخواہ مگر کم ہے
شیرازہ گرہستی کا برہم تھا سو برہم ہے
اب سر پہ بڑھاپا ہے آفات کا عالم ہے
اک ہانپتا جیون ہے، اور پھولا ہوا دم ہے

اس گھر کی ترقی کا عنوان کوئی نکلے
ہشیار اگر میری سنتان کوئی نکلے

جینے اور فراغت سے اب کام کہاں مجھ کو
اک بیل ہوں کولھو کا، آرام کہاں مجھ کو

اب تک مرے حصے میں آئی نہ وہ خوشحالی
دیوالہ بنی گھر کا یکسر مری دیوالی
اولاد زیادہ تھی، رو پیٹ کے جو پالی
عسرت نے مرے گھر کی کیا شکل بنا ڈالی

اب میرا مقدر ہے رنج اور پریشانی
رہ رہ کے کھٹکتی ہے مجھ کو مری نادانی
خوں میرا جلاتی ہے ہر لمحہ پشیمانی
افسوس رفیقوں کی میں نے نہ کبھی مانی

دو تین ہی گر ہوتے بچے تو بھلا ہوتا
سورج مری خوشیوں کا ایسے نہ ڈھلا ہوتا

اے کاش اگر میں بھی چارہ کوئی کر لیتا
یہ تنگ سا گھر اپنا بچوں سے نہ بھر لیتا

کم ہوتے تو بچوں کو تعلیم دلاتا میں
لاڈ ان کو لڑاتا میں، نازان کے اٹھاتا میں
خوب انکو کھلاتا میں، خوب انکو رچھاتا میں
اچھے کسی دھندے میں ان سب کو لگاتا میں

اُف مار گئی آخر مجھ کو مری ہٹ دھرمی
افسوس رویے میں آئی نہ مرے نرمی
نس بندی کے چرچے پر کھاتا تھا بہت گرمی
حصے میں مرے آئی تب ذلت و بے شرمی

بنتا کوئی بیرسٹر یا ڈاکٹری کرتا
یا لال مرا کوئی انجینئری کرتا

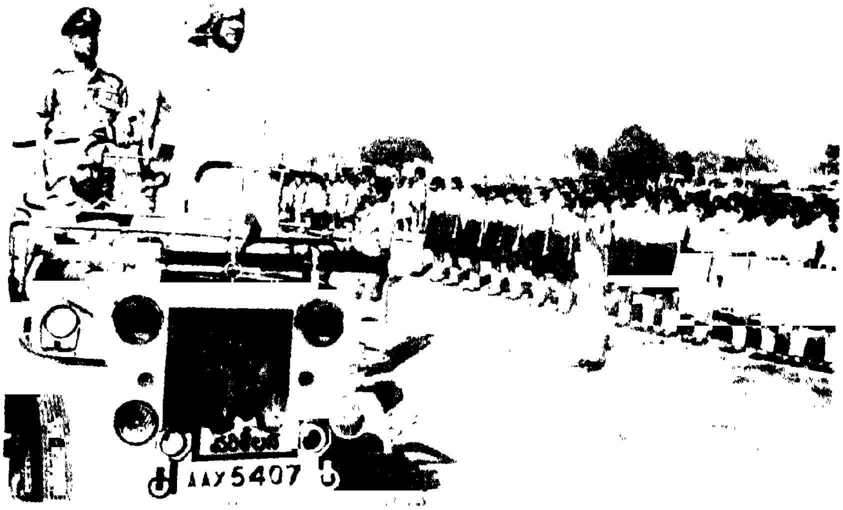
ہٹ دھرمی کا حاصل ہے کنبے کی یہ بدحالی
جیون ہی مرا آخر خود بن گیا اک گالی

اب کس کو سناؤں میں احوال مصیبت کا
ہر سانس مرا اب ہے سُر تال مصیبت کا
بڑھتا گیا سرمایہ ہر سال مصیبت کا
ہاتھوں سے بنا میں نے خود جال مصیبت کا

ارباب وطن میری حالت سے سبق سیکھو
اس میری تباہی سے درگت سے سبق سیکھو

پتہ
فیلڈ پبلسٹی آفیسر گورنمنٹ آف انڈیا
ریلوے بورڈ بلڈنگ
شملہ - 171003

خبریں تصویروں میں



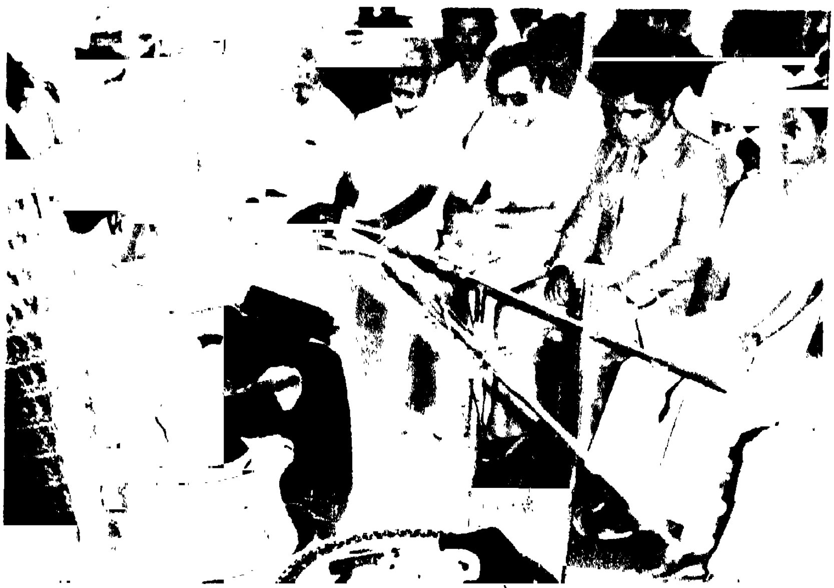
گورنر آندھرا پردیش ڈاکٹر شنکر دیال [illegible] جنوری ۱۹۸۵ء [illegible] کے موقع پر سکندرآباد پریڈ گراؤنڈ پر سلامی لے رہے ہیں۔



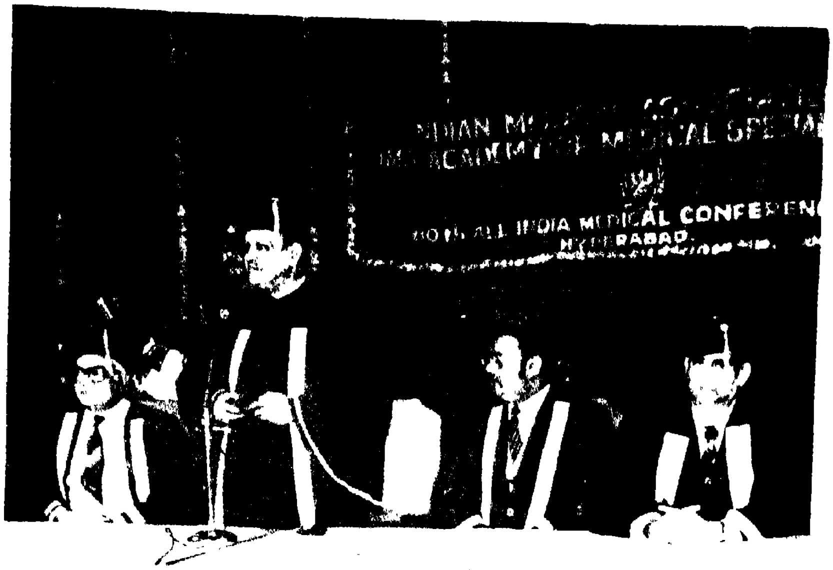
تیسرے اکسائیز اے پی اسپورٹس گیمس اور کلچرل [illegible] کے افتتاح کے موقع پر ۲۱ جنوری ۸۵ء کو لال بہادر اسٹیڈیم حیدرآباد میں مسٹر بی ستیہ نارائن وزیر آبکاری نے سلامی لی۔



چیف منسٹر مسٹر این ٹی راما راؤ نے ۲۸ر جنوری ۱۹۸۵ء کو رویندرا بھارتی حیدرآباد میں ۶۰ ویں کل ہند میڈیکل کانفرنس کا افتتاح کیا



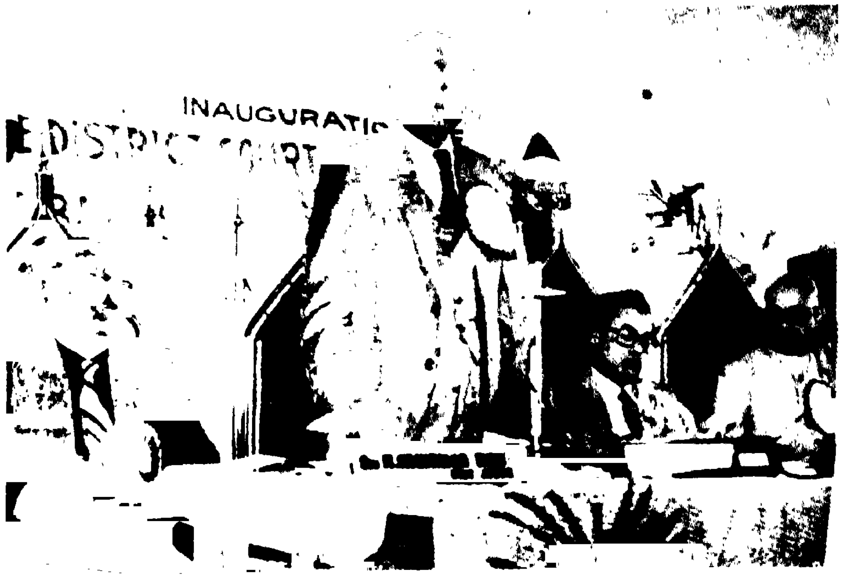
چیف منسٹر مسٹر این ٹی راما راؤ نے ۳۱ر جنوری ۱۹۸۵ء کو آندھرا پردیش اقلیتی فینانس کارپوریشن کے ممبروں سے خطاب کیا۔



ڈاکٹر شنکر دیال شرما گورنر آندھرا پردیش نے ۲۱ جنوری کو اندرا پریادرشنی آڈیٹوریم میں ۶۰ ویں کل ہند میڈیکل کانفرنس کے تیسرے جلسے تقسیم اسنادات سے خطاب کیا۔



مسٹر این۔ گولڈین وزیر صنعت یو۔ ایس۔ ایس۔ آر نے سوویٹ انڈیا فرینڈشپ سوسائٹی کے وفد کے ممبروں کے ساتھ ۳۰ ر جنوری سنہ ۱۹۸۵ء کو حیدرآباد میں چیف منسٹر مسٹر این ٹی راما راؤ سے ملاقات کی۔



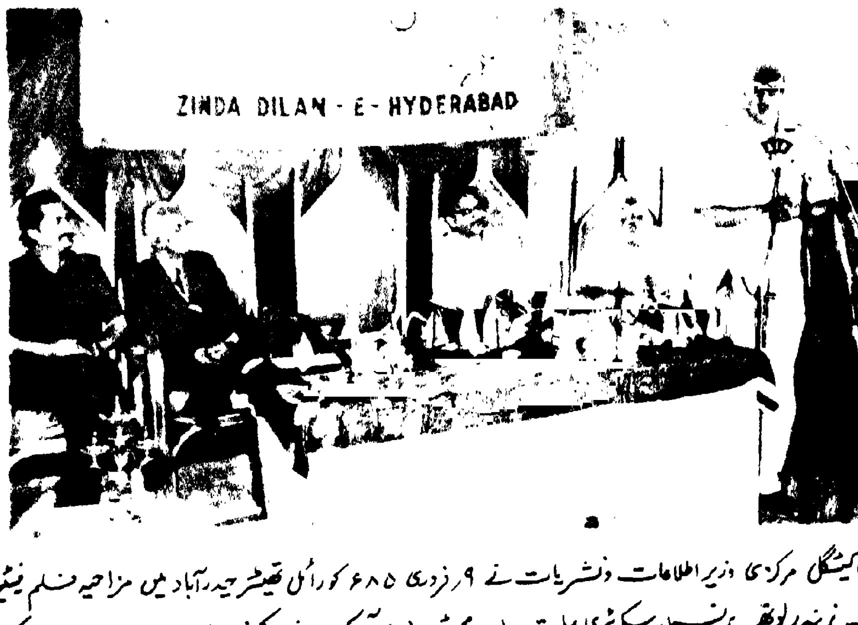
مسٹر ایس۔ راجیشور راؤ وزیر ثقافتی امور نے ۲۹ جنوری کو رویندرا بھارتی میں گڈو دیکٹ راما مورتی کی تصویر پر پھول چڑھائے۔ آنکی یاد منانے کے لیے یہ تقریب منعقد کی گئی تھی۔ مسٹر پی۔ وی۔ آر۔ کے پرشاد کمشنر محکمہ اطلاعات و ثقافتی امور بھی تصویر میں دیکھے جا سکتے ہیں۔



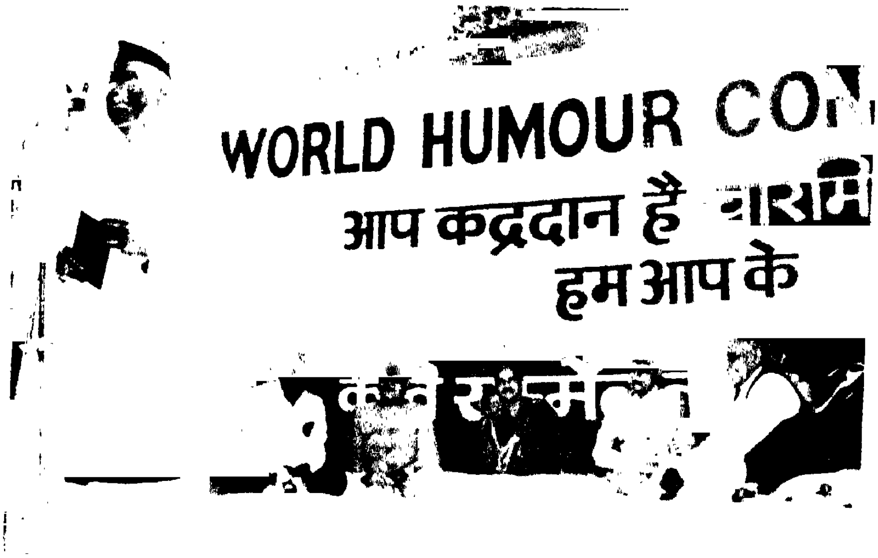
مسٹر پی۔ چینا کیشور ریڈی چیف جسٹس آندھرا پردیش ہائی کورٹ نے ۲۰ جنوری ۸۵ء کو ضلع رنگاریڈی کے ڈسٹرکٹ کورٹ کامپلکس اور بار اسوسی ایشن کی عمارتوں کا افتتاح کیا۔ اور اس موقع پر منعقدہ تقریب کو مخاطب کر رہے ہیں۔



مسٹر بالرام جھاکر اسپیکر لوک سبھا نے ۸ر فروری کو رویندرا بھارتی تھیٹر حیدرآباد میں شمع روشن کرکے عالمی مزاح ہماہ ہنس کا افتتاح کیا۔



مسٹر وی این گیڈگل مرکزی وزیر اطلاعات ونشریات نے ۹ر فروری ۱۹۸۵ء کو رائل تھیٹر حیدرآباد میں مزاحیہ فلم فیسٹول کا افتتاح کیا۔ تصویر میں جناب نرینہ رلوتھر پرنسپل سکریٹری بلدیات اور مسٹر بی وی آر کے پرشاد کمشنر اطلاعات اور دوسرے دیکھے جاسکتے ہیں۔



حیدرآباد میں ۵ روزہ عالمی مزاح کانفرنس کے موقع پر اردو ۔ ہندی مشاعرہ منعقد کیا گیا۔ گورنر آندھرا پردیش ڈاکٹر شنکر دیال شرما افتتاحی خطبہ دیتے ہوئے۔ تصویر میں جناب کمشنر شاہ صاحب صدر نشین قانون ساز کونسل، جناب شاہ عالم خاں صاحب اور دوسرے دیکھے جا سکتے ہیں۔



مسٹر پوتوری وینکٹیشور راؤ ایڈیٹر آندھرا پربھا نے سروجنی نائیڈو کے یوم پیدائش کے موقع پر ۱۳ فروری ۸۵ء کو اسٹیٹ انفارمیشن سنٹر میں منعقدہ ایک تقریب میں کلیدی خطبہ دے رہے ہیں۔ تصویر میں مسٹر سی۔ وی نرسمہا ریڈی محکمہ اطلاعات و تعلقات عامہ بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

تفصیلات وملکیت ماہنامہ آندھراپردیش

دیکھئے فارم نمبر ۴ قاعدہ نمبر ۸

• مقام اشاعت	:	حیدرآباد
اشاعت کی نوعیت	:	ماہنامہ
• پرنٹر کا نام	:	ڈائرکٹر گورنمنٹ پرنٹنگ پریس
قومیت	:	ہندوستانی
پتہ	:	چنچل گوڑہ، حیدرآباد
• پبلیشر کا نام	:	پی۔ ڈی۔ آر۔ کے پرشاد (کمشنر محکمہ اطلاعات وثقافتی امور)
قومیت	:	ہندوستانی
پتہ	:	محکمہ اطلاعات وتعلقات عامہ، حیدرآباد، آندھراپردیش
• ایڈیٹر کا نام	:	خواجہ حسین احمد
قومیت	:	ہندوستانی
پتہ	:	دفتر محکمہ اطلاعات وتعلقات عامہ گرہاکلپا کامپلکس، مکرم جاہی روڈ، حیدرآباد، آندھراپردیش

اخبار کے انفرادی مالکین کے نام اور پتے جن کا حق ملکیت جملہ سرمایہ کے ایک فیصد سے زاید ہے۔ } نہیں

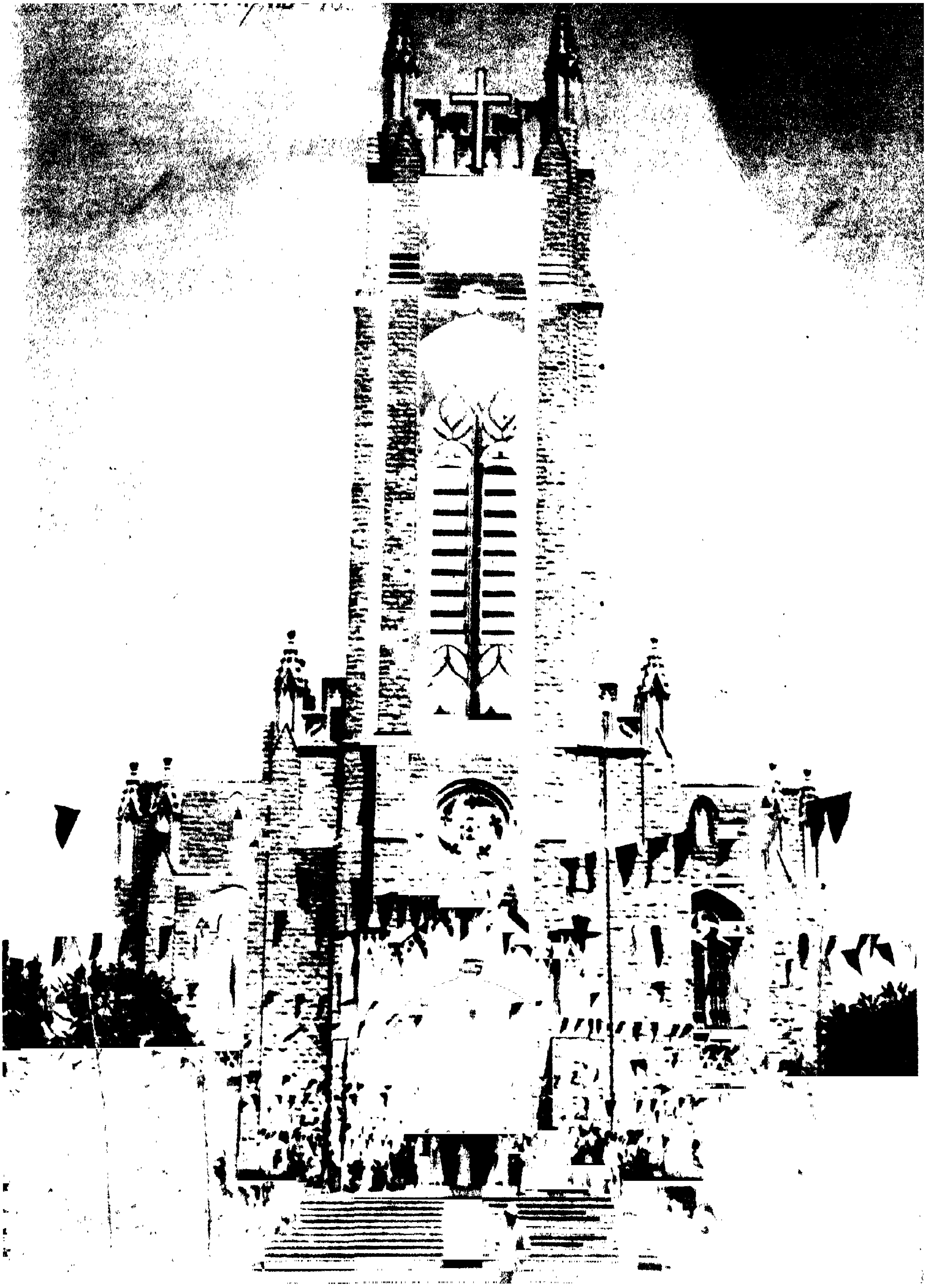
میں پی۔ ڈی۔ آر۔ کے پرشاد اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ جو تفصیلات شائع کی گئی ہیں وہ میرے علم کے مطابق صحیح ہیں۔

(دستخط)

پی۔ ڈی۔ آر۔ کے۔ پرشاد (کمشنر محکمہ اطلاعات وثقافتی امور)

دستخط پبلیشر


मंदिर




اردو ماہنامہ
قیمت ۵۰
JANomani
11-7-85

آندھرا پردیش - اعداد و شمار بہ یک نظر

رقبہ (۱۹۸۱ء) مردم شماری (مربع کیلومیٹر)	۲۷۵٫۶۱	
اضلاع	۲۳	
تعلقہ جات	۳۱۶	
پنچایت سمیتیاں	۳۳۰	
آبادی (۱۹۸۱ء مردم شماری)	۵۳۵٫۵۰	(لاکھ میں)
مرد	۲۷۱٫۰۹	"
عورتیں	۲۶۴٫۴۱	"
درج فہرست اقوام کی تعداد	۷۹٫۶۲	"
درج فہرست قبائل کی تعداد	۳۱٫۷۶	"
محنت کش افراد کی تعداد	۲۳۵٫۰۶	"
اراکین پارلیمنٹ کی تعداد (بشمول راجیہ سبھا)	۶۰	
اراکین اسمبلی کی تعداد	۲۹۵	
اراکین قانون ساز کونسل کی تعداد	۹۰	
دواخانے (آلوپیتھک)	۲۹۵	
خصوصی امراض کے دواخانے	۴۵	
بستروں کی تعداد	۲۶,۹۳۸	
یونیورسٹیوں کی تعداد	۱۰	
جملہ آبپاشی سے سیراب کیا جانے والا رقبہ	۵۰٫۵۸	لاکھ ہیکٹر
کوئلہ کی پیداوار	۱۰۰٫۸۳	لاکھ ٹن

ماہنامہ
آندھرا پردیش
حیدرآباد

اپریل ۱۹۸۵ء • رجب ۱۴۰۵ھ • جلد: ۳۰ • شمارہ: ۴ • APRIL 1985 ఏప్రిల్

فہرست

چیف ایڈیٹر
پی۔ وی۔ آر۔ کے۔ پرشاد (آئی اے ایس)

ایڈیٹر
خواجہ حسین احمد بی اے (عثمانیہ)

قیمت فی شمارہ: ۵۰ پیسے

- اس شمارہ میں اہلِ قلم حضرات نے انفرادی طور پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان سے لازمی طور پر حکومت کا متفق ہونا ضروری نہیں
- زرِ سالانہ: ۶ روپے • فی پرچہ: ۵۰ پیسے
- زرِ سالانہ بذریعہ منی آرڈر روانہ کیجئے۔
- منی آرڈر صرف ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ کے نام روانہ کیجئے۔
- مضامین روانہ کرنے کا پتہ: ایڈیٹر ماہنامہ "آندھرا پردیش" (اردو) محکمۂ اطلاعات و تعلقات عامہ، گروہا کلپا، مکرم جاہی روڈ، حیدرآباد
- کتابت: ایس۔ اے۔ حمید • طباعت: گورنمنٹ سنٹرل پریس چنچل گوڑہ، حیدرآباد

ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ حکومت آندھرا پردیش نے شائع کیا

ضلع سریکاکلم

قدیم تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ بادامی کے چالوکیاؤں نے چھٹی صدی عیسوی میں کلنگا کا علاقہ فتح کیا تھا۔ اور ساتویں صدی میں مذکورہ خاندان کے راجہ مشرقی چالوکیاؤں نے بھی اس علاقے کو حاصل کیا جس کا نتیجہ مشرقی چالوکیہ کے راجہ وشنو وردھن اول (۶۱۵ - ۶۳۳ء) کے تحت دیگی سلطنت کے قیام میں ظاہر ہوا۔ موضع جیپور ربلی ضلع وجیانگرم میں اس راجہ کے دور کے تانبے کے سکوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس راجہ نے شمال میں جیپور دیلی تک حکومت کی تھی۔

گنگا خاندان کے کسی راجہ کی جانب سے جاری کردہ عطاے کا تاریخ میں مسلسل ذکر ملتا ہے۔ مہیندر گری پہاڑیوں کے گوکرنا سوامی (شیوا) کی پوجا کرنے والے ان راجاؤں نے کلنگا نگر مقام سے حکمرانی کی تھی۔ ومسا دھارا ندی کے کناروں پر واقع مکھالنگم اور وہاں کے مندروں اور پتھروں پر کندہ کی ہوئی تحریریں اب بھی باقی ہیں جن سے ان راجاؤں کی حکمرانی کا پتہ چلتا ہے۔

شاہانِ گولکنڈہ دہلی کے مغل شہنشاؤں کے برائے نام باجگذار تھے۔ حقیقی معنوں میں وہ کبھی بھی انکے وفادار نہیں رہے بلکہ عملاً آزاد تھے شاہانِ گولکنڈہ کے دور کی کچھ تفصیلات اب بھی یہاں دستیاب ہوتی ہیں۔

چیکاکول کے مقامی عہدہ دار کو انہوں نے وہاں حاکم مقرر کیا تھا جیسے اس دور میں فوجدار کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ گنجم اور وساکھاپٹنم کے علاقے اس فوجدار کی عملداری میں تھے۔ یہ فوجدار مقامی زمینداروں اور چھوٹے حاکموں کے توسط سے حکومت کرتا تھا۔ یہ زمیندار اور چھوٹے حاکم ۱۰ فیصد کمیشن پر مالگذاری کی حصولی کا کام انجام دیتے تھے۔ ان چھوٹے حاکموں میں بوبلی اور وجیانگرم کے راجاؤں کے آباء و اجداد بھی شامل ہیں۔ جو ۱۶۳۲ء میں شیر محمد خان فوجدار کے زمانے میں یہاں آئے تھے۔ (سریکاکلم کے قریب واقع موضع شیر محمد اپور) شیر محمد خاں ہی کے نام سے موسوم ہے)

۱۶۸۶ء میں شہنشاہ اورنگ زیب نے دکن کی جانب پیش قدمی کی تھی اور ۱۶۸۷ء میں سلطنت گولکنڈہ کو اپنی حکومت میں شامل کرلیا۔ اس کے بعد سے اس علاقے کے حاکم صوبہ دار ہوا کرتے تھے۔ اور موجودہ ضلع سریکاکلم کا علاقہ مغل حکومت کے دور میں صوبہ دار دکن کی عملداری میں آگیا تھا۔ وساکھاپٹنم کے علاقوں کی تقسیم کے بعد ۱۹۵۰ء میں ضلع سریکاکلم کا وجود عمل میں آیا۔ بعد میں یکم جون ۱۹۷۹ء کو ضلع سریکاکلم کے کچھ تعلقات کو ملاکر وزیانگرم کے نام سے ایک اور ضلع بنایا گیا۔

ضلع سریکاکلم کے حدود

ضلع مستقر سریکاکلم ہے اسی نام سے ضلع کا نام رکھا گیا ہے۔ ۱۸° - ۲۰ اور ۱۹° - ۱۰ شمال اور ۸۳° - ۵۰ - ۸۴° - ۵۰ شمالی ارض بلد کے درمیان واقع ہے۔ اس کے شمال میں ریاست اوڑیسہ جنوب مغرب میں ضلع وزیانگرم مشرق میں خلیج بنگال واقع ہے۔ یہ ضلع تین مالگذاری ڈویژنوں سریکاکلم ٹیکیلی اور پالاکونڈہ پر مشتمل ہے۔ ضلع میں ۱۴ تعلقہ جات۔

۱۔ اچھاپورم ۲۔ سومپیٹھ (مندا سہ سب تعلقہ) ۳۔ پلاسا
۴۔ ٹیکیلی ۵۔ کوٹہ بومالی (۶) کوتورو ۷۔ پاتاپٹنم
۸۔ راجم ۹۔ پالاکونڈہ ۱۰۔ آمدالاولاسا۔

۱۱۔ سریکاکلم ۱۲۔ نرسناپیٹھ ۱۳۔ پلوندورو ۱۴۔ رانستھلم

پہلے پانچ تعلقہ جات ٹیکلی ڈویژن(۱) میں ہیں۔ ۶ تا ۹ پالکونڈہ میں۔ ۱۰ تا ۱۴ سریکاکلم (۲) میں۔ اس ضلع کو ایک اندازے کے مطابق جغرافیائی اعتبار سے دو قطعوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ پہاڑی علاقہ اور ۲۔ میدانی علاقہ

تعلقہ پالاکونڈہ میں واقع پہاڑی قطعہ ایجنسی علاقے کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ تعلقہ جات اچاپورم۔ سوم پیٹھ۔ ٹیکلی۔ نرسناپیٹھ رانستھلم اور سریکاکلم ساحلی قطعے میں واقع ہیں۔ پاتاپٹنم۔ ٹیکلی اور سوم پیٹھ تعلقوں کے کچھ حصے پہاڑی قطعوں پر مشتمل ہیں۔ سوم پیٹھ اور اچاپورم تعلقوں کے کچھ حصوں کو اُدانم کے نام سے پکارا جاتا ہے اسلئے کہ ان تعلقوں کے وسیع علاقوں میں ناریل کے درخت موجود ہیں۔

ضلع میں ۱۶ پنچایت سمیتیاں ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں۔

اچاپورم۔ مندالہ۔ کماسی بگا۔ ٹیکلی۔ کوٹہ بومالی۔ سروا کوٹہ، نرسناپیٹھ۔ گارا۔ آمدالاولاسا۔ پالاکونڈا۔ سیتم پیٹھ۔ ویرا گھٹم۔ راجم۔ رانستھلم۔ کوورو۔ شیر محمد پورم۔

ضلع کی اہم ندیاں ونسادھارا اور ناگاولی ہیں۔ اس کے علاوہ دوسری ندیاں اچاپورم تعلقہ میں بہودا۔ سوم پیٹھ اور پاتاپٹنم تعلقوں میں مہیندر تنایا ہیں۔ اس ضلع میں پہاڑیوں، ندیوں، میدانوں، جنگلات، نالیوں، اور گنجان ناریل اور کاجو کے درختوں پر مشتمل قدرتی قطعے ۱۹۲ کلو میٹر طویل ساحلی پٹی موجود ہے۔ قدرت نے ضلع کے ساتھ بڑی فیاضی کا مظاہرہ کیا ہے۔ ضلع قدرتی دولت سے مالا مال ہے۔

آب وہوا اور بارش

ماہ اپریل سے جون تک موسم بے انتہا گرم رہتا ہے۔ سریکاکلم میں شمالی مشرقی اور جنوبی مغربی مانسون سے بارش ہوتی ہے مشرقی حصہ میں موسم معتدل رہتا ہے۔ عام طور پر ۱۰۸۶٫۲۰ ملی میٹر بارش ہوتی ہے اور بارش کا سالانہ اوسط ۹۶۰٫۴۰ ملی میٹر ہے۔ زیادہ سے زیادہ درجہ حرارت ۳۱٫۶۷ درجہ ہے۔

رقبہ اور آبادی

ضلع کا رقبہ ۵۸۳۷ مربع کلومیٹر ہے۔ ۱۴۴۳۸۷۹ ایکڑ رقبہ میں سے ۱۷۳۸۵۹ ایکڑ پر جنگلات ہیں ۹۰۵۸۷۷ پر کاشتکاری کی جاتی ہے۔

۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق سریکاکلم کی آبادی ۱۹٫۴۲٫۷۴۹ ہے۔ جن میں مرد ۹۵۹۰۴۷ اور عورتیں ۹۸۴۷۰۲ ہیں۔ ۱۹۱۰ مواضعات، ۱۰۵۲ گرام پنچایت۔ ایک درج فہرست اقوام کی آبادی ۱۵۹٫۲۳۶ اور درج فہرست قبائل کی آبادی ۲٫۸۹٫۳۹۲ ہے۔

امتیازی خصوصیات

جنوبی ہند کی سب سے اونچی پہاڑی چوٹی مہندرگری ضلع سریکاکلم کے حدود سے دس کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے یہ پراٹک اور سیاحتی اہمیت کی حامل پہاڑی چوٹی ہے۔ ہندستان میں واقع سورج دیوتا کے دو مندروں میں سے ایک ارساولی سوریہ نارائن سوامی کا مندر سریکاکلم میں واقع ہے۔ حالیہ کھدائیوں کے دوران سیلی ہونڈم میں دستیاب شدہ بدھ مت دور کے اسٹوپا سے اس دور میں اس علاقے کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔

گنگا خاندان کے راجا جو شیوا کی پوجا کرتے تھے۔ ومسادھارا ندی کے کنارے واقع مری مکھالنگم کے مقام سے اس علاقے پر حکومت کیا کرتے تھے۔ یہاں اس دور کا ایک مندر بھی موجود ہے جہاں اس زمانے کی تحریریں اب بھی پائی جاتی ہیں۔

کلنگا سلطنت کا شہر کلنگا پٹنم ایک ساحلی شہر ہے جس سے راجہ اشوک کے زمانے میں اس علاقے کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے اور راجہ اشوک نے ۲۶۰ قبل مسیح میں اس شہر کو فتح کیا۔

ہوڈا اور ناگاولی ندیوں کے نام پر انک اہمیت کے حامل ہیں ۔
لاولی یا لنگولیا کا مطلب ہل کے ہیں۔ مقامی داستانوں میں یہ بات ملتی ہے کہ بالا رام کے ہل چلانے سے یہ ندی کا وجود عمل میں آیا۔ اسی طرح ہوڈہ کا مطلب دست بازو کی طاقت بحال کرنا ہے۔

سیاحتی دلچسپی کے مقامات

مسیلی ہونڈم سریکاکلم تعلقہ میں بدھمت اسٹوپا موکھا لنگم مندر پاتا پٹنم تعلقہ۔ نیلا یا پلاس پالاکونڈہ تعلقہ پانداولا پنچہ کے مقامات آثار قدیمہ اور مذہبی اہمیت کے حامل مقامات ہیں۔

کنتی مندر ۔ یدھشٹرا مندر ۔ بھیما مندر ۴۹۲۰ فٹ بلندی پر مہیندر گری پہاڑیوں میں واقع ہیں جو سرم پیٹھ تعلقہ کے حدود سے دس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

سریکاکلم کی جامع مسجد ایک قدیم عمارت ہے۔ ارسی ویلی سوریہ نارائن مندر۔ کرمانا دھامن رسری کرمام میں ہیں۔ یہ سیاحتی دلچسپی کے مقامات ہیں۔ رادھا سپتمی کے دن سورج کی کرنیں سوریہ نارائن سوامی مندر میں سورج دیوتا کے قدموں میں گرتی ہیں۔

کلنگا پٹنم، سلطنت کلنگا کا اہم ساحلی شہر تھا جسے راجہ اشوک نے ۲۶۰ قبل مسیح میں فتح کیا تھا۔

زراعت

ضلع کے عوام کا اہم پیشہ زراعت ہے۔ دھان یہاں کی اہم فصل ہے۔ راگی۔ پٹ سن۔ مونگ پھلی۔ تور۔ کلتھی اور مرچ یہاں کی دوسری اہم پیداوار ہے۔ تعلقہ سوم پیٹھ اور اچھاپورم تعلقوں میں ناریل کے درخت کثرت سے اگائے جاتے ہیں اس کے بعد پھنس اور کاجو کے باغات کی کثرت ہے۔

غذائی اجناس کے معاملے میں ضلع خود مکتفی ہے۔ ۱۶۲۷ لاکھ ہکٹر اراضیات پر زیادہ پیداوار دینے والی دھان کی فصل اگائی جاتی ہے۔ راجول میں رائس ریسرچ اسٹیشن ۱۹۰۶ء میں قائم کیا گیا۔ جہاں اعلیٰ قسم کے دھان کے بیج آر۔ جی۔ سی ۵۲ کی دریافت کی گئی۔ میستا ریسرچ اسٹیشن ۱۹۵۸ء میں آمدالا ولاسا میں قائم کیا گیا جہاں میستا کے اے۔ ایم دی (۱) اے۔ ایم۔ دی (۲) اور بھیملی - ۱ کے پودے ملک میں اعلیٰ قسم کے بیج دریافت کئے گئے۔ بردا میں ناریل کے درختوں کی نرسری ہے۔ پداپیٹھ اور دینا لادسا میں بیجوں کو ملا کر نئے بیج پیدا کرنے والے دو فارم قایم کئے گئے ہیں۔

آبپاشی

ضلع میں ومسادھر پراجکٹ کا پہلا مرحلہ آبپاشی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اہم بائیں بازو کی نہر ۷۰ کلو میٹر تک طویل ہے جس کے تحت ۱۴۸۲۲۸ ایکر زمین سیراب ہوتی ہے۔ نارائن پورم۔ اونی گڈہ اور پیڈیگام پراجکٹ دوسرے اہم آبپاشی کے ذرایع ہیں۔ مدو ولاسا پراجکٹ پر کام جاری ہے۔ ضلع میں موجود تمام آبپاشی ذرایع سے جملہ ۴,۴۴,۲۵۳ ایکر زمین سیراب ہوتی ہے۔

مارکٹنگ

ضلع میں جملہ ۹ زرعی مارکٹنگ کمیٹیاں ہیں۔ جو یہ ہیں:۔
اچھاپورم۔ کانچلی۔ کاسی بوگا۔ پاتا پٹنم۔ نرسنا پیٹھ۔ آمدالا ولاسا ہیرا مندلام۔ پونڈورو اور راجم۔ آمدالا ولاسا۔ پونڈورو۔ کانچلی میں مارکٹ یارڈس قایم کئے گئے ہیں۔

افزائش مویشیان

ضلع میں ۱۱ ویٹرنری ہاسپٹل ۳۷ مویشیوں کی نگرانی کے یونٹ ۱۰۶ دیہی لائیو اسٹاک یونٹ اور سریکاکلم مستقر پر ڈسٹرکٹ کلینکل

لیبارٹری موجود ہے۔ ۴ رینڈ ریسپیٹ چیک پوسٹ ۳ ریسٹڈ سپیٹ ڈیمبلنس یونٹ اور مادہ تولید جمع کرنے کا ایک مرکز (۲۷) مراکز میں مصنوعی تولیدی طریقہ کار پر عمل کیا جاتا ہے۔

ڈیری ڈیولپمنٹ

پیدا پاڈو اور تیکلی میں ملک چلنگ مراکز ہیں اور سیتم پیٹھ میں ایک چھوٹا ملک چلنگ مرکز قائم کیا گیا ہے۔

سمکیات

ضلع سے لگا ہوا سمندری ساحل ۱۹۳ کلومیٹر طویل ہے۔ ساحل پر ۱۰۴ ماہی گیروں بستیاں ہیں جن کی آبادی ۱۶۲۵ لاکھ ہے جہاں ۵۸ میرین فشرمین کوآپریٹیو سوسائیٹیاں ہیں۔ اور اندرون ضلع ۴۶ فشرمین کوآپریٹیو سوسائیٹیاں ہیں۔ سریکاکلم۔ اچاپورم اور دھولنگی میں تین فش فارم ہیں۔ بھوانا پاڈو میں مچھلی پکڑنے کے لیے بندرگاہ تعمیر کی جارہی ہے جس پر تخمیناً ۵۶۶ کروڑ روپے خرچ کیے جارہے ہیں۔ کلنگا پٹنم میں بھی ایک فشی فارم موجود ہے۔

طبی سہولتیں

سریکاکلم مستقر کے سرکاری ہاسپٹل میں ۲۳۰ بستروں کی گنجائش ہے۔ ۸ تعلقہ ہاسپٹل ہیں اور ۲ غیر تعلقہ ہاسپٹل (۱۸) پرائمری ہیلتھ سنٹر اور ۵ ڈسپنسریاں ہیں۔ قبائیلیوں کے لیے سیتم پیٹھ میں ایک دواخانہ کام کر رہا ہے۔ ضلع کے دواخانوں میں جملہ ۳۹۶ بستروں کی گنجائش ہے۔ ضلع میں ۲۰۶ سب سنٹر کام کر رہے ہیں۔ جہاں ٹریننگ پائے ہوئے اے۔ این۔ ایم مامور ہیں۔ ضلع مستقر کے دواخانے میں ایک ٹی بی کلینک کام کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ پرگری میں جذام کا دواخانہ۔ سوم پیٹھ میں آنکھوں کا دواخانہ اور پلاسا میں ریلوے ڈسپنسری کام کر رہے ہیں۔ سریکاکلم مستقر پر ملیریا اور فلیریا یونٹ بھی موجود ہیں۔

تعلیم

حالیہ برسوں میں تعلیم کے شعبہ میں تیز رفتار ترقی ہوئی ہے۔ سریکاکلم میں پوسٹ گریجویٹ سنٹر اور پالی ٹیکنک کالج موجود ہے۔ نرسنا پیٹھ ٹیکلی اور بروا میں دو ڈگری کالج ہیں۔ کاسی برگا اور پالاکونڈہ میں دو خانگی ڈگری کالج موجود ہیں۔ ضلع میں ۲۰ جونیر کالج ہیں جو ان مقامات پر کام کر رہے ہیں اچاپورم۔ سوم پیٹھ۔ ٹیکلی۔ نرسنا پیٹھ۔ نوا پاڈا۔ بریا۔ اگراہارم۔ جرلومورو۔ پولاکی۔ بروا۔ کلنگا پٹنم۔ کوترو۔ پاتا پٹنم۔ پالاکونڈہ۔ دیراگھٹم۔ آمدالاولاسا۔ پونڈورو۔ راجم۔ کنتالی۔ پلاسہ اور سریکاکلم۔

ضلع میں ۲۲۹۱ پرائمری اسکول اور ۱۴۱ اسکنڈری اسکول ہیں۔

سوشیل ویلفیر

ضلع میں ۳۶ پسماندہ طبقات ۹۴ درج فہرست اقوام کے ہاسٹل ہیں۔ ۵ آشرم اسکول ہیں جن میں طلباء کی تعداد ۵۳۴۹ ہے۔ طلباء کی طرف سے چلائے جانے والے ۵ ہاسٹل ہیں جن میں ۵۰۰ طلباء کے رہنے کی گنجائش ہے۔

شعبہ امداد باہمی

سریکاکلم مستقر پر ایک ڈسٹرکٹ کوآپریٹیو سنٹرل بینک ہے جس کی ۱۳ شاخیں ہیں۔ ۹ کوآپریٹیو اگریکلچر ڈیولپمنٹ بینک ہیں ضلع میں ۳۱۲ ابتدائی زرعی کوآپریٹیو سوسائیٹیاں اور ۱۲ سوپر بازار ہیں۔

بہبودی خواتین

بہبودی خواتین و اطفال کے تحت ۳ فنی مراکز برائے خواتین و اطفال کام کر رہے ہیں۔ سریکاکلم میں ایک بالا دہار ہے۔ سریکاکلم سیتم پیٹھ

ریگولا پاڈو ناگی ری کنٹگم میں بہبودی خواتین کے چار مراکز کام کر رہے ہیں
پونڈورو - ٹیکیلی - اکوپلی - بینی ٹی پیٹھ میں چھوٹے بچوں کی چار سرکاری پرورش گاہیں ہیں۔ لاڈیرو - ترٹاداڑہ - کموساری پلی، پداتمارا پلی - دی- دی - آر پورم اور جاگتی میں ۶ بالواڑیاں ہیں۔
ضلع میں ۹۴۷ مہیلا منڈلیاں ہیں۔

صنعتیں

ضلع میں ایک ہزار ٹن پیداواری صلاحیت کی کوآپریٹیو شوگر فیکٹری آمدالاولاسا ایسٹ کورٹ سالٹ اینڈ کیمیکلس ناپاڈواداساوی جیوٹ ٹوائین ملز راجم اور دھارا پیپر ملز ٹدایم میں ہے۔

انڈسٹریل اسٹیٹس

آمدالاولاسا میں ایک خانگی امدادی انڈسٹریل اسٹیٹ ۴۹ پلاٹوں پر واقع ہے۔ کوسالاپورم میں ایک انڈسٹریل ڈیولپمنٹ ایریا ۱۴ پلاٹوں اور ۱۱ سائبانوں پر مشتمل ہے۔ سریکاکلم ستقر پر ۶ پلاٹوں پر مشتمل ایک چھوٹا انڈسٹریل اسٹیٹ ہے۔

اسمال اسکیل انڈسٹریز

ضلع میں جملہ ۸۶۰.۲۲ لاکھ روپے کے سرمایے سے ۶۵۲ اسمال اسکیل انڈسٹریل یونٹ قایم کئے گئے ہیں جن سے ۶۲۳۷ افراد کو روزگار حاصل ہوا ہے۔

ہینڈلوم صنعت

پونڈورو میں بہترین کھادی تیار کرنے کی صنعت موجود ہے ضلع میں جملہ ۹۱۱۶ پارچہ بافی کے کرگھے ہیں۔ ان میں سے ۶۹۳۴ کرگھے ۹۶ ہینڈلوم کوآپریٹیو سوسائیٹیوں کے تحت کام کر رہے ہیں جن سے سالانہ ۱۳۶۵ لاکھ روپے کی لاگت کا کپڑا تیار ہوتا ہے۔

بجلی

ضلع میں ۱۱/۳۳ کلوواٹ کے ۵ سب اسٹیشن اور (۱.۰۱) ٹرانسفارمرس ہیں۔ ۷۸۷ مواضعات کو بجلی سربراہ کی گئی ہے۔ (۳۳) کلوواٹ کے تاروں کی لمبائی ۲۴۶ کلومیٹر ہے۔ ۱۱ کلوواٹ کے تاروں کی لمبائی ۱۴۰۰ کلومیٹر ہے۔ یل۔ٹی تاروں کی لمبائی ۱۷۵۰ کلومیٹر ہے۔
۵۹۷ صنعتی سروسیس ۱۹۰۶ زرعی اور سریکاکلم آپریشن ڈیویژن کے تمام ۷ زمروں میں ۵۱,۲۹۴ بجلی کی سربراہی کے کنیکشن ہیں۔

مواصلات

ضلع میں ۴۶۸ ڈاک گھر اور ۳۳ تار گھر اور ۲۵۵۷ ٹیلی فون ہیں۔ ضلع میں ۱۷۵ کلومیٹر لمبی بڑی ریلوے لائن اور ۴۵ کلومیٹر لمبی سب سے چھوٹی ریلوے لائن ساؤتھ ایسٹرن ریلوے کے تحت ہے۔ اور جملہ ۲۶ ریلوے اسٹیشن ہیں۔ مدراس کلکتہ ریلوے لائن تعلقہ جات پونڈورو۔ آمدالاولاسا نرسناپیٹھ - کوٹابومالی - ٹیکیلی - پلاسہ - سومپیٹھ اور اچاپورم سے گزرتی ہے۔ چھوٹی لائن ناپاڈا ٹیکیلی تعلقہ سے پارلاکیمیڈی یا تاپٹنم تعلقہ سے اوڑیسہ اسٹیٹ میں گونوپورم تک جاتی ہے۔
ضلع میں ۸۶۶ کلومیٹر طویل قومی اور ریاستی شاہراہوں کی سڑکیں اور ضلع کی بڑی سڑکیں ہیں۔ اسکے علاوہ ۱۹۵۹ کلومیٹر طویل سمیتیوں اور دوسری سڑکیں ہیں مذکورہ سڑکوں میں ۵ کلومیٹر سمنٹ کنکریٹ ۶۸۲ کلومیٹر ڈامبر۔ ۸۹۲ کلومیٹر کنکریٹ ۱۲۴۶ کچی سڑکیں ہیں ضلع میں ۱۰۴ بس روٹس ہیں جن پر ۲۲۶ بسس چلتی ہیں۔

بینکنگ

ضلع میں اسٹیٹ بینک آف انڈیا کی ۲۱ شاخیں آندھرا بینک کی ۲۰ شاخیں، سری وساکھا گرامیا بینک کی ۴۱ شاخیں۔ سنڈیکیٹ بینک کی ۲ شاخیں۔ دیاسا بینک کی ۲ شاخیں وجئے بینک کی ایک شاخ۔ انڈین اوورسیز بینک کی ایک شاخ۔ یونین بینک کی ایک شاخ انڈین بینک کی ۲ شاخیں اور الہ آباد بینک کی ایک شاخ ہے۔ ●●

۹۶ لاکھ سے زائد کارڈ گیرنڈوں کو

۲ روپے فی کلو چاول سربراہ کئے گئے

پرگتی پدھم پروگرام کے تحت ۹۶ لاکھ سے زائد خاندانوں کو ۲ روپے فی کلو چاول کی اسکیم کے تحت فائدہ پہنچ رہا ہے۔

ماہ جنوری ۱۹۸۵ء میں پرگتی پدھم پروگرام کے جائزے سے معلوم ہوا ہے کہ اس اسکیم کے تحت ضلع مشرقی گوداوری میں ۷،۸۵ لاکھ۔ ضلع گنٹور میں ۶،۵۵ لاکھ ضلع مغربی گوداوری میں ۶،۰۱ لاکھ ضلع کرشنا میں ۵،۸۹ لاکھ۔ اور ضلع وساکھاپٹنم میں ۵،۱۶ لاکھ خاندانوں کو فائدہ پہنچا۔ ضلع پرکاشم میں ۱،۴۶ لاکھ۔ ضلع اننت پور میں ۴،۷۱ لاکھ ضلع کریم نگر میں ۴،۶۵ لاکھ۔ ضلع ورنگل میں ۴،۴۳ لاکھ ضلع چتور میں ۴،۱۵ لاکھ۔ ضلع محبوب نگر میں ۴،۱۲ لاکھ ضلع نیلور میں ۳،۹۰ لاکھ۔ ضلع کڑپہ میں ۳،۸۶ لاکھ۔ ضلع کھمم میں ۳،۶۰ لاکھ۔ ضلع سریکاکلم میں ۳،۵۶ لاکھ۔ ضلع کرنول میں ۳،۵۴ لاکھ۔ ضلع نلگنڈہ میں ۳،۳۲ لاکھ اور ضلع وزیانگرم میں ۳،۱۴ لاکھ عادل آباد میں ۲،۹۴ لاکھ ضلع رنگاریڈی میں ۲،۸۲ لاکھ ضلع میدک میں ۲،۷۶ لاکھ حیدرآباد میں ۲،۶۰ لاکھ اور ضلع نظام آباد میں ۲،۲۹ لاکھ خاندانوں کو فائدہ پہنچا ہے۔

ضلع وزیانگرم میں ۱۹ ہزار مکانوں کیلئے زمین کی تقسیم

ماہ اپریل ۱۹۸۴ء تا ماہ جنوری ۱۹۸۵ء کے دوران پرگتی پدھم پروگرام کے تحت ضلع وزیانگرم میں ۱۹،۲۱۱ مکانوں کے لیے اراضی تقسیم کی گئی۔ ۱۹۵ مواضعات کو بجلی سربراہ کی گئی۔ ۵۳۲ پمپ سیٹوں کو برقایا گیا۔ ۲۲۳ ڈی آر او اسمال اسکیل انڈسٹریز یونٹ قائم کئے گئے۔ ۹۷۴ نوجوانوں کو خصوصی روزگار پروگرام کے تحت فائدہ پہنچایا گیا۔ ۵۲۳ شکایتوں کی یکسوئی کی گئی۔

انٹیگریٹیڈ رورل ڈیولپمنٹ پروگرام کے تحت ۲۸۲۷ درج فہرست اقوام اور ۱۶۱۵ درج فہرست قبائل کے بشمول جملہ ۸۴۱۳ افراد کو فائدہ پہنچایا گیا۔ اور مختلف معاشی پروگراموں کے تحت ۴۸۷۹ درج فہرست اقوام ۲۷۶۶ درج فہرست قبائل۔ ۱۷۸۲ پسماندہ طبقات کے خاندانوں اور ۱۳۶ خواتین کو معاشی امداد دی گئی۔ ۱۵۰۲۵ ٹن کیمیائی کھاد۔ ۷۴۴ ٹن بیج غذائی پیداوار میں اضافہ کے لیے کسانوں کو سربراہ کئے گئے۔

ضلع چتور میں پرگتی پدھم پروگرام

ماہ اپریل ۱۹۸۴ء سے جنوری ۱۹۸۵ء کے دوران پرگتی پدھم پروگرام کے تحت ضلع چتور میں ۵۱۲۱ پمپ سیٹوں کو برقایا گیا۔ ۲۵۱ ڈی آر اور اسمال اسکیل انڈسٹریل یونٹیں قائم کئے گئے۔ ۵۵۱ نوجوانوں کو خود روزگار اسکیم کے تحت فائدہ پہنچایا گیا۔

غذائی پیداوار بڑھانے کے لیے اس مدت کے دوران ۲۴۷۳۰ ٹن کھاد اور ۱۰۳۳ ٹن بیج کسانوں میں تقسیم کئے گئے۔

۱۲۴۴۸ مکانات کے پٹے تقسیم کئے گئے اور ۴۹۲۱ مکانوں کی تعمیر کرنے کے لیے امداد دی گئی۔ گندہ بستیوں کی ترقی کے پروگرام کے تحت ۵۴۷ گندہ بستیوں کو ترقی دی گئی۔

انٹیگریٹیڈ رورل ڈیولپمنٹ پروگرام کے تحت ۱۳۸۹۱ افراد بشمول ۶۳۸۴ درج فہرست اقوام اور ۸۶۲ درج فہرست قبائل کو فائدہ پہنچا۔

بشمول انٹیگریٹیڈ رورل ڈیولپمنٹ پروگرام دوسری مختلف اسکیمات

کے تحت ۱۴۸۸۴ درج فہرست اقوام ۱۲۲۳ درج فہرست قبائل ۲۵۰۳ پسماندہ طبقات کے خاندانوں اور ۵۷۶ خواتین کو فائدہ پہنچایا گیا۔

۲۷ مواضعات میں پینے کے پانی کا مسئلہ حل کیا گیا اور ۹۰ پینے کے پانی کے کنویں کھدائے گئے۔ گزشتہ ۱۰ ماہ کی مدت کے دوران ۸۰۰ شکایتوں کی یکسوئی کردی گئی۔

ضلع کرنول میں ایک ہزار سے زائد پمپ سیٹوں کو برقایا گیا

ضلع کرنول میں ماہ اپریل ۸۴ء سے جنوری ۸۵ء تک ۱۰۲۶ پمپ سیٹوں کو برقایا گیا۔ اور ۷۶۷۰۴۰ ٹن کھاد اور ۹۸۶ ٹن بیج کسانوں میں تقسیم کئے گئے۔

۲۳ مواضعات میں پینے کے پانی کے مسائل کو حل کیا گیا اور ۴۱۳ پینے کے پانی کے کنویں کھدائے گئے۔ ۷۸۸ شکایتوں کی یکسوئی کی گئی۔ ضلع میں گزشتہ ۱۰ ماہ کے دوران ۱۹۲ دیہی اور اسمال اسکیل انڈسٹریل یونٹس قائم کئے گئے اور خود روزگار اسکیمات کے تحت ۱۱۲۸ نوجوانوں کو فائدہ پہنچا۔

۱۱۳۹۸ مکانوں کے پٹے تقسیم کئے گئے اور ۲۱۳۲ مکانوں کی تعمیر کے لئے مدد دی گئی۔ اور گندی بستیوں کے ترقیاتی پروگرام کے تحت ۲۲۳۳۹ بستیوں کو ترقی دی گئی۔

انٹیگریٹیڈ رورل ڈیولپمنٹ پروگرام کے تحت ۹۸۹۴ افراد بشمول ۳۱۸۱ درج فہرست اقوام، اور ۱۵۳۲ درج فہرست قبائل کو فائدہ پہنچایا گیا۔

اور دوسرے پروگرام بشمول انٹیگریٹیڈ رورل ڈیولپمنٹ پروگرام کے تحت ۷۸۸۵ درج فہرست اقوام ۱۵۶۸ درج فہرست قبائل اور ۸۱۵ اکمزور طبقات کے خاندانوں و نیز ۳۵۲ عورتوں کو معاشی طور پر امداد دی گئی۔

ضلع رنگاریڈی میں ۱۹۰۰ پمپ سیٹوں کیلئے بجلی مہیا

ماہ اپریل ۱۹۸۴ء تا ماہ جنوری ۱۹۸۵ء دس ماہ کی مدت کے دوران ضلع رنگاریڈی میں پرگتی پدھم پروگرام کے تحت ۱۹۱۹ پمپ سیٹوں کیلئے بجلی سربراہ کی گئی۔ ۶۵۸۳۴ ٹن کیمیائی کھاد اور ۲۸۵ ٹن بیج کسانوں میں تقسیم کئے گئے۔ ۳۶۳ دیہی اور اسمال اسکیل انڈسٹریل یونٹس قائم کی گئیں متذکرہ مدت کے دوران ضلع میں ۲۸۱ شکایتوں کی یکسوئی کردی گئی۔

انٹیگریٹیڈ رورل ڈیولپمنٹ پروگرام کے تحت بشمول ۲۱۹۶ درج فہرست اقوام اور ۵۳۴ درج فہرست قبائل جملہ ۶۰۶۴ افراد کو فائدہ پہنچایا گیا۔ ۵۰۵۶ درج فہرست اقوام ۳۰۹۷ درج فہرست قبائل ۲۰۵۳ پسماندہ طبقات کے خاندانوں اور ۴۰۷ خواتین کو بشمول انٹیگریٹیڈ رورل ڈیولپمنٹ پروگرام دیگر مختلف اسکیمات کے تحت معاشی امداد دی گئی۔

۱۲۰۲۵ مکانات کی اراضی کے لیے تقسیم کئے گئے۔ ۲۸۴۰ مکانات کی تعمیر کے لیے امداد دی گئی۔ گندہ بستیوں کے ترقی دینے کے پروگرام کے تحت ۲۶۳۱ افراد پر مشتمل گندہ بستیوں کو ترقی دی گئی۔ ۶۰ مواضعات میں پینے کے پانی کا مسئلہ حل کر دیا گیا۔ گزشتہ ۱۰ ماہ کے دوران ۲۶۰ کنویں کھدائے گئے۔

ضلع میدک، پرگتی پدھم پروگرام کی پیش رفت

رواں مالی سال کے پہلے دس ماہ کے دوران زمین تقسیم کی گئی۔ ضلع میں پرگتی پدھم پروگرام کے تحت جملہ ۳۶۱۲ مکانات کے زمین تقسیم کی گئی اور

۳۲۱۹ مکانات کی تعمیر کے لیے مالی امداد مہیا کی گئی ۔ ۱۴،۷۵ افراد کی آبادی پر مشتمل گندہ بستیوں کی صفائی کے انتظامات کئے گئے۔

۲۰ مواضعات میں پینے کے پانی کا مسئلہ حل کیا گیا اور ۳۳۵ کنویں کھدائے گئے ۔ ۱۷۱ دیہی اور ۱۳ سال اکیس یونٹیں قائم کی گئیں۔

۱۵۰۳ درج فہرست اقوام اور ۲۵۰ درج فہرست قبائل کے بشمول جملہ ۴۵۰۰ افراد کو انٹیگریٹیڈ رورل ڈیولپمنٹ پروگرام کے تحت فائدہ پہنچایا گیا۔

۴۴۸۷ درج فہرست اقوام ۲۳۰ درج فہرست قبائل ۱۱۷۴ پسماندہ طبقات کے خاندانوں اور ۳۹۱ خواتین کو متذکرہ دس ماہ کی مدت کے دوران معاشی امداد فراہم کی گئی۔

۱۸۰۷ ٹن کھاد ۔ ۱۴۴۸ ٹن بیج کسانوں کو دیئے گئے غذائی اجناس کی پیداوار میں اضافہ کرنے کے لیے ۳۸۰۴ پمپ سیٹوں کو برقی فراہم کی گئی۔

ضلع کریم نگر میں ۵،۸۶ لاکھ روپیوں کے قرضوں کی تقسیم

کلکٹر ضلع کریم نگر نے بتایا کہ جاریہ سال ۸۵ – ۱۹۸۴ء کے دوران درج فہرست اقوام درج فہرست قبائل کے کسانوں کی بہتری کیلئے ۱۲،۱۷ لاکھ روپے خرچ کئے گئے ۔ زرعی شعبہ میں ۵،۸۶ لاکھ روپے اور افزائش مویشیاں کے شعبہ میں ۶،۳۱ لاکھ روپے صرف کئے گئے زرعی شعبہ میں ۱۵۲۷ مستفیضین کے منجملہ ۱۰۵۵ کا تعلق درج فہرست اقوام سے اور ۴۶ کا تعلق درج فہرست قبائل سے ہے۔ اور افزائش مویشیاں شعبہ میں ۹۰۶ مستفضین میں سے ۱۷۹ افراد درج فہرست اقوام سے اور ۵۰ درج فہرست قبائل سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ زرعی شعبہ میں اراضی کی ترقی کے لیے ۱،۵۵ لاکھ روپے کی مالی امداد بھی دی گئی۔

اس اسکیم کے تحت ۳۷،۱ لاکھ روپے کے خرچ سے ہل چلانے والے ۲۱۱ بیل ، ۱،۲۶ لاکھ روپے کے خرچ سے ۶۷ بیل اور گاڑیاں اور ۱۸،۰ لاکھ روپے کے خرچ سے بنڈیاں خریدی گئیں۔ دودھ دینے والے جانوروں کی خریدی کے لیے ۱،۳۷ لاکھ روپے، پولٹری کامپلکس کے قیام کیلئے ۲،۴۰ لاکھ روپے ، بھیڑ بکریوں کی پرورش گاہوں کے لیے ۳،۶۸۰ لاکھ روپے کے حساب سے رقمی منظوری دی گئی ۔ اب تک زرعی شعبہ کے تحت ۱۵۲۷ کسان اور افزائش مویشیاں کے شعبہ میں ۹۰۶ افراد مستفید ہو چکے ہیں ڈسٹرکٹ رورل ڈیولپمنٹ ایجنسی کے مقررہ نشانے کے تحت زرعی شعبہ میں مزید ۱۷۳ اور افزائش مویشیاں کے شعبہ میں مزید ۶۸ افراد کو جاریہ سال کے دوران میں امداد دینے کی گنجائش باقی ہے۔ ان تمام مستفضین کو مالی امداد جاریہ سال کے دوران پہنچائی جائے گی ۔

ضلع کریم نگر میں سوشیل ویلفیر اسکیمات

مسٹر کے ۔ آر ۔ پرامانیا کلکٹر کریم نگر نے بتایا کہ ضلع میں درج فہرست اقوام درج فہرست قبائل اور پچھلے ہوئے طبقات کی فلاح کے لیے مختلف اسکیمات شروع کی گئی ہیں۔ درج فہرست اقوام اور درج فہرست قبائل کے بچوں کے لیے ہاسٹلوں کی تعداد میں اضافہ کیا گیا۔ دو یتیم خانے اور بھیک مانگنے والے بچوں کے لیے اقامت خانے کھولے گئے ۔ سال رواں کے دوران ضلع میں ۵،۳۰ لاکھ روپے کے خرچ سے اقامت خانے قائم کئے گئے ۔ موضع میڈپلی تعلقہ میٹ پلی میں بچوں کے لیے ایک ' موضع ملاپور تعلقہ سلطان آباد میں لڑکیوں کے لیے ایک اقامتی اسکول کھولا گیا ہے ۔ لڑکوں کے اقامتی اسکول میں پانچویں سے آٹھویں جماعت کے لیے ۱۴۲ لڑکے ، لڑکیوں کے اسکول میں پانچویں جماعت سے آٹھویں جماعت تک ۴۶ لڑکیاں اب تک داخلہ لے چکی ہیں ۔ مذکورہ اقامتی اسکولوں کی

عمارتوں کی تعمیر کے لیے متعلقہ پنچایت راج ایگزیکٹیو انجینئروں کو ۵ لاکھ روپے فی عمارت کے حساب سے رقم منظور کردی گئی ہے۔

دو یتیم خانے ہر ایک میں ۱۰۰ بچوں کی رہائش کی گنجائش ہے۔ نومبر ۱۹۸۴ء میں کھولے گئے۔ ان میں لڑکیوں کا یتیم خانہ جگتیال اور لڑکوں کا یتیم خانہ پداپلی میں ہے۔ ان دو یتیم خانوں کو چلانے کے لیے ضلع میں سرکار سے ۱۶۹ لاکھ روپے خرچ کیے جا رہے ہیں۔ ویملواڑہ مندر میں بھیک مانگنے والوں کی حیثیت کو دور کرنے کے لیے ۳۹,۸۰۰ روپے کے خرچ سے بھکاریوں کے لیے اقامت خانہ سال رواں کے دوران قائم کیا جا رہا ہے۔

ضلع وشاکھاپٹنم — پرگتی پدھم

پروگراموں کی اسکیمات میں پیش رفت

ماہ اپریل ۱۹۸۴ء سے ماہ جنوری ۱۹۸۵ء کی مدت کے دوران ضلع میں ۱۳۵۳۰ مکانات کے لیے زمین تقسیم کی گئی۔ ۱۳۵۲ مکانات کی تعمیر کے لیے مالی امداد مہیا کی گئی۔ ۱۵۷۹۵ افراد پر مشتمل گندہ بستیوں کی صفائی کا انتظام کیا گیا۔ ۱۲۸ دیہات کو بجلی سربراہ کی گئی۔ (۳۷۵) دیہی اور سمال اسکیل انڈسٹریل یونٹیں قائم کی گئیں۔ خصوصی روزگار پروگرام کے تحت [redacted] نوجوانوں کو فائدہ پہنچایا گیا۔

۵۰۵ پمپ سیٹوں کے لیے بجلی سربراہ کی گئی۔ ۱۱۴۱۴ ٹن کھاد اور ۸۲۷ ٹن بیج غذائی پیداوار میں اضافہ کے لیے کسانوں میں تقسیم کیے گئے۔ ۶۴ دیہات میں پینے کے پانی کا مسئلہ حل کیا گیا۔ ۳۰۴ پانی کے کنویں کھدائے گئے۔

۳۰۶۰ درج فہرست اقوام اور ۹۹ ۳۰ درج فہرست قبائل کے بشمول جملہ ۱۳۹۶۸ افراد کو انٹیگریٹیڈ رورل ڈیولپمنٹ پروگرام کے تحت فائدہ پہنچایا گیا۔ ۱۰۰۰۴ درج فہرست اقوام ۴۴ ۹۷ درج فہرست قبائل ۲۳۳۲ پسماندہ طبقات کے خاندانوں اور ۲۶۹ خواتین کو انٹیگریٹیڈ رورل ڈیولپمنٹ پروگرام کے تحت معاشی امداد دی گئی۔

ضلع محبوب نگر میں ۷۷۰۰ سے زائد مکانات کی زمین تقسیم کی گئی

ضلع محبوب نگر میں پرگتی پدھم پروگراموں کے تحت ماہ اپریل ۸۴ء تا ماہ جنوری ۸۵ء (۷۷۲۴) مکانات کی زمین تقسیم کی گئی اور (۴۴۳۹) مکانات کی تعمیر کے لیے مالی امداد مہیا کی گئی۔ گندہ بستیوں کی صفائی کے پروگرام کے تحت ۲۱۲۹ افراد پر مشتمل آبادی کے علاقوں میں صفائی کا کام کیا گیا۔ انٹیگریٹیڈ رورل ڈیولپمنٹ پروگرام کے تحت ۱۹۳۲ درج فہرست اقوام اور ۱۷۷ درج فہرست قبائل کے بشمول ۹۷۹۴ کو فائدہ پہنچایا گیا دوسرے مختلف پروگراموں کے بشمول انٹیگریٹیڈ رورل ڈیولپمنٹ پروگرام کے تحت ۴۱۲۵ درج فہرست اقوام، ۱۸۱۵ درج فہرست قبائل اور ۱۹۷۰ پسماندہ طبقات کے خاندانوں اور ۱۴۱ ۵ خواتین کو فائدہ پہنچایا گیا۔

۲۱۷۰ پمپ سیٹوں کو برقی قوت سربراہ کی گئی۔ (۲۰۳۵۰۵) ٹن کھاد ۵۰۵ ٹن اعلیٰ قسم کے بیج پیداوار میں اضافہ کے لیے کسانوں کو دیئے گئے۔

۲۶ مواضعات کو بجلی سربراہ کی گئی۔ ۲۴۱ دیہی اور اسمال اسکیل انڈسٹریل یونٹ قائم کئے گئے۔ ۲۲ مواضعات میں پینے کے پانی کا مسئلہ حل کیا گیا اور ۲۶۰۰ شکایتوں کی یکسوئی کردی گئی۔

شری پوٹی سری راملو



روزنامہ "مدراس میل" نے اپنے ایک اداریے میں لکھا تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کی شہادت کے بعد پوٹی سری راملو نے سب سے بڑی قربانی ہمیشہ کی جو آندھرا اسٹیٹ کے قیام کے لیے انکی زندگی کی سب سے آخری اور انتہائی عظیم قربانی تھی ۔ وہ گاندھی جی کے سچے پیرو تھے انہوں نے روحانی اور دل کی گہرائیوں سے ہریجنوں کی ترقی اور چھوت چھات کی بیخ کنی کے لیے اپنے کو وقف کر دیا تھا۔ اپنی زندگی کی مختصر سی مدت کے دوران گاندھی جی کے خیالات کو عملی جامہ پہنانے کی سعی کی ۔

سری راملو کے والدین ضلع نیلور کے رہنے والے تھے لیکن بعد میں وہ لوگ مدراس میں جا کر آباد ہو گئے تھے وہ ١٦ ارمارچ ١٩٠١ء کو مدراس میں پیدا ہوئے ۔ بچپن ہی سے انہوں نے غربت کے خلاف جد وجہد شروع کر دی اور ١٩٢٤ء میں بمبئی سے سینیٹری انجینیرنگ کا ڈپلوما حاصل کیا ۔ اور جی - آئی - پی ریلوے میں بحیثیت اسسٹنٹ پلمبر کے ملازم ہو گئے ۔

سنہ ١٩١٦ء میں انکی شادی ہوئی لیکن چند ہی برسوں کے اندر انکی بیوی کا انتقال ہو گیا ۔ اسکے فوری بعد انکی والدہ بھی چل بسیں مختصر سی مدت کے اندر یہ اندوہناک حادثات پیش آنے کی وجہ سے انہوں نے تمام دنیاوی خواہشات کو خیرباد کہہ دیا اور اپنی زندگی کے باقی ایام مادر وطن اور عوام کی خدمت میں گزارنے کا فیصلہ کر لیا ۔ چنانچہ انہوں نے ریلوے کی ملازمت کو بھی استعفیٰ دیدیا اور مہاتما گاندھی کے سابرمتی آشرم احمدآباد میں داخل ہوئے ۔ سنہ ١٩٣٠ء میں نمک کی ستیہ گرہ میں حصہ لیا اور سنہ ١٩٤٠ء میں انفرادی ستیہ گرہ کی اور اسی سال جیل بھیج دئے گئے ۔ سنہ ١٩٤٠ء ہی میں قید سے رہائی کے بعد وہ راجکوٹ ستیہ گرہ آشرم میں داخل ہو گئے ۔ اور کھادی نشہ بندی نیز ہریجن سدھار کے کاموں میں لگ گئے ۔ کچھ دنوں کے بعد وہ اپنے صوبائی وطن کو واپس ہوئے اور گاندھی آشرم کومراولو سے کرشنا میں داخل ہو گئے ۔ ان ایام میں ہندوستان چھوڑدو تحریک میں حصہ لینے کی پاداش میں قید کر لئے گئے ۔

مہاتما گاندھی کے آشیرواد سے انہوں نے ہریجن سدھار پروگراموں
ند کے طور پر نیلور میں ہریجنوں کو مقامی مندروں میں داخلہ دلانے کیلئے
دن کا برت رکھا جس کے نتیجے میں نیلور کی راسخ العقیدہ ہندو
دری نے انکے مطالبے کو مان لیا اور مندروں میں ہریجنوں کو داخلے
اجازت دیدی۔

سری راملو نے ۱۹۴۸ء میں واردھا سیوا گرام آشرم
ں ہریجنوں کی ترقی وسدھار کے لیے مرن برت رکھا۔ ۲۸ روزوں
ے بعد وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے اعلان کیا کہ سال میں ایک
فعہ پورے ملک میں یوم ہریجن منایا جائے گا اور ہریجنوں کی ترقی کیلئے
ک کروڑ روپے سالانہ خرچ کئے جائیں گے۔ سری راملو نے دستور ساز
مبلی کے صدر نشین ڈاکٹر راجندر پرشاد اور او۔ راما سوامی ریڈیار چیف
نسٹر متحدہ مدراس اسٹیٹ کی مداخلت پر اپنا مرن برت توڑ دیا۔ پرکاشم
وزارت کی توجہ ہریجنوں کی ترقی کی طرف مبذول کرانے کے لیے انہوں نے
ایک اور برت رکھا۔ گاندھی جی نے سری راملو کے موقف کی بہت ستائش
کی اور انہیں "مضبوط کارکن" کا لقب دیا۔

سری راملو کے دل میں یہ خیال جڑ پکڑ گیا تھا کہ آندھرا پردیش
کے لیے علیحدہ ریاست اپنی زندگی کو قربان کر کے ہی وہ حاصل کر سکتے ہیں
انہوں نے کہا تھا کہ "اقتدار جن لوگوں کے ہاتھوں میں ہے انکے ذہن اور
خیالات کو بدلنا کوئی آسان بات نہیں اور ایسا کرنے کا مجھے ایک ہی
راستہ نظر آتا ہے وہ ہے اپنی خواہشات کو دباتے ہوئے نفرت کے
جذبے کے بغیر عزم صمیم کے ساتھ اپنی زندگی کو قربان کر دینا" چنانچہ انہوں
۱۹ اکتوبر ۱۹۵۲ء مدراس میں اپنے مرن برت کا آغاز کر دیا۔ ۵۸
دنوں تک برت کی تکلیف برداشت کی آخرکار اپنے محبوب و مقدس مقصد
کے حصول کے لیے اپنی جان کی قربانی پیش کی۔ انکی موت کے ساتھ ہی
آندھرا کے تمام علاقوں میں زبردست ہنگامے برپا ہوئے انکی موت
کے ۴ دن کے بعد وزیر اعظم نہرو نے پارلیمنٹ میں علیحدہ آندھرا اسٹیٹ
کے قیام کا اعلان کر دیا۔ یکم اکتوبر ۱۹۵۳ء کو آندھرا اسٹیٹ کا وجود عمل
میں آیا۔

پوٹی سری راملو آندھرا اسٹیٹ کے معمار کی حیثیت سے برسوں
یاد رکھے جائیں گے۔

●●

غزل

محبوب راہی
گلزاری مسجد
پوسٹ آفس بارسی ٹاکلی
۴۴۴۴۰۱ ڈسٹرکٹ اکولہ

کوئی غالب سے کوئی میر سے وابستہ ہے
ہر نظریہ کسی زنجیر سے وابستہ ہے

خواب سے اور نہ تعبیر سے وابستہ ہے
ہر حقیقت مری تحریر سے وابستہ ہے

یاس کی تیرہ و تاریک ہولناک یہ رات
صبح امید کی تنویر سے وابستہ ہے

جانے کیوں تیرے سراپا میں نہ محسوس ہوئی
دلکشی جو تری تصویر سے وابستہ ہے

داؤ جب بھی کوئی چلتا ہوں غلط پڑتا ہے
کجروی تو مری تقدیر سے وابستہ ہے

التجائیں بھی ہماری ہیں اثر سے خالی
خامشی بھی تری تاثیر سے وابستہ ہے

ہوگئی ہے وہ سیاہی مری سوچوں پہ محیط
جو ترے گیسوئے شب گیر سے وابستہ ہے

وہ مری بات کو تعریف سمجھ بیٹھے ہیں جو
پردۂ طنز میں تحقیر سے وابستہ ہے

خدمت شعر و ادب کا بہانہ راہی
شاعری جذبۂ تشہیر سے وابستہ ہے

ڈاکٹر امبیڈکر

دورِ جدید کے منو



انتہائی دانشمندانہ انداز میں " ہندو کوڈ بل " کی تدوین پر ڈاکٹر امبیڈکر کو جدید دور کا منو کہا جاتا ہے۔ انہوں نے ہندوستان کی تاریخ میں اپنے لیے ایک مستقل مقام پیدا کیا۔ وہ ایک لچکدار اور فعال شخصیت کے حامل تھے۔ دستور ہند اور ہندو کوڈ بل کی تیاری ان کا منفرد کارنامہ تصور کیا جاتا ہے۔ انکے سیاسی مخالفین بھی انکی فہم وفراست کی داد دیتے ہیں اور انہیں صف اول کا قومی قائد تسلیم کرتے ہیں۔ وہ تاریخ میں خاص طور پر اچھوتوں کے نجات دہندہ کی حیثیت سے یاد کیے جاتے رہیں گے۔

چاوا داوے رتنا

بھیم راؤ رام جی امبیڈکر ۱۴ر اپریل ۱۸۹۱ء کو ریاست اندور مہو کے مہار گھر میں پیدا ہوئے۔ انکے والد فوج میں صوبہ دار ہونے کی وجہ سے ایک ملٹری کیمپ سے دوسرے کیمپ منتقل ہوتے رہتے تھے لیکن رتناگری مہاراشٹرا انکا وطن تھا۔ بھیم راؤ اپنے والدین کی ۱۴ ویں اولاد تھے۔ مزاحیہ انداز میں وہ کہا کرتے تھے کہ میں "چودھواں رتن" ہوں اور دوسروں کو شکست دینے کے لئے پیدا ہوا ہوں۔ ان کا گھرانہ معاشی طور پر غریب تھا لیکن لوگوں میں عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔

شاندار تعلیمی ریکارڈ

امبیڈکر کا بہترین وشاندار تعلیمی ریکارڈ انکی اعلیٰ ذہانت کا ثبوت ہے۔ ایلفنسٹن کالج بمبئی سے ۱۹۱۲ء میں گریجویشن کی تکمیل کے بعد ریاست بڑودہ کے وظیفہ پر اعلیٰ تعلیم کے لیے U.S.A. روانہ ہوگئے جہاں انہوں نے ۱۹۱۵ء میں کولمبیا یونیورسٹی سے معاشیات میں ایم کے کی ڈگری حاصل کی اور ۱۹۱۶ء میں پی ایچ ڈی کی تکمیل کرلی۔ اسی سال وہ انگلینڈ گئے اور لندن اسکول آف اکنامکس اور پولیٹیکل سائنس اور GRAY'S INN میں داخلہ لیا۔ تعلیمی وظیفہ کی مدت ختم ہوجانے پر انہوں نے اپنا تعلیمی سلسلہ ختم کردیا اور ہندوستان واپس ہوگئے۔ سال ۱۹۱۸ تا ۱۹۲۰ء کے دوران بمبئی کے سڈنہم کالج آف کامرس اینڈ اکنامکس میں بحیثیت پروفیسر معاشیات کام کیا۔ دوستوں کی مالی امداد اور اپنی آمدنی میں سے بچت کرتے ہوئے

اپنی اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کے لیے دوبارہ ۱۹۲۰ء میں انگلینڈ گئے جہاں انہوں نے ۱۹۲۱ء میں M.SC کی ڈگری حاصل کی اور ۱۹۲۳ء میں انہیں D.SC کی ڈگری عطا کی گئی۔ اسی سال وہ بیرسٹری کے لیے مدعو کیے گئے۔

بے لوث صحافی

بمبئی ہائی کورٹ ۱۹۲۴ء میں وکالت کے پیشے سے وابستگی کے ساتھ ہی انکی سرگرم زندگی کا آغاز ہوا۔ "موکا نایک" (بے زبانوں کا قائد) پندرہ روزہ پرچہ کی اشاعت کے ساتھ انکے اندر چھپا ہوا صحافی منظر عام پر آگیا۔ مرہٹی زبان کا یہ پرچہ انہوں نے ۱۹۱۹ء میں شروع کیا تھا جسکی اشاعت ۲ سال تک جاری رہی۔ اچھوتوں کے مقاصد کو بلند کرنے اور انکے حالات کو بہتر بنانے کے لیے انہوں نے ایک اور مرہٹی پندرہ روزہ پرچہ ۱۹۲۷ میں "بہشکرت بھارت" کے نام سے نکالا۔ ۱۹۲۹ء اور ۱۹۳۰ء میں "جنتا" کے نام سے ایک ہفتہ وار جاری کیا۔ ۱۹۲۹ء میں "سماتا" کے نام سے ایک پرچہ نکالا جو انکی جانب سے شروع کردہ "سماج سماتا سنگھ" کا ترجمان تھا۔

خود ان کا تعلق اچھوتوں سے تھا چنانچہ امبیڈکر نے ہندستان کے کچلے ہوئے طبقات کو نجات دلانے کو اپنی زندگی کا مشن بنالیا۔ ۱۹۱۹ء میں ساوتھ برو ریفارم کمیٹی کے روبرو پیش ہو کر انہوں نے کچلے ہوئے طبقات کے لیے سیاسی حقوق کا مطالبہ کیا۔ جولائی ۱۹۲۴ء میں انہوں نے اچھوتوں کی مادی اور اخلاقی ترقی کے لیے بمبئی میں "بہشکرت ہتاکرنی سبھا" کا آغاز کیا۔ سال ۱۹۲۵ء اور ۱۹۳۰ء کے دوران انہوں نے بمبئی پریسیڈنسی میں اچھوت طلباء کے لیے ۴ اقامت خانے قایم کیے۔ ۱۹۲۷ء میں انہوں نے اچھوتوں اور اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے درمیان سماجی مساوات کا پرچار کرنے کے لیے "سماج سماتا سنگھ" قائم کیا۔ بین فرقہ جاتی شادیاں اور بین فرقہ جاتی طعام کا انتظام کرنا اس تنظیم کے پروگراموں کے اہم جزو تھے۔

ستیہ گرہ

اچھوتوں کو انصاف دلانے کے لیے تقریروں اور تحریروں سے غیر مطمئن ہوتے ہوئے امبیڈکر نے احتجاج اور جدوجہد کا راستہ اختیار کیا۔ اچھوتوں کو ضلع کولابہ اور مہاڑ کے عام تالابوں سے پانی لینے کے بلدی حقوق دلانے کے لیے انہوں نے دسمبر ۱۹۲۷ء میں ایک ستیہ گرہ کی قیادت کی۔ ناسک کے شہر کے کولارام مندر میں اچھوتوں کو داخلہ دلانے کے لیے انہوں نے مارچ ۱۹۳۰ء میں ایک اور ستیہ گرہ کی۔

سیاست میں بہت پہلے ہی انہوں نے کچلے ہوئے طبقات کے قاید کی حیثیت سے اپنا مقام بنایا تھا۔ ۱۹۲۲ء اور ۱۹۳۴ء کے دوران وہ بمبئی قانون ساز اسمبلی کے نامزد رکن رہے اس دوران انہوں نے کسانوں مزدوروں اور اچھوتوں کی فلاح کے لیے کئی قوانین پیش کیے۔ ۱۹۳۰ء اور ۱۹۳۱ء کے دوران لندن میں منعقدہ تین گول میز کانفرنسوں میں کچلے ہوئے طبقات کے نمائندے کی حیثیت سے شرکت کی۔ اچھوتوں کو علٰحدہ انتخابی رائے دہی کا حق دینے کے انکے مطالبہ کی گاندھی جی نے مخالفت کی تھی۔ اچھوتوں کے لیے علٰحدہ رائے دہی کا حق تسلیم کرتے ہوئے ۱۹۳۲ء میں دیئے گئے ایوارڈ کی مہاتما گاندھی نے شدید مخالفت کی اور اس کی مخالفت میں انہوں نے مرن برت کا آغاز کر دیا۔ پونا معاہدہ کی رو سے عام حلقوں میں اچھوتوں کے لیے محفوظ نشستیں فراہم کی گئیں۔ امبیڈکر اس سیاسی سمجھوتے سے مطمئن نہیں ہوئے اس لیے کہ اس سمجھوتے سے ہریجنوں کو سماج میں وہ مقام حاصل نہیں ہوا تھا جسے وہ حاصل کرنا چاہتے تھے (گاندھی جی کی جانب سے ہریجنوں کو دیئے گئے نام کی بدولت) انہوں نے محسوس کیا کہ ہریجنوں کو ہندو سماج میں کبھی بھی مساوی مقام حاصل نہیں ہوگا اس لئے انہوں نے اعلان کیا کہ تمام ہریجن ہندو سماج سے مکمل علٰحدگی اختیار کرتے ہوئے دوسرا مذہب قبول کرلیں گے۔ پہلے انہوں نے سکھ مت اختیار کرنے پھر بعد میں بدھ مت اختیار کرنے کا فیصلہ کیا لیکن اس

بھی ہریجنوں کے موقف میں کوئی تبدیلی نہیں آئی اور بیشتر ہریجن پھر سے اپنے مذہب میں واپس آگئے۔

ہریجنوں کی خدمت

جب کبھی بھی ہریجنوں کے مفادات کو فروغ دینے کا موقع ہاتھ آتا امبیڈکر ضرور اسکا استفادہ کرتے ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۶ء تک گورنر جنرل کی ایگزیکیٹیو کونسل کے ممبر کی حیثیت سے انہوں نے درج فہرست اقوام کی تعلیم کے لیے مرکزی حکومت سے کافی فنڈز و نیز مرکزی اور پراونشیل حکومتوں کی ملازمتوں میں انکے لیے نشستیں محفوظ کرائیں۔ انکی اپنی کوششوں سے انہوں نے درج فہرست اقوام کے مفادات کو فروغ دینے کے لیے جولائی ۱۹۴۵ء پیپلس ایجوکیشن سوسائٹی قائم کی جس نے بمبئی پریسیڈینسی میں درج فہرست اقوام کے لیے کئی کالج قائم کئے۔

اگرچیکہ امبیڈکر انڈین نیشنل کانگریس کو اس میں اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے غلبے کی وجہ سے زیادہ پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھتے تھے لیکن ۱۹۴۶-۴۷ء میں اقتدار کی منتقلی کے وقت قومی قائد کی حیثیت سے انکی اہمیت مسلمہ تھی اور کانگریس نے انہیں دستور ساز اسمبلی کا رکن نامزد کیا اور نہرو کابینہ میں وزیر قانون کی حیثیت سے شامل کرلئے گئے۔ انہیں دستور مدون کرنے والی کمیٹی کا صدر نشین مقرر کیا گیا۔ جسے انہوں نے بڑی کامیابی کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچایا اور ہر طرف سے انکی صلاحیتوں کو سراہا گیا۔ انہوں نے ہندو کوڈ بل کی بھی تدوین کی لیکن دقیانوسیت کی بالادستی کی وجہ سے کابینہ کے بعض وزراء نے قانون کی مخالفت کی۔

کئی کتابوں کے مصنف

امبیڈکر صد پہلو والی شخصیت کے حامل تھے۔ وہ کئی کتابوں کے مصنف تھے جو یہ ہیں "کاسٹ ان انڈیا" زر کے مسائل "برطانوی ہند میں صوبائی مالیاتی نظام کا ارتقاء" پاکستان کے تعلق سے خیالات "رانا ڈے" گاندھی جی اور جناح" لسانی ریاستوں کے تعلق سے خیالات"

ڈاکٹر بی۔ آر۔ امبیڈکر نے ہندوستانی آبادی کے ایک بڑے حصہ کی معاشی حالت زار دنیا والوں کی توجہ مبذول کرانے میں اور انہیں انصاف دلانے کی ضرورت کو نمایاں کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ زندگی کی اپنی اس کوشش میں وہ کچھ حد تک ہریجنوں کے حالات بہتر بنانے میں کامیاب رہے۔ اپنی ان کوششوں اور انسانی بھلائی کے کاموں کی وجہ سے انہیں گاندھی جی کے ساتھ یاد کیا جاتا رہے گا۔ اگرچیکہ ان دونوں کے طریقے علاحدہ تھے لیکن منزل ایک ہی تھی۔

••

حمید آرموری

کیوی



نیوزی لینڈ کا قومی پرندہ

کسی زمانے میں بے پرواز پرندے ریٹائٹس کہلاتے تھے۔ جو لاطینی لفظ "ریٹائٹ" سے نکلا ہے۔ اس سے مراد ایسے پرندے ہیں جن کے سینے کی ہڈی سپاٹ ہوتی ہے۔ اور جو پروازی اعصاب کو سہارنے والی ہڈی سے لیس نہیں ہوتے۔ لیکن یہ دریافت نہیں ہوسکا کہ یہ پرندے اُن پرندوں کی نسل سے ہیں جو پہلے کبھی طاقتِ پرواز رکھتے تھے۔ یا پھر اُن کا تعلق پینگوئن جیسے پرندوں سے ہے جو ازل ہی سے اُڑنے کی قوت سے محروم ہیں۔ بہرحال آج نیوزی لینڈ نئے ناموں والے قوتِ پرواز سے محروم ان گنت اقسام کے بے شمار پرندوں کی جنت بنا ہوا ہے۔ ان میں سے بعض پرندے تو نہایت ہی عجیب و غریب اور اسی سرزمین سے مخصوص ہیں۔ مثال کے طور پر جنگلی مرغی کا رشتہ دار اٹیورنس، لمبی ٹانگوں والا عقاب، کاکاپو طوطا، تاز، مولا (MOA) اور کیوی وغیرہ

کیوی کو باقی تمام پرندوں پر اس لحاظ سے فوقیت حاصل ہے کہ
ننّا سا نرالا پرندہ نیوزی لینڈ کے باشندوں کی قومی زندگی کا ایک لازمی
نگیا ہے۔ اور اسے وہاں بڑی وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اس پرندے
ت اور قدردانی کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ آج بیرونی
ں نیوزی لینڈ کے باشندوں کو "کی ویز" کے مختصر نام سے یاد کیا جاتا ہے
ں ایک وجہ یہ ہے کہ یہ پرندہ نیوزی لینڈ کی سرزمین کے سوا دنیا کے کسی
لے میں نہیں پایا جاتا۔ شاید اسی لئے یہ پرندہ نیوزی لینڈ کی قوم اور
ک ندہ قومی نشان بنا ہوا ہے۔

دیکھنے میں تو یہ ننھا سا پرندہ ہے۔ لیکن نیوزی لینڈ کی آب و ہوا
ں کی عادتوں اور خصلتوں میں کچھ ایسی تبدیلیاں کردی ہیں کہ وہ مصائب

کا مجموعہ بن کر رہ گیا ہے۔ پرندوں میں گنے جانے کے باوجود یہ پروں کے بوجھ سے آزاد ہے۔ اس کا سارا جسم بالوں سے ڈھکا ہوا ہوتا ہے۔ اس کے جسم کی گول مٹول ہیئت جو ایک فٹ کے قریب ہوتی ہے۔ بالوں میں لپٹے ہوئے بنڈل کی طرح لگتی ہے۔ اس کے دُم تو ہوتی ہی نہیں۔ البتہ پیچھے کمانی دار بالوں کا گچھا جو بھاگتے وقت ہلتا رہتا ہے۔ دُم کی کسر پوری کر دیتا ہے۔ چھوٹے سے سر کے ساتھ چھ انچ لمبی چونچ بڑی عجیب سی لگتی ہے۔

کیوی کی سونگھنے کی قوت اتنی تیز ہوتی ہے جتنی بلڈ ہاؤنڈ کی۔ یہ انکشاف ڈاکٹر ونزل نامی ایک خاتون ریسرچ اسکالر نے کیا ہے۔ جو آجکل کیلی فورنیا یونیورسٹی میں اس پرندے کے بارے میں تحقیقات کر رہی تھیں۔

ایک دن اس خاتون نے ایک بہت ہی عجیب تجربہ کیا۔ انہوں نے

خاص قسم کی تین قابیں لیں۔ ان میں سے ایک قاب میں غذا اور باقی دو میں مٹی بھر کر ان تینوں قابوں کو زمین میں دبا کر رکھ دیا۔ اوپر سے نائیلون کا کپڑا ڈھک کر انہوں نے گڑھے کو مٹی سے بھر دیا۔ تاکہ چیر کر یا چکھ کر غذا کی شناخت نہ کی جا سکے۔ اس کے بعد جب کیوی کو چھوڑا گیا تو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ اس نے صرف اسی قاب کو اپنی چونچ سے مٹی کرید کر باہر نکالا جس میں غذا رکھی گئی تھی۔ مٹی سے بھرے دونوں قابوں کو اس نے چھوا تک نہیں۔ اس واقعے سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ دوسرے پرندوں کے مقابلے میں کیوی کی سونگھنے کی قوت بلا کی تیز واقع ہوئی ہے۔

اس پرندے کی دوسری خاص بات یہ ہے کہ اس کی چونچ میں نتھنے کے جو دو سوراخ ہوتے ہیں وہ دوسرے پرندوں کے برخلاف آخر میں ہوتے ہیں اور یہ سوراخ اس قدر تنگ ہوتے ہیں کہ جب کیوی غذا کی کھوج میں [illegible] مٹی [illegible] تا ہے تو اس کے نتھنے مٹی کے گھسنے سے بند نہیں ہوتے۔ اگر [illegible] تو قدرت [illegible] مداوا [illegible] طرح کر دیا ہے [illegible] نتھنوں کے متعلقہ غدود سے ایک خاص قسم کی ریزش ہمیشہ رستی رہتی ہے جو مٹی [illegible] میں جمنے نہیں دیتی۔

کیوی اپنے سونگھنے کی قوت کی مدد ہی سے خوراک تلاش کرتا ہے کیونکہ اس کی بصارت کافی کمزور ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ جو اس کے سرگرم عمل رہنے کا وقت ہوتا ہے خوراک کی تلاش میں جب وہ نکلتا ہے تو اس کی لمبی چونچ کو زمین پر اِدھر اُدھر ٹٹول کر غذا کا پتہ چلاتا ہے۔

کیوی کی قدرتی خوراک میں کیڑے مکوڑے، کینچوے، چونٹیاں، گھونگھے، میوے اور ترکاریاں، دانا دنکا سب ہی کچھ شامل ہے جو زمین کے اوپر آسانی سے دستیاب ہو جاتے ہیں۔ کیوی دنیا کا واحد پرندہ ہے جو سونگھنے کی قوت کے سہارے رات کی تاریکی میں زمین کے اندر سے کیڑے مکوڑے [illegible] ڈھونڈ کر نکال کر چٹ کر جاتا ہے۔ اسی قوت شامہ کی بدولت وہ ہزاروں برس سے اپنی جسمانی ہیئت اور شکل و شباہت میں بغیر کسی قسم کی تبدیلی کے دور افتادہ گھنے جنگلوں میں زندگی گذارتا چلا آرہا ہے۔ کیوی کی آنکھیں چھوٹی ہوتی ہیں۔ اور دیکھنے کی قوت اتنی کمزور ہوتی ہے کہ سورج کی روشنی میں ایک فٹ سے آگے کی چیز بھی اسے صاف نظر نہیں آتی۔ البتہ رات کی تاریکی میں وہ آ[illegible] سے چھ فٹ تک دیکھ سکتا ہے

نر کیوی اور مادہ کیوی کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ نر، نرم خو اور نیک نفس ہوتا ہے۔ ساتھ ہی خاصا ڈرپوک بھی۔ جانوروں کے خوف سے دن میں کبھی نہیں نکلتا۔ سارا دن کسی درخت کی کھوکھلی جڑ میں یا خرگوش کی طرح زمین دوز ٹھکانے میں پڑے گذار دیتا ہے

اور سورج

غروب ہونے کے ساتھ ہی خوراک کی تلاش میں نکلتا ہے۔ لیکن اس کا دائرہ عمل بہت ہی محدود اور ٹھکانے کے قریب ہوتا ہے۔

مادہ کیوی بڑی چنچل اور شریر ہوتی ہے۔ نئے نئے نروں کی تلاش میں غذا ڈھونڈنے کے بہلنے رات کی تاریکی میں بہت دور جنگل میں نکل جاتی ہے اس کی لڑاکا فطرت کے باعث نر اس کے آگے دم نہیں مارتا۔ ماہرین حیوانات کا کہنا ہے کہ نر کیوی اپنی مادہ سے بہت ڈرتا ہے۔ اور اس کی مرضی کے خلاف کبھی نہیں جاتا۔ اسلئے ماہرین حیوانات نے نر کیوی کو زن مرید پرندوں کی فہرست میں سرفہرست رکھا ہے۔

لیکن یہ زن مرید پرندہ "ملاپ" کے موسم میں خاصی جنگجویانہ فطرت کا اظہار کرتا ہے۔ اپنی مادہ پر رُعب جمانے کیلئے وہ دوسرے نروں سے بھڑ جاتا ہے۔ ان کے درمیان ایسی خوفناک لڑائی ہوتی ہے کہ دونوں پرندے خون میں نہا جاتے ہیں۔ وہ اپنے نوکیلے پنجوں سے ہتھیار کا کام لیتے ہیں کیوی کے ہر پنکھ کے بالائی سرے پر سینگ دار جھنگل بھی ہوتا ہے۔

کیوی دشمن کا سامنا کرنے سے عموماً کتراتا ہے۔ اور کسی طرح بھی راہ فرار اختیار کرنا چاہتا ہے۔ اگرچہ کہ وہ اُڑ نہیں سکتا لیکن قدرت نے اسے اتنی مضبوط ٹانگیں دی ہیں کہ وہ تیزی سے دوڑ کر دشمن کی گرفت سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ دوڑتے وقت وہ اپنی گردن کو آگے کی جانب کھینچتا ہوا آگے بڑھتا ہے۔ قد و قامت میں نر اپنی مادہ سے چھوٹا ہوتا ہے۔ مادہ کیوی

امت اور قد عام گھریلو مرغی کے برابر ہوتا ہے۔ وہ سال میں صرف اور بعض مرتبہ دو انڈے دیتی ہے۔ انڈے کی لمبائی پانچ انچ اور ئی کوئی تین انچ کے قریب ہوتی ہے۔ یعنی مادہ کیوی کی جسامت یک چوتھائی — مادہ کیوی کا وزن تقریباً چار یا پانچ پونڈ ہوتا ہے جبکہ کے انڈے کا وزن عموماً کوئی چودہ پندرہ اونس کے قریب ہوتا ہے۔ ا دینے کے بعد مادہ کیوی یہ سمجھتی ہے کہ اس کا فرض پورا ہوگیا۔ چنانچہ ے کو فراموش کرکے دوسرے نر (دا) کی تلاش میں جنگل میں نکل جاتی ہے یے چارے نر کیوی کو مادہ کے فرائض انجام دینے پڑتے ہیں)۔ نر بیچارہ رات انڈے پر بیٹھا اسے سیا رہتا ہے۔ انڈا سینے کے دنوں میں وہ کل جنگل میں نظر آتا ہے۔ وہ بھی حسب ضرورت تھوڑی دیر کے لیے حصول اک کی خاطر۔ ورنہ صبح سے شام تک وہ انڈے پر جم کر بیٹھا رہتا ہے انچہ کئی کئی دن بغیر کچھ کھائے پیئے گذار دیتا ہے۔ اسلئے بہت کمزور نحیف ہوجاتا ہے۔

اسی دن بعد انڈے سے بچہ نکلتا ہے۔ پیدائش کے بعد یہ کافی وزنی ہوتا ہے۔ اس لئے وہ ایک ہفتہ تک مطلق حرکت نہیں کرسکتا۔ ر فاقہ کشی کا شکار ہوجاتا ہے۔ لیکن یہ فاقہ کشی اس کے حق میں رحمت بت ہوتی ہے۔ کیونکہ غذا نہ ملنے سے اس کا وزن خود بخود کم ہوجاتا ہے ر وہ حرکت کرنے کے قابل ہوجاتا ہے۔ جب وہ کھڑے رہنے کا اہل ہوجاتا ہے اور دانہ دنکا چگنے لگتا ہے تو اس کے بڑھنے کی رفتار کافی سست ہوتی ہے۔ کوئی پانچ چھ سال میں جاکر وہ جوان ہوتا ہے۔ "پورا کیوی" بننے کے بعد وہ اپنی ایک علٰحدہ نئی زندگی کا آغاز کرتا ہے۔ مور کی طرح کیوی ئی پچیس برس تک زندہ رہتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ نیوزی لینڈ کے قدیم باشندے ماؤریس کیوی کا شکار بڑے شوق سے کرتے تھے۔ اسی اندھا دھند شکار کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس عجیب و غریب پرندے کی نسل تقریباً خاتمے کے درجے تک پہنچ گئی۔ اپنی سرزمین سے اپنے محبوب پرندے کو اس طرح غائب ہوتے دیکھکر وہاں کی حکومت کو تشویش ہوئی اور اس خیال سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس نایاب پرندے کی نسل کا وجود ہی سرزمین نیوزی لینڈ سے مٹ جائے۔ حکومت نے ۱۹۱۲ء میں ایک قانون کے ذریعے اس پرندے کا شکار ممنوع قرار دیا۔ لیکن اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا۔ اس پر حکومت نے ایک اور قانون وضع کیا جس میں اس پرندے کی سلامتی اور تحفظ کی ضمانت دی گئی اور اس کی خلاف ورزی کرنے والے کو سخت سزا کا حق دار قرار دیا گیا۔ اس قانون کے علاوہ حکومت نے ایک کتابچہ بھی شائع کیا۔ جس میں کہا گیا تھا کہ " مہربان — کیوی کی نسل کو ناپید ہونے سے بچائیے — اسے بھی اپنے ساتھ سرزمین وطن پر زندہ رہنے کا حق دیجئے۔ لیکن اس طرح نہیں جیسے آج محض چند کیوی ساحل سمندر پر یا ڈاک ٹکٹوں، دھاتی نوٹوں پر، سکوں اور تجارتی اشتہاروں اور ٹریڈ مارکوں کی صورت میں زندہ رہ گئے ہیں۔"

اب آخر میں اس فخر قوم پرندے کے نام کی اصل وجہ بھی سن لیجئے — جب یہ پرندہ پکارتا ہے تو " کی وی — کی وی — " کی آواز نکلتی ہے۔ نیوزی لینڈ کے قدیم باشندے ماؤریس نے اسی آواز پر اس کا نام "کیوی" رکھا ہے۔ کتنا عجیب نام ہے۔ لیکن نیوزی لینڈ والوں کے لیے نہیں — صرف ہمارے اور آپ کے لئے! ●●

محمد رضی الدین معظم

۲۰-۳-۸۶۶ رحیم منزل شاہ گنج حیدرآباد ۲

شہری وسماجی شعور
وقت کی اہم ترین ضرورت

۱۵ راگست ۱۹۴۷ء سے مادر وطن ہندستان نے آزادی کی سانس لی ہے یوں محسوس ہوتا ہے کہ عوام کو انکی کھوئی ہوئی روح مل گئی ہے اور ان میں اپنے حقوق کا احساس پروان چڑھ رہا ہے لیکن بد قسمتی سے اس کے ساتھ انہیں اپنے فرائض ڈسپلن اور باہمی تعاون کا احساس پیدا نہیں ہوا۔ درحقیقت ہم میں کچھ اخلاقی بنیادیں کمزور پڑی ہوئی ہیں اور یہی کمی ہماری شہری زندگی میں ترقی کی رکاوٹ بنی ہوئی ہے جب تک ہم میں شہری اور سماجی شعور پیدا نہ ہوجائے گا اس وقت تک ہم خوشی و مسرت کے ساتھ سکھ چین کی زندگی نہیں گذار سکتے۔ اگر کسی سماج میں ہر فرد دوسرے افراد کا خیال کئے بغیر اپنے مفادات پر نظر رکھے گا تو اس کی مثال صرف ایک جانور کی سی ہوگی۔ جب کہ انسان تو اشرف المخلوقات ہے۔ اور بحیثیت آزاد مملکت کے ایک شہری ہونے کے آپس میں دوسروں کے آرام اور احساسات کا خیال بدرجہ اتم موجود ہونا نہایت ضروری ہے۔ آج ہم ملک میں ہر طرف جو افراتفری، بے چینی، لوٹ مار، آتشزنی، خونریزی دیکھ رہے ہیں وہ محض ہمارے فرائض کی جانب سے لاپرواہی برتنے کا نتیجہ ہے لہذا ہمیں عہد کرنا چاہیئے کہ ہم کسی طرح سماجی اور شہری شعور پیدا کرکے ہی دم لیں گے جو وقت کی ایک اہم ترین ضرورت ہے۔ ذیل میں اسی کو پیش نظر رکھتے ہوئے چند اصولِ فرائض پیش کر رہا ہوں توقع ہے کہ قارئین ضرور اس طرف توجہ فرما کر اپنے آپ کو ایک کامیاب شہری کی صورت میں پیش کریں گے۔

تعلیمی درسگاہوں میں شہریت کا عملی کورس

ہر ایک یہ جانتا ہے کہ تمام اچھی عادات کی طرح شہریت کے شعور کی ابتدا بھی تعلیمی درسگاہ سے ہوتی ہے اسی لئے ماں کی آغوش کو بھی بچہ کی پہلی درسگاہ سمجھا جاتا ہے، اساتذہ کو چاہیئے کہ طلباء میں خود اعتمادی پیدا کرے سماج اور دوسروں کے حقوق کا خیال رکھنے کی عادت ڈلوائے۔ ہمیشہ یہ سمجھاتے رہے کہ حقوق کیساتھ فرائض بھی منسلک ہوتے ہیں۔ اس بات کی بھی ترغیب دی جائے کہ وہ گھر اسکول شہر یا گاؤں کیلئے جو بھی فلاح و بہبود کے کام کرسکیں انجام دیں اور اپنی مدد آپ کا جذبہ پیدا کریں، استاد اور والدین ایک دوسرے کو رپورٹیں بھیجیں والدین کے جلسے طلب کئے جائیں اور استاد ان کے گھر جاکر بات چیت کریں۔ بچے نقال ہوتے ہیں استاد شہریت کے عملی اصول اپنے کردار سے قائم کرے تاکہ بچوں میں فوری شہریت تربیت حاصل ہوجائے ذاتی اور اسکولی حفظانِ صحت ہاتھ پاؤں آنکھ ناک منہ بال ناخن وغیرہ صاف رکھنے اور غسل کی اہمیت کے بارے میں اسکول کی PRAYER MEETING

میں معائنہ کرے بیٹھنے، اٹھنے اور چلتے وقت جسم اور کمر کو سیدھا رکھنے کی تربیت دے۔ کاغذ کے پرزے وغیرہ پھینکنے کے لیے ردی دان استعمال کرنے کی تربیت سکھلائے کتابوں، کمرہ جماعت اسکی دیواروں اور فرنیچر کو خراب کرنے یا ان پر کچھ لکھنے سے احتراز کرنے کی تربیت دینا ہے طلبا کو بتلایا جائے کہ وہ نہ صرف ایک دوسرے کی صفائی ہی کا خیال رکھیں بلکہ پورے سماج ہر جگہ صفائی کا خیال رکھے والدین بھائی بہن استاد مہمان اجنبی کا ادب کرنے شائستگی سے بات چیت کرنے اور خاص طور پر اپنی باری پر ہی سنجیدہ جواب دینے، جانوروں پر رحم، سڑکوں پر چلنے ٹرافک کے قواعد کی پابندی، ڈاک خانہ، ریلوے اسٹیشن، ہسپتال کا صحیح طور پر استعمال اور صفائی، ووٹ کا صحیح استعمال، سرکار کے بھلائی کے کاموں میں دلچسپی و تعاون وغیرہ کی وقت بوقت تربیت دینا بھی از حد ضروری ہے اسطرح لازمی طور پر ایک کم عمر بچہ جب سن بلوغ کو پہنچے گا تو اسکول سے بہترین شہری بن کر نکلے گا۔

دوسروں کے حقوق کا احترام اور اس کا تحفظ

یہ جانتے ہوئے کہ ہم سب سماج کا جزو ہیں یہ اچھی طرح جان لیں کہ اپنی ذاتی ترقی و خوشحالی سارے سماج کی صحت و بہتری سے وابستہ ہے۔ صدق دلی سے ہمیشہ کوشش رہے گی کہ نہ صرف اپنے مکان کو بلکہ گرد و نواح کو بھی صاف ستھرا رکھیں گے اور اپنے گھر کا کوڑا کرکٹ یا گندہ پانی اپنے ہمسائے کے نزدیک نہ پھینکیں گے سڑکوں یا ریل گاڑی بس وغیرہ میں گندگی نہ پھیلائیں گے سرکاری عمارتوں پارکوں یا دوسری خوبصورت تفریح کی جگہوں کو خراب نہ کریں گے اور نہ کسی قسم کا نقصان پہنچائیں گے۔ ہمیشہ وقت کے پابند رہیں گے اور فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں گے۔ عورتوں اور بچوں ضعیفوں کا احترام کریں گے اور انکی بہتری کیلئے ہر ممکن کوشش کریں گے۔ ہمیشہ ایمانداری سے اپنے فرائض ادا کرنے کے سلسلے میں کسی سے نہ ڈریں گے۔ خوف خدا پیش نظر رہے گا نہ ہی کسی سے بیجا رعایت کریں گے اور نہ کبھی رشوت لیں گے نہ دیں گے۔ ٹکٹ کے بغیر کبھی سفر نہ کریں گے سرکاری محصول کے حسابات پیش کرنے میں کوئی کمی بیشی نہ کریں گے نہ ہی ناجائز فائدہ اٹھانے کے لیے کوئی غلط بات لکھ کر دیں گے۔ آپسی جھگڑوں کے تصفیے میں انصاف و صبر و تحمل سے کام لیں گے اور مختلف خیالات رکھنے والے یا مختلف مذاہب کے لوگوں سمیت تمام دوسرے لوگوں کے حقوق کا احترام کریں گے۔ خیالات زبان اور عمل سے مادر وطن کے وفادار رہیں گے۔

مشترکہ بھلائی کے لئے باہمی تعاون

دنیا میں کوئی شخص اکیلا نہیں رہ سکتا خواہ اس کے پاس ساری دنیا کی دولت ہی کیوں نہ ہو ہمارا ایک دوسرے پر انحصار ہے اور ہماری بیشتر زندگی اپنے گھر یا اسکول، گاؤں یا شہر سماج یا ملک میں دوسروں کے ساتھ گزرتی ہے اسی طرح ہم سب ایک ہی جسم کے مختلف اعضاء کی مانند یکجا ہیں اور ضروری ہے کہ جسمانی اعضا کی طرح مشترکہ بھلائی کے لیے ایک دوسرے سے تعاون کریں کیونکہ ہماری اپنی خوشی اور ترقی کا انحصار بھی زیادہ تر مشترکہ بھلائی پر ہی موقوف ہے حقوق کے ساتھ ذمہ داریاں بھی ہوا کرتی ہیں۔ اگر تمام لوگ حقوق پر ہی نظر رکھیں اور فرائض سے کوتاہی کریں تو سماج کا شیرازہ بکھر جائے گا اور کوئی شخص بھی اپنے حقوق سے مستفید نہ ہو سکے گا۔

خوش خلقی کا اظہار

انسان اور حیوان میں بڑا فرق یہ ہے کہ انسان بات کر سکتا ہے حیوان نہیں بات چیت کرنے کی طاقت خدا کا عطیہ اکرم ہے اسلئے ہماری کوشش یہی ہونی چاہئیے کہ ہم سچ بولیں کسی کا دل نہ دکھائیں اور دوسروں کی مدد کریں۔ منہ سے نکلا ہوا لفظ واپس نہیں ہو سکتا چاہے وہ اچھا ہو یا برا اگر آپ کسی مصیبت کے مارے کی کوئی اور مدد نہیں کر سکتے تو کم از کم اس سے میٹھی بات تو کر سکتے ہیں اس سے خندہ پیشانی سے پیش آئیے ایسی بات کیجئے جس سے وہ ذرا خوش ہو جائے محبت و عنایت سے پیش آنے پر کچھ خرچ نہیں آتا لیکن اس سے آپ دوسروں کے دل موہ لیں گے اور دنیا کو خوش رکھیں گے خوش گفتاری اور خوش اخلاقی سے پیش آنا کلچر کی علامت ہے اسی طرح اجنبی بوڑھے یا اپاہج کی مدد کرنا اور ان کے ساتھ شائستگی سے

ں آنا کلچر کی نشانی ہے۔ کسی پر تہمت لگانا، گالی دینا یا چیخ کر بات کرنا بری
ہے اور ناشائستگی کی نشانی ہے۔ اس سے اپنے وقار کو ٹھیس پہنچا
تہذیب یافتہ لوگ جب کبھی کسی سے مدد لیتے ہیں یا کوئی غلطی کرتے
ذ فوراً "شکریہ" "معاف فرمائیے" کے الفاظ استعمال کرتے ہیں اس
کے الفاظ سماج کی ترقی پسندی کی علامت سمجھے جاتے ہیں اور
ت مفید ثابت ہوتے ہیں۔

صف میں کھڑا ہونے کی تربیت

خدا نے ہمیں ایک زبان اور دو کان عطا کئے ہیں۔ اسلئے سنو
اور بولو کم۔ دوسرے شخص کے خیالات کو غور سے سننا چاہیئے خواہ
اپنے سے اختلاف ہی کیوں نہ ہو یہ دانشمندی کی کلید ہے۔ جلسوں
فرنسوں میں بہت سا وقت اس طرح ضائع ہو جاتا ہے کہ ہر شخص اپنے
ت ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے اگر یہ شخص اپنی باری آنے پر بولیں
کم عرصے میں زیادہ معاملے طے کر سکتے ہیں کسی دوسرے کی جگہ خود بس
دار ہو جانا یا اپنی باری کو چھوڑ کر دوسرے سے پہلے ٹکٹ خریدنے یا سرکاری
سے پانی بھرنے کی کوشش کرنا یا ریل گاڑی و بس میں زیادہ جگہ پر قبضہ
س سے دوسروں کو جگہ نہ ملے یا انہیں تکلیف ہو دوسروں کے حقوق پر
ڈالنے کے برابر ہے۔ بچوں کو بھی سکھانا چاہیئے کہ وہ انعام یا مٹھائی تقسیم
، وقت اپنی باری سے آگے نہ بڑھیں۔

عورتیں اور بچوں کا احترام

کسی ملک کی تہذیب کا اندازہ اس بات سے لگایا جاتا ہے کہ اس کی
ں کو سماج میں کیا مقام، درجہ و مرتبہ حاصل ہے۔ ہمارے ملک میں
عورتوں سے انصاف نہیں کیا جاتا لڑکی پیدا ہونے پر برا مانا جاتا ہے
پ بھی روزمرہ کے برتاؤ میں لڑکیوں کی نسبت لڑکوں سے امتیازی سلوک
کھتے ہیں لڑکیوں کی تعلیم کی طرف پوری طور پر توجہ نہیں کی جاتی۔ انہیں صرف

بیاہ دینے کی فکر میں رہتے ہیں اس وقت بھی لڑکا کا صحیح انتخاب نہ کرکے اسکی
مرضی کے خلاف شادی رچا دیتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شادی کے بعد
سسرال والے اور شوہر بھی انہیں تنگ کرتے ہیں۔ انہیں زبردستی بیوہ بٹھلائے
رکھنا سماج کی پیشانی پر کلنک ہے۔ ہماری موجودہ اقتصادیات تبدیلی کے متقاضی
ہے آج کل دولت اور حصول دولت کی طرف ہی زیادہ توجہ دی جا رہی ہے اور یہ
بات نظرانداز کر دی جا رہی ہے کہ بیوی گھر بار اور بال بچوں کی دیکھ بھال کے
ذریعہ ایسی دولت اور خوشی پیدا کرتی ہے جو روپے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔
یہ سچ ہے کہ ماں ہی بچے کو بناتی یا بگاڑتی ہے عورتوں کی ذمہ داری بہت زیادہ ہے
اور انہیں اس بات کا احساس ہونا چاہیئے کہ انہیں اچھی بیوی اچھی ماں بننے
کی کوشش کرے کہ حتی الامکان شوہر کی اطاعت میں کوتاہی نہ ہو عورتوں کی فلاح
و بہبود کی سب سے اہم اسکیم یہی ہے کہ انہیں اور جو ان پڑھ ہوں خصوصی
طور پر بنیادی گھریلو مسائل اور بچوں کی دیکھ بھال کی تعلیم دی جائے۔ دستکاری
سکھلائی جائیں جو عورت کفایت شعار، وفا شعار ہوگی وہ گھر جنت ہے۔
ضرور ایسی عورت احترام اور محبت کی نظروں سے دیکھی جاتی ہے۔ بچے قوم کا سرمایہ
ہیں اور وہ ملک کے مستقبل کے سربرآوردہ شہری بننے والے ہیں ہر بچے کو خواہ
وہ غریب ہو یا دولت مند گھرانہ کا ہو پوری طرح ترقی کرنے کا موقعہ ملے۔ ہمارے
اپنے بچوں کے علاوہ دوسروں کے بچوں کو بھی اس بات کا حقدار بنائیں۔

ٹریفک کے قواعد کا احترام

ہر شہری کو ٹرافک کے قواعد کی معلومات رکھنی نہایت ضروری ہے۔
اندھا دھند گاڑی چلانے سے آئے دن مہلک حادثات ہوتے رہتے ہیں
ٹرافک کے قواعد کا احترام کرنا ہر شہری کا فرض ہے اسکی واقفیت سے
نہ صرف خود کی جان بچا سکتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی حادثات کا شکار ہونے
کی نوبت نہیں آتی۔ ٹرافک کے قواعد کے احترام کیلئے اکثر و بیشتر پولیس
کی جانب سے ٹرافک سیفٹی ویک منایا جاتا ہے جس کا مقصد صرف عوام
کو ٹرافک کے قواعد سے واقف کرانا ہوتا ہے ہر شہری کو انکا تعاون کرنا فرض ہے۔

منافع خوری، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی سے گریز

اکثر و بیشتر دکاندار محض اپنی منافع خوری کیلئے اپنے خریداروں کی صحت کا بھی خیال نہیں رکھتے وہ اپنی کھانے پینے کی اشیاء فروخت کرتے وقت ڈھانک تک نہیں رکھتے نہ صرف گندگی پھیلاتے ہیں بلکہ مختلف بیماریوں کا مرکز بن جاتے ہیں۔ لہٰذا کھانے پینے کی اشیاء تیار کرتے وقت صفائی کا لحاظ رکھیں بلکہ ایسی مضر اشیاء کی ملاوٹ سے بھی گریز کریں۔ دیدہ دانستہ کسی سستی شئے کا مال اور گراں قیمت میں فروخت کرنا دونوں بھی قومی جرم ہیں۔ سماجی لعنت ہیں اسی طرح لاپرواہ اور بے ایمان بیوپاری اپنے گاہکوں سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ نفع و نقصان کے قطع نظر گاہکوں کو دھوکہ دینا یا نقصان حیرت انگیز بات ہے۔ خوراک یا دوائیوں میں ملاوٹ چوربازاری، ذخیرہ اندوزی جیسے سماج دشمن کارروائیاں ایک لعنت ہیں۔

فرائض کا احترام

فرض کے معنی دھرم کے بھی لئے جاتے ہیں۔ اور اگر ہم فرض سے کوتاہی کرتے رہیں گے تو ہماری عبادت ہماری پوجا پاٹ سب اکارت ہے۔ محنت سے کام کرنا جسم اور ذہن کیلئے نہایت مفید ہے اور اس سے ہمیں اپنی پوشیدہ قوت کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ یہ قوت بڑھتی ہے۔ کام کے وقت کام کرنا چاہیئے۔ کام کے وقت میں سارا دھیان کام کی طرف ہونا چاہیئے اس سے کام کی کارکردگی میں دس گنا اضافہ ہوجاتا ہے۔

ادائیگی ٹیکس - عوامی فریضہ

سرکار ہمیں بہت ساری سہولتیں فراہم کرتی ہے جن کے بغیر زندگی بے مزہ، ناقابل برداشت، تکلیف دہ مصیبتوں کا انبار بن کر رہ جاتی ہے۔ مثلاً ریل اور بس سرویس، سڑکیں، اسکول، اسپتال، صاف پانی، برقی سفر اور رسل و رسائل کی سہولتیں وغیرہ۔ ان سب پر حکومت کی ایک کثیر رقم صرف ہوجایا کرتی ہے اور ایمانداری سے دیکھا جائے تو ہمیں ان سہولتوں کے عوض کچھ ادا کرنا چاہیئے کئی لوگ ایسے ہیں جو ٹیکس کی ادائیگی سے بچنا یا ریل گاڑی میں بلا ٹکٹ سفر کرنا یا زائد سامان لے کر بغیر تنقیح کروائے ساتھ لیجانا جائز سمجھے ہوئے ہیں۔ شہر یا ملک یا ریلوے کو دھوکہ دینا اتنا ہی برا ہے جتنا کہ کسی شخص کو دھوکہ دینا ہے۔

جذبہ رواداری کی ضرورت

فرض کیجئے دو بچے لڑ پڑتے ہیں۔ اور ناجیہ اپنی ماں کے پاس جاکر ناطورہ کی شکایت کرتی ہے فوراً دونوں کی مائیں لڑ پڑتی ہیں۔ اور یہ معلوم کئے بغیر کہ قصور کس کا تھا ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگتی ہیں۔ مہذب ممالک میں اگر بات ہوجائے تو ہر شخص فوراً کہہ اٹھے گا "معاف کیجئے گا" اور دونوں امن و سکون سے اپنی اپنی راہ لیں گے۔ ہم میں خود پسندی اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ ہم اختلاف رائے کو برداشت نہیں کرسکتے۔ اور ثبوت بات کی صفائی کرنے میں گرم ہوجاتے ہیں ہمیں چاہیئے کہ دل و دماغ کی کھڑکیوں کو ہمیشہ کھلا رکھیں

جاہلیت و لاعلمی کا انسداد

ہندوستان میں آبادی کا ۷۶٫۰۷ فیصد ان پڑھ و جاہل لوگ ہیں۔ شہروں کے مقابلہ میں دیہاتوں میں جہالت کی شرح اور زیادہ ہے۔ جاہلیت کے باعث توہم پرستی کو فروغ ملتا ہے اور لاعلمی میں اضافہ ہوتا ہے نتیجہ غیر شعور کے فقدان کے باعث قتل و غارت گری شیوہ بن جاتا ہے۔ ان کے حقوق و فرائض کا احساس نہیں رہتا، محض لاعلمی و جاہلیت سے روزمرہ ترقی کے ذرائع سے استفادہ کرنا خلاف مذہب و سماج سمجھا جاتا ہے اور ملک اپنی مربوط ترقی سے نابلد رہتا ہے۔ آزادی و جمہوریت کی فضا میں ہر شہری کا تعلیم یافتہ ہونا نہایت ضروری ہے۔ علم ایک ایسی دولت ہے جس کے باعث نہ صرف ملک ترقی کرتا ہے بلکہ سماجی انصاف و مساوات کے حصول میں کامیابی حاصل ہوتی ہے ●●

ڈاکٹر سیدہ عزت النساءؑ
23-1-954/1 مغل پورہ، حیدرآباد ۲

سفرناموں کی اہمیت و افادیت

یادیں انسانی زندگی کا حسین اور قیمتی سرمایہ ہوتی ہیں۔ انسان اپنے حافظہ کی مدد سے ان یادوں کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن زمانہ اور وقت کے ساتھ یہ یادیں دھندلی پڑتی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان تحریر کے ذریعہ انہیں محفوظ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ سفرنامے بھی اصل میں کسی نہ کسی سفر سے متعلق یادوں کو محفوظ کرنے کا اہم ترین ذریعہ ہوتے ہیں۔ یہ مختلف انداز میں لکھے جاتے ہیں یعنی کچھ سفرنامے روزنامچے کی صورت میں ملتے ہیں تو کچھ خطوط کی شکل میں کچھ سفرنامے لیکچروں کی شکل میں ملتے ہیں تو کچھ انشائیہ کے انداز میں غرض ہر سفرنامہ اپنے نزدیک ایک خاص انفرادیت رکھتا ہے۔ لیکن بنیادی طور پر ان کے ذریعہ انسان اپنے ان تاثرات اور یادوں کو محفوظ کرلیتا ہے۔ جو اس کے لیے اہمیت رکھتی ہیں اور پھر یہ سفرنامے صرف تاثرات یا خیالات کو محفوظ کرنے کا ذریعہ ہی نہیں ہوتے بلکہ دوسروں کے لیے بھی یہ دلچسپی کا باعث بنتے ہیں اور مشعل راہ ثابت ہوتے ہیں۔

جہاں تک سفرنامہ کی صنف کا تعلق ہے اسے ہم بیانیہ ادب کی ایک صنف قرار دے سکتے ہیں۔ اسکی بنیاد مشاہدات و تجربات پر رکھی جاتی ہے اسمیں داستان، ناول، سادہ نثر، شاعری، سوانح حیات، خودنوشت تاریخ، جغرافیہ، تاریخ تمدن اور انشائیہ کے انداز ملتے ہیں اب اس صنف میں غیر ممالک سے سیاسی مراسلت اور رپورتاژ کی خصوصیات بھی شامل ہوگئی ہیں یہ گویا اسکی نئی شکلیں ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ابتدائی سفرنامے شعوری طور پر ایک علحدہ صنف کو برتنے کے طور پر نہیں لکھے گئے بلکہ سفرنامہ لکھنے والوں کے پیش نظر عام طور پر یہی مقصد رہا کہ اپنی معلومات کو عام کرے، تجربات و مشاہدات کو دوسروں کے سامنے پیش کرے۔ لیکن جیسے جیسے سفرناموں کو علمی پشت پناہی حاصل ہوتی گئی اسکی آراستگی پر شعوری طور پر توجہ دی جانے لگی اور اسکی حیثیت ہفت پہلو ہوگئی۔ ڈاکٹر قطب النساء ہاشمی تحریر کرتی ہیں۔

> سفرنامہ کی ابتداء ضمنی طور پر داستان اور کہانی کے ساتھ ہوئی۔ سفرنامے کے مصنف کا مقصد یہ ہرگز نہیں رہا تھا کہ سفرنامہ لکھے۔ البتہ اس کا یہ ابتدائی کردار دیر تک اور زیادہ دور تک باقی نہیں رہا۔ بلکہ بہت جلد اس کو علمی پشت پناہی حاصل ہوگئی۔ قوت عمل اور قوت تسخیر کے زیر اثر وجود میں آنے والی یہ صنفِ ادب کئی دوسرے شعبہ ہائے علوم کی مددگار ثابت ہوئی۔"

اس طرح آہستہ آہستہ سفرناموں کے اجزائے ترکیبی متعین ہونے لگے واقعات اور منظر نگاری کو دلکش پیرائے میں پیش کرنے کی سعی شروع ہوئی تاریخ و جغرافیائی سیاسی و سماجی علمی و ادبی معاشی و اقتصادی صنعتی و تجارتی تہذیبی و تمدنی اور ملکی و شہری حالات کو اسطرح سے پیش کیا جانے لگا کہ اسمیں مصنف کی شخصیت کے کئی پہلو ابھر کر سامنے آنے لگے۔ چنانچہ ہم کہسکتے ہیں کہ سفرنامہ بیانیہ ادب کی وہ صنف ہے جو قوتِ مشاہدہ کی گہرائی

تجربہ کی گہرائی اور زبان و انداز بیان کی چاشنی کے ساتھ بہت سے اصناف سخن کے اجزاؤں کو اپنے کینوس میں سمیٹتے ہوئے بھی ایک علحدہ صنف ادب ہے۔

سفرنامہ لکھنے کا رجحان دنیا کی ہر زبان میں پایا جاتا ہے جس نے معلومات فراہم کرنے کا کام انجام دیا۔ اسکے فیض کا یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ قدیم ترین سفرناموں میں ہیون سانگ، فاہیان اور میگھتینز کے سفرنامے قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے بعد البیرونی اور ابن بطوطہ کے سفرنامے اہمیت کے حامل ہیں۔

ہمارا اردو ادب بھی سفرنامہ جیسی مفید اور کارآمد صنف سے ہی دامن نہیں رہا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ نہ صرف اردو ادب میں اسکی کثیر تعداد موجود ہے بلکہ آئے دن سفرناموں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ یہ صنف ادب کی دیگر اصناف کی طرح مقبولیت کے زینے طے کررہی ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اس دلچسپ صنف میں پڑھے جانے اور مقبولیت حاصل کرنے کی صلاحیتیں بدرجہ اتم موجود ہیں یہ ایک ایسی صنفِ ادب ہے جس میں کائنات کی جزئیات کو سمونے اور اسکے سبھی زاویوں اور پہلوؤں کو بیک وقت ظاہر کرنے کی صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں۔ اسکے علاوہ اس میں سیاح کو اپنی ذاتی کشمکش احساسات اور مشاہدات کو اجاگر کرنے کی بھی گنجائش ہوتی ہے۔ الغرض سفرنامہ کی اس وسعت بیانی کے باعث لوگوں کا رجحان سفرنامے لکھنے کی جانب مائل ہوتا جارہا ہے بلکہ آج سفرنامہ لکھنا انشائیہ کی طرح فیشن بن گیا ہے۔

سفرناموں کی افادی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں۔ یہ بیش بہا معلومات کے مجموعے ہوتے ہیں۔ یوں تو یہ بھی حالات، تجربات، مشاہدات، شکایات اور واردات قلبی کا اظہار ہوتے ہیں لیکن یہ داخلی آواز کے ساتھ ساتھ خارجی گونج بھی بن جاتے ہیں۔ یہ مختلف اقوام کی مشکلات و مسائل ان کی فکری تہذیبی اور نفسیاتی کشمکش کے آئینے ہوتے ہیں جو قارئین اور ان ممالک کے مستقبل سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لیے حالات و حوادث کا صحیح ادراک حاصل کرنے میں بڑے مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

اردو میں لکھے گئے سفرناموں میں ان سفرناموں کی تعداد زیادہ ہے جو حج اور زیارت مقامات مقدسہ سے متعلق ہیں۔ اس قسم کے سفرنامے ان مقامات مقدسہ کے سفر کی ضروری ہدایتیں مختلف مقامات پر پڑھی جانے والی مخصوص دعائیں حج کے احکام اور مسائل، ادائی حج کا طریقہ، آمد و رفت کے مصارف، شہروں کے حالات اور مقامات مقدسہ کی اہمیت و فضیلت سے اس طرح واقف کرو دیتے ہیں کہ حجاج اور زائرین کو کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ گویا یہ سفرنامے ان کے لیے رہنما بن جاتے ہیں۔ چونکہ حجاج پہلے حج و مناسک حج کی ادائی کے اصولوں سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں اور سفر پر روانہ ہونے سے قبل اس تعلق سے معلومات حاصل کرنا از حد ضروری سمجھتے ہیں۔ اسلئے یہ سفرنامے ان کے لیے چراغ راہ ثابت ہوتے ہیں اور جو لوگ حج کی استطاعت نہیں رکھتے ان کے لیے بھی یہ سفرنامے بیش بہا معلومات کے گنجینے ہوتے ہیں جن کے مطالعہ سے وہ گھر بیٹھے حج کا لطف اٹھا سکتے ہیں۔

متقدمین کے لیے قدیم سفرناموں میں راستوں اور کرایوں کا ذکر بھی ملتا ہے لیکن زمانہ کے تغیرات کے تحت یہ بالکل بدل گئے ہیں۔ اب نہ تو وہ کرائے رہے ہیں اور نہ ہی سفر کے پرانے طور طریقے یہ عہد قدیم کے متروک سفرنامے کسی بھی مسافر کے لیے رہنمائی کا کام نہیں دے سکتے۔ البتہ ان سے گذشتہ زمانہ کے حالات و اخراجات سفر اور طور طریقوں سے واقفیت ضرور ہوتی ہے جو کسی زمانہ میں لوگوں کے لیے رہنمائی کا کام دیتے تھے۔ موجودہ زمانہ میں اگر اس ڈھنگ پر سفرنامے تحریر کئے جائیں تو وہ ضرور عازمین سفر کے لیے مددگار ثابت ہوسکتے ہیں۔

حج و زیارت مقامات مقدسہ کے بعد جو سفرنامے کثیر تعداد میں ملتے ہیں۔ وہ ممالک یورپ سے متعلق ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے بعد جہاں ہندستان میں سیاسی سطح پر ایک عظیم انقلاب برپا ہوا تھا وہاں سماجی اور اخلاقی قدروں پر بھی کاری ضرب لگی تھی۔ سرسید اور ان کے رفقاء کی کوششوں کے باعث ہندوستان میں انگریزی علوم و فنون سیکھنے اور یورپ کی

ترقیوں کے راز جاننے کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں کئی سفر کیے گئے جس کے باعث کچھ سفرنامے ضبط تحریر میں بھی آئے ہیں۔ ان میں منشی محبوب عالم کا "سفرنامہ یورپ" سرسید احمد خاں کا "مسافران لندن" مرزا نثار علی بیگ کا "سفرنامہ یورپ" "پنڈت تھاکر دت شرما کا سیر یورپ" نازلی رفیعہ سلطان کا "سیر یورپ" صغرا ہمایوں مرزا کا "سفرنامہ یورپ" اور مولوی نصیر الدین ہاشمی کا "رہبر سفر یورپ" قابل ذکر ہیں۔ ان سفرناموں میں یورپ کی روز افزوں ترقیوں' طریقہ تعلیم اور سماجی و معاشی حالات کی عکاسی کی گئی ہے۔ یہ سفرنامے ہمارے لیے مشعل راہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

سیاسی نوعیت کے سفرناموں کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ جہاں یہ سفرنامے دنیا کے سیاسی حالات کو اجاگر کرتے ہیں وہیں ہندوستان کی سیاست کو بھی سامنے لاتے ہیں خصوصاً ان سفرناموں سے آزادیٔ ہند کے سلسلہ میں ہمارے ان قائدین کی کارکردگی سامنے آتی ہے جنہوں نے ہندوستان کو آزادی دلانے میں تن من دھن کی بازی لگادی تھی۔ چنانچہ مولانا حسین احمد مدنی کا سفرنامہ "شیخ الہند" محمد علی جوہر کا " مولانا محمد علی کے یورپ کے سفر" مولانا عبید اللہ سندھی کا " کابل میں سات سال" مولوی محمد علی قصوری کا "مشاہدات کابل و یاغستان" اور شوکت عثمانی کا " میری روس یاترا" اسی سلسلہ کی اہم کڑیاں ہیں۔ ان سفرناموں میں ان عظیم رہنماؤں کی سعی و جد و جہد آزادی عیاں ہوتی ہے۔ یوں تو ان کے کارناموں سے تاریخیں بھری پڑی ہیں لیکن اس سلسلہ میں انہیں جن مشکلات سے دوچار ہونا پڑا اور ان کے کیا تاثرات' جذبات' تجربات اور مشاہدات رہے خود انہیں کی زبانی معلوم ہوتی ہیں اور قاری کے چشم تصور میں اس وقت کا سماں کھنچ جاتا ہے۔

سفرنامے صرف عازمین سفر کی رہنمائی' یورپ کی روز افزوں ترقی' سائنسی ایجادات اور سیاسی حالات کو ہی اجاگر نہیں کرتے بلکہ دنیا بھر کے ممالک کے تاریخی' صنعتی' تعلیمی' جغرافیائی' ملکی' عوامی' انتظامی' جنگی' انقلابی' عدالتی' تجارتی' ادبی' ثقافتی' سماجی' معاشی حالات اور قابل دید و قابل تفریح مقامات کے بارے میں بیش بہا معلومات بھی فراہم کرتے ہیں اس کے علاوہ فن تعمیر' قوموں کی ترقی و تنزل کا اندازہ بھی سفرناموں کے ذریعہ لگایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ سیاح ہر زمانہ اور ہر وقت ان ممالک کا سفر کرتے رہتے ہیں اور اپنے مشاہدات و تجربات اور اپنے علم میں آنے والی باتوں کو تحقیق و تدقیق کے بعد قلمبند کرتے ہیں اسلئے ان کے بیان میں صداقت کا عنصر بدرجۂ اتم موجود ہوتا ہے اور یہ عصری حالات کو پیش کرتے ہیں اس طرح یہ سفرنامے نہ صرف قاری کے ذوق کی تسکین کرتے ہیں بلکہ آئندہ نسلوں کے لیے مفید ثابت ہوتے ہیں۔ آغا محمد طاہر نبیرہ آزاد "سیر ایران" کے دیباچہ میں تحریر کرتے ہیں۔

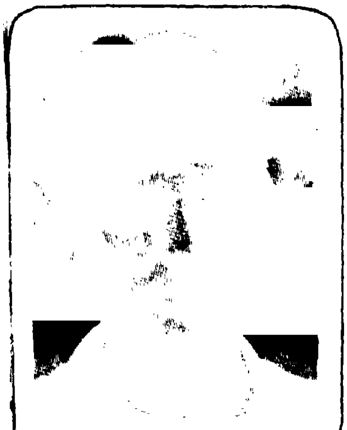
> "ترقی یافتہ قوموں کے بڑے بڑے آدمیوں اور فلاسفروں کے سفرنامے اور سوانح عمریاں ہی ایسی بیش بہا چیزیں سمجھی جاتی ہیں کہ جن کی روشنی گذشتہ اور آئندہ منزلوں پر چومک کا کام دیتی ہیں اور جو آنے والی نسلوں کے سدھارنے کے لیے بہت کچھ مدد دیتی ہیں۔"

سفرناموں کے ذریعہ ہمیں ذی اثر شخصیتوں کے بارے میں جاننے اور ان کی مختصر سوانح حیات پڑھنے کا موقع بھی ہاتھ لگ جاتا ہے۔ جبکہ ان سفرناموں سے شہرت دوام مل جاتی ہے اور ان کی یادیں ہمیشہ تازہ رہ جاتی ہیں۔ المختصر سفرنامے ایک طرف معلومات کے بیش بہا خزانے اور دلچسپ کہانیاں ہیں تو دوسری طرف ان سے قابل قدر پہلوؤں پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ ان کے مطالعہ سے مصنفین کے معمولات' ان کے دیگر امور' ان کا انداز فکر' انداز تحریر' مزاج' افتادِ طبع' اعتقادات اور ان کی شخصیت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ سید اعجاز حسین رقمطراز ہیں۔

> "مصنّف اپنے بے تکلف لمحات میں اس طرح ہمارے سامنے آتا ہے کہ اس کی شخصیت پوری طرح اجاگر ہو جاتی ہے اس طرح اکثر تاریخی اشخاص کے حالات و واقعات' جغرافیائی و علمی معلومات کا بھی بیش بہا ذخیرہ ان سفرناموں کے دامن میں چھپا رہتا ہے۔"

●●

عطا محمد



محمد اظہر الدین

محمد اظہر الدین

کرکٹ کا حیرت انگیز کھلاڑی

سنہ ۱۹۷۷ء کی بات ہے جبکہ محمد اظہر الدین کی عمر صرف ۱۳ سال تھی اور وہ حیدرآباد اسکولس، کیلئے کھیل رہے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے انڈین اکسپریس حیدرآباد کے سینئر اسپورٹس کرسپانڈنٹ مسٹر رادھا کرشنا نے کہا تھا ___

"اس لڑکے پر نظر رکھو ایک دن یہ ہندوستان کیلئے کھیلے گا"۔ ایسی پیش، قیاسی اسپورٹس صحافیوں نے حیدرآباد کے عبدالحئی نرسمہا راؤ اور شاہد اکبر کیلئے بھی کی تھیں اور اُن میں سے صرف نرسمہا راؤ ٹسٹ تک پہنچ سکے تھے اور ایک سے زائد مرتبہ موقع دیئے جانے کے باوجود وہ ناکام ہوتے رہے اور اس طرح ان کا ٹسٹ کیریر ختم ہو گیا عبدالحئی اور شاہد اکبر دونوں جو یا ئیں، ہاتھ کے کھلاڑی تھے شاندار فارم رکھنے کے باوجود ٹسٹ سے قبل آزمائشی مقابلوں ہی میں ناکام ہو گئے اور ٹسٹ کرکٹ تک نہ پہنچ سکے کرکٹ کے جو پنڈت گذشتہ ۸ سال سے اظہر الدین کے ٹسٹ کھیلنے کی پیش قیاسی کرتے آئے ہیں ہو انہوں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہو گا کہ یہ لڑکا اپنی خداداد صلاحیتوں کے ذریعہ ساری دنیا کی توجہ کا مرکز بن جائے گا۔ اسکولس کرکٹ کے بعد سے اظہر الدین نے کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ انہوں نے ساؤتھ زون اسکولس، انٹر یونیورسٹی وزی ٹروفی، رانجی ٹروفی، دلیپ ٹروفی، دیودھر ٹروفی میں نہ صرف حصہ لیا بلکہ شاندار اسکور بنائے۔ جس کے بعد ایک عام آدمی کو بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ لڑکا بہت جلد ٹسٹ کھیلنے والا ہے۔ گذشتہ سال جب انہیں دورۂ پاکستان کیلئے ٹیم میں شامل نہیں کیا گیا تو بعض حلقوں نے اس پر کافی تنقید کی اور ایک ابھرتے ہوئے کھلاڑی کے خلاف ناانصافی قرار دیا۔ لیکن ہندوستان کے سابق کپتان نواب منصور علی خاں پٹوڈی نے کہا تھا کہ یہ بہت اچھا ہوا کہ دورۂ پاکستان کیلئے ٹیم میں اظہر الدین کو شامل نہیں کیا گیا کیونکہ ہندوستان اور پاکستان ایک دوسرے کے خلاف بڑے کشیدہ حالات میں کرکٹ کھیلتے ہیں جو ابھرتے ہوئے کھلاڑیوں کیلئے مناسب نہیں ہے لیکن اسے کیا کہا جائے کہ اب تک اظہر الدین کو تینوں ٹسٹوں میں اسی وقت میدان میں اترنا پڑا جبکہ ان کی ٹیم شدید بحران سے دوچار رہی اور حالات انتہائی کشیدہ تھے۔ لیکن ان تمام موقعوں پر اظہر کا اطمینان و استقلال ایسا رہا جیسے وہ ایسے ہی حالات میں کھیلنے کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔ ان موقعوں پر انہوں نے نہ صرف اپنی ٹیم کو بحران سے نکالا

بلکہ ان تینوں ٹسٹوں میں سنچریاں بناکر ایک نئی تاریخ بنائی۔ کلکتہ ٹسٹ میں جو اُن کے کیریر کا پہلا ٹسٹ تھا وہ اس وقت میدان میں آئے جبکہ ہندوستان نے صرف ۱۲۷ رن کے مجموعی اسکور پر ۴ وکٹ کھو دیئے تھے۔ اظہرالدین نے روی شاستری کے ساتھ (۲۲۱) رن کا اضافہ کرتے ہوئے پانچویں وکٹ کیلئے ایک نیا ریکارڈ قائم کیا۔ دوسرے ٹسٹ کی پہلی اننگز میں وہ اس وقت میدان میں آئے جبکہ ہندوستان نے (۴۵) رن کے مجموعی اسکور پر (۳) وکٹ کھو دیئے تھے۔ تب انہوں نے موہندر امرناتھ کے ساتھ چوتھی وکٹ کیلئے (۱۱۰) رن کا اضافہ کیا۔ انہوں نے انفرادی طور پر ۴۸ رن بنائے۔ دوسری اننگز میں وہ اس وقت میدان میں آئے جبکہ ہندوستان نے صرف (۲۲) رن کے مجموعی اسکور پر ۲ وکٹ کھو دیئے تھے تب اظہر نے نہ صرف موہندر امرناتھ کے ساتھ (۱۹۰) رن بنائے بلکہ مسلسل دو [illegible] میں سنچری بناکر دنیا کے دیگر ۲ کھلاڑیوں کالی چرن، ڈوگ والٹرس اور بل پانسفورڈ کے ساتھ شامل ہوگئے جنہیں مسلسل دو سنچریاں بنانے کا اعزاز حاصل ہے۔

اظہرالدین کے اس مظاہرہ ہی پر [illegible] عالم کرکٹ میں ہنگامہ مچ گیا تھا۔ ہر کسی کی زبان پر ان کا نام تھا۔ پانچویں اور آخری ٹسٹ جو کانپور میں کھیلا گیا۔ کپتان گاوسکر نے انہیں بیٹنگ کیلئے پہلے ہی روانہ کر دیا۔ تاکہ ٹیم بحران سے دوچار ہی نہ ہو اور اظہرالدین نے پہلی وکٹ گرنے پر کریز سنبھالا۔ لیکن یہ وکٹ جو خود کپتان گاوسکر کی تھی (۱۹) رن کے مجموعی اسکور ہی پر گر چکی تھی۔ ہندوستان بحران تو سہی لیکن اچھے حالات سے دوچار نہ تھا اظہرالدین میدان میں آئے۔ انہوں نے سری کانت (۸۴) کے ہمراہ دوسری وکٹ کیلئے (۱۵۰) رن اور بعد میں موہندر کے ہمراہ (۴۰) رن اور پھر وینگسارکر (۱۳۷) کے ساتھ (۶۸) رن کا اضافہ کیا اور ان ۳ ٹسٹ میں پہلی مرتبہ ہندوستان بحران سے محفوظ رہا۔ اظہرالدین نے شاندار (۱۲۲) رن بناکر ایک نیا اور زبردست عالمی ریکارڈ قائم کیا اور ساری دنیا میں سنسنی پھیلا دی۔ گاوسکر ٹسٹ کرکٹ میں ساری دنیا میں سب سے زیادہ سنچریاں اور سب سے زیادہ مجموعی اسکور بناکر بلاشبہ ایک عظیم الشان کارنامہ انجام دے چکے ہیں جو ہندوستان کیلئے باعث فخر ہے۔ لیکن اظہرالدین کے ان عالمی ریکارڈ کو یقیناً گاوسکر کے ریکارڈز پر فوقیت حاصل ہے۔ کیونکہ گاوسکر نے یہ ریکارڈز بتدریج اور پوری طرح ٹسٹ کرکٹ کا تجربہ حاصل کرتے ہوئے قائم کئے۔ کرکٹ میں پیش قیاسی تقریباً ناممکن ہے لیکن موجودہ فارم کے اعتبار سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے اظہرالدین ہی گاوسکر کا سب سے زیادہ سنچریاں بنانے کا ریکارڈ توڑنے میں کامیاب ہو جائیں۔ لیکن یہ پیش قیاسی ابھی کافی قبل از وقت ہے۔ حالیہ ٹسٹ میچس دیکھکر یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے۔ اظہرالدین اس وقت انگلینڈ اور ہندوستان دونوں ٹیموں میں سب سے بہترین بیاٹسمین ہیں۔

خصوصیت سے اُن کا "بیاک نٹ" بہت طاقتور ہے ایسی گیندوں کو جن پر عام طور پر کھلاڑی صرف دفاع کرتے ہیں اظہرالدین انتہائی مہارت سے فلک کر دیتے ہیں کہ گیپ ملنے پر گیند باؤنڈری عبور کر لیتی ہے اور ان خطرناک گیندوں پر اظہرالدین پورے اطمینان سے یہ اسٹروکس لگاتے ہیں۔ ان کے پاس ہر اسٹروک موجود ہے اور ان سے دیگر ٹیموں کے خلاف مستقبل میں بھی کافی امیدیں وابستہ ہیں اور توقع ہے کہ تجربہ کے ساتھ ساتھ وہ مزید کئی نئے ریکارڈ قائم کریں گے۔ اظہرالدین ایک پھرتیلے فیلڈر بھی ہیں جو ان کے لیے ایک مثبت پہلو ہے۔ کپتان گاوسکر نے ان کے تعلق سے کہا کہ وہ ڈریسنگ روم میں بالکل خاموش رہتے ہیں جب میدان میں ان کے ساتھی تیزی سے آؤٹ ہوکر واپس ہوتے ہیں اور ٹیم بحران سے دوچار ہو جاتی ہے تو ان کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں ہوتا۔ وہ اپنی باری پر بڑی خاموشی سے بیاٹ اٹھاکر میدان میں چلے جاتے ہیں۔ اظہرالدین کا یہ اطمینان ناقابل یقین ہے جبکہ ان کے ساتھ کمرہ میں قیام کرنے والے دیگر جونیر کھلاڑی یہ کہتے ہیں کہ اظہر اتنا خاموش لڑکا نہیں ہے جتنا کہ وہ ڈریسنگ روم یا میدان میں نظر آتا ہے۔ اب معلوم نہیں اظہر نے یہ اطمینان و استقلال کہاں سے حاصل کیا۔ یقیناً یہ سب خداداد صلاحیتیں ہیں۔ اظہرالدین نے

نعیم راھی
"قصرِ دفا" تانڈور (501141)
ضلع رنگا ریڈی

غزل

خود اپنے ماضی کی تاریخ ہی کو دہراؤ
نئی سحر کیلئے پھانسیوں پہ چڑھ جاؤ

ہر ایک دل میں جلاؤ مسرتوں کے چراغ
غموں سے ہاتھ ملاؤ، جنوں کو اپناؤ

ضرورت ہے کہ اب اس دور کے اندھیر میں
جو ہو سکے تو ارادوں کی برق چمکاؤ

حقیقتوں سے ملو زندگی کی راہوں میں
توہمات کی اونچی فصیل کو ڈھاؤ

کبھی تو خود کرو، خود سے دور ہو کتنے
کبھی تو سوچو، خود اپنے قریب تو آؤ

بنامِ عشق و محبت یہ بات یاد رہے
مسائلِ غمِ ہستی کے زلف سلجھاؤ

وہ جامِ تشنگیٔ شوق جس سے بجھتی ہے
وہ جام سارے زمانے میں آج چھلکاؤ

اب اپنے فن کو بناؤ حیات کا حاصل
جہاں بھی جاؤ تو راہی دِلوں کو گرماؤ

رؤف رحیم ایم اے
5-5-20-525 شکر گنج حیدرآباد 500265

آہ شہید آزادی

(محترمہ اندرا گاندھی کو خراج عقیدت)

جہدِ مبہم سے عبارت رہا خادت تیری
بھول پائے گا نہ یہ دیش قیادت تیری

اس کو بزدل کہیں، مکار کہیں یا غدار
جان لی اس نے جو کرتا تھا حفاظت تیری

گولیاں کھا کے گری یوں تو زمیں پر لیکن
آسمانوں سے بھی اونچی ہوئی عظمت تیری

قتل کو تیرے مورخ نہ بھلا پائے گا
خون سے لکھے گا تاریخ شہادت تیری

اس شہادت سے مگر زندۂ جاوید ہوی
دوست دشمن میں بڑھی اور بھی عزت تیری

دے گئی اشک میں خون بہا کر اپنا
آج پھولوں میں ڈھکی پھول سی صورت تیری

اک نئے دیش کا جو خواب سجا رکھا تھا
ہم سنبھالے ہوئے رکھیں گے امانت تیری

عظمتِ قوم و وطن جیسے تھا مذہب تیرا
خدمتِ خلق ہی گویا تھی عبادت تیری

امن میں جنگ میں ہر حال میں ثابت قدمی
مر کے بھی پا نہ سکے گا کوئی ہمت تیری

تو جواہر کا ہے اک "لعل" "بھارت کا رتن"
ساری دنیا نہ چکا پائے گی قیمت تیری

سب ہی کہتے ہیں کہ تیرا ہے بدل ناممکن
کون لا پائے گا عظمت و شجاعت تیری

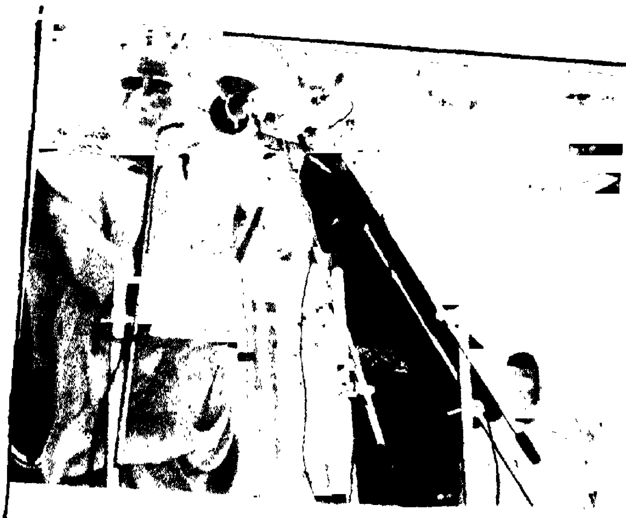
کیوں نہ ہو غرق ہر اک رنج و الم میں تیرے
سب کے دل میں تھی ہمیشہ سے عقیدت تیری

اپنی منزل پہ پہنچنے میں بڑی عجلت کی
اور کچھ سال وطن کو تھی ضرورت تیری

دیش ماتا تھی ہوئی دیش کی خاطر قرباں
کیسے بھولے گا رحیم آج شفقت تیری

اپنے غیر معمولی مظاہرہ سے کرکٹ کے شائقین کی تعداد میں زبردست اضافہ کر دیا ہے۔ ان کی شہرت ریڈیو اور ٹی وی اور اخباروں کے ذریعہ پاکر ایک عام آدمی بھی جو کل تک کرکٹ کو تضیع اوقات سمجھا کرتا تھا آج دلچسپی لینے لگا ہے۔ !!

خبریں تصویروں میں





ڈاکٹر شنکر دیال شرما
سکندرآباد پریڈ گراونڈ پر
مسٹر این ٹی راما راؤ چیف منسٹر
آندھرا پردیش اور دوسرے
وزرا کو عہدہ راز داری
کا حلف دلاتے ہوئے





شہر میں پولنگ بوتھس پر مرد و خاتون
رائے دہندوں کی قطار (۲)۔





چیف منسٹر آندھراپردیش مسٹر این ٹی راماراؤ حلقہ مہاراج گنج میں ووٹ کا استعمال کرتے ہوئے۔



ریاستی وزیر فینانس مسٹر مہیندر ناتھ اسمبلی میں ۸۶-۱۹۸۵ء کا موازنہ پیش کررہے ہیں۔



مسٹر این ٹی راما راؤ چیف منسٹر آندھرا پردیش نے امر جیوی پوٹی سری راملو کے مجسمے پر ان کی ۸۴ ویں یوم پیدائش کے ۱۶ مارچ ۱۹۸۵ء کو پھول چڑھائے



مسٹر پی ۔ جگن موہن ریڈی سابق چیف جسٹس آندھرا پردیش نے ۱۷ مارچ کو قطب شاہی گنبدوں گولکنڈہ میں قطب شاہی دور کے آثار کی خصوصی نمائش کا افتتاح کیا ۔

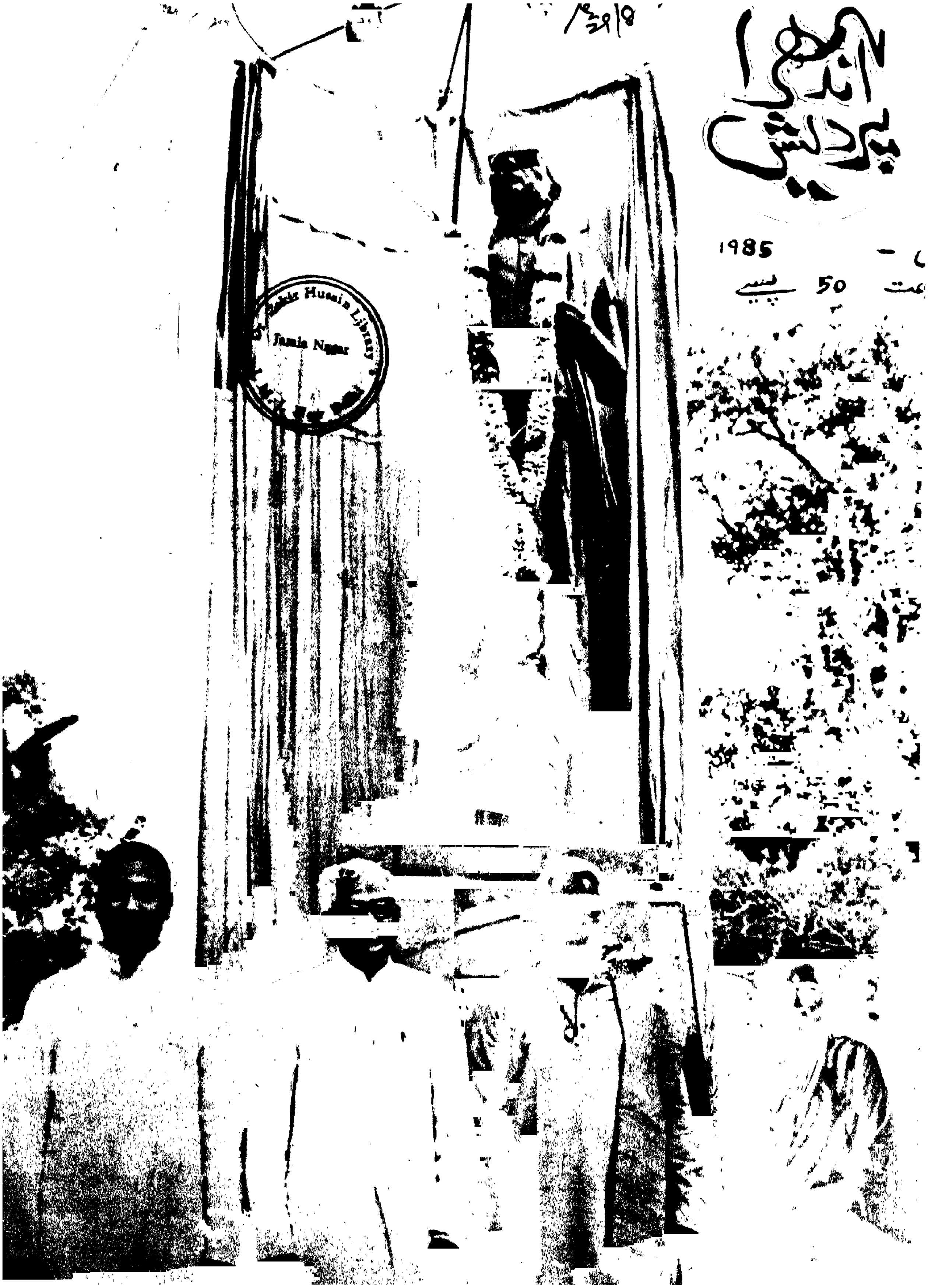




آندھرا پردیش

ن — 1985

عت 50 پیسے



آندھراپردیش - اعداد و شمار بہ یک نظر

رقبہ (۱۹۸۱ء مردم شماری) (مربع کیلومیٹر)	۲۷۵٫۶۱	
اضلاع	۲۳	
تعلقہ جات	۳۱۶	
پنچایت سمیتیاں	۳۳۰	
آبادی (۱۹۸۱ء مردم شماری)	۵۳۵٫۵۰	(لاکھ میں)
مرد	۲۷۱٫۰۹	"
عورتیں	۲۶۴٫۴۱	"
درج فہرست اقوام کی تعداد	۷۹٫۶۲	"
درج فہرست قبائل کی تعداد	۳۱٫۷۶	"
محنت کش افراد کی تعداد	۲۳۵٫۰۶	"
اراکین پارلیمنٹ کی تعداد (بشمول راجیہ سبھا)	۶۰	
اراکین اسمبلی کی تعداد	۲۹۵	
اراکین قانون ساز کونسل کی تعداد	۹۰	
دواخانے (آلوپیتھک)	۲۹۵	
خصوصی امراض کے دواخانے	۴۵	
بستروں کی تعداد	۲۶,۹۳۸	
یونیورسٹیوں کی تعداد	۱۰	
جملہ آبپاشی سے سیراب کیا جانے والا رقبہ	۵۰٫۵۸	لاکھ ہیکٹر
کوئلہ کی پیداوار	۱۰۰٫۸۳	لاکھ ٹن

ماہنامہ

آندھرا پردیش

حیدرآباد

مئی ۱۹۸۵ء • شعبان المعظم ۱۴۰۵ھ • جلد: ۳۰ • شمارہ: ۵ • VAISAKH-JYESHTHA 1907 S.E — MAY 1985

فہرست

چیف ایڈیٹر

سی-وی-نرسمہا ریڈی (آئی اے ایس)

ایڈیٹر

خواجہ حسین احمد بی اے (عثمانیہ)

ہر ماہ تلگو، انگریزی، ہندی اور اردو میں شائع ہوتا ہے

قیمت صرف ۵۰ پیسے

- اس شمارہ میں اہل قلم حضرات نے انفرادی طور پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے اُن سے لازمی طور پر حکومت کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔
- زرِ سالانہ ۶ روپے، فی پرچہ ۵۰ پیسے
- زرِ سالانہ بذریعہ منی آرڈر روانہ کیجئے۔
- منی آرڈر صرف ناظم اطلاعات وتعلقات عامہ کے نام روانہ کیجئے۔
- مضامین روانہ کرنے کا پتہ: ایڈیٹر "آندھرا پردیش" (اردو) محکمۂ اطلاعات وتعلقات عامہ، گرہا کلپا، سکرم جاہی روڈ حیدرآباد ۱
- طباعت: گورنمنٹ سنٹرل پریس چنچل گوڑہ حیدرآباد • کتابت: ایس اے حمید

ناظم اطلاعات وتعلقات عامہ حکومت آندھرا پردیش نے شائع کیا



کامیابی

کے زائد از

دو سال

مسٹر این۔ ٹی۔ راما راؤ کی فعال قیادت کے تحت حکومت کی جانب سے بیشتر شعبوں میں ریاست کی ہمہ جہتی ترقی کی سمت پیش رفت کی گئی ہے۔ سماج کے کمزور طبقات کے لیے غذا۔ رہائشی سہولتوں اور لباس کی فراہمی میں جو کامیابیاں حاصل کی گئی ہیں وہ قابل ذکر ہیں۔ حالیہ اسمبلی انتخابات میں عوام کی بے پناہ پشت پناہی اس بات کی عکاسی کرتی ہے کہ عوام حکومت کی کارگذاری سے مطمئن ہیں چنانچہ ترقی پذیر فلاحی اقدامات کی رفتار مزید تیز تر کرنے کیلئے لائحہ عمل تیار کیا گیا ہے۔ ماہ جنوری ۱۹۸۳ء سے موجودہ حکومت کی کارکردگی پر ایک طائرانہ جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

پرگتی پدھم

پرگتی پدھم ترقی اور خوشحالی کے ۱۵ نکات کا علامتی نشان ہے جس پر کمزور طبقات کے رہائشی حالات کو بہتر بنانے کے لئے ریاستی حکومت کی جانب سے اختیار کردہ فعال اور مضبوط پالیسی کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ ریاست کے سالانہ منصوبے کے موازنہ مصارف کو فلاحی اور عوامی خدمت کی سرگرمیوں کے لیے سال گذشتہ کے مقابلے میں تقریباً دوگنا کر دیا گیا ہے۔

ریونیو منڈلوں کا قیام

۳۵ تا ۵۰ ہزار کی آبادی کا احاطہ کرتے ہوئے ریاست میں ۱۲۰۰ ریونیو منڈل قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے جہاں ترقیاتی محکموں کے تمام فعال یونٹ سرگرم عمل رہیں گے۔ اس اقدام کا مقصد انتظامیہ کو پیداواری مرکز کی سطح تک پہنچاتے ہوئے عوام کے قریب لے جانا ہے۔ دیہات کی سطح پر پٹیل پٹواری افسر کے ادارے کو جو ماضی کے جاگیردارانہ دور کی نشانی سمجھا جاتا تھا برخاست کر دیا گیا۔

دو روپے کلو چاول

عوام کی اہم غذا چاول ۲ روپے فی کلو کے حساب سے سالانہ ۶ ہزار روپے سے کم آمدنی والے خاندانوں کو سربراہ کیا جا رہا ہے اس اسکیم کی بدولت

ریاست کے ۵۴ء۹۶ لاکھ غریب خاندان فایدہ اٹھا رہے ہیں۔

پینے کے پانی کی سربراہی

ہر ۱۰۰ افراد کی آبادی والے علاقے کو پانی کی فراہمی کا کم سے کم ایک ذریعہ فراہم کرنے کے اقدامات کئے گئے ہیں۔ اب تک دیہی علاقوں میں ۲۸۱۸۰ آبرسانی کے ذرائع مہیا کئے گئے ہیں۔ خاص طور پر پانی کی دشواریوں کا سامنا کرنے والے ۴ ہزار سے زائد دیہات میں آبرسانی کا انتظام کیا گیا ہے۔

غریبوں کیلئے مکانات

کمزور طبقات کو مکانات کی سہولتیں فراہم کرنے کے لیے مکانات کی تعمیر کے ایک بھاری پروگرام پر عمل آوری کی جا رہی ہے۔ دیہی علاقوں میں اب تک ۱ء۸۵ لاکھ پختہ مکانات تعمیر کرائے گئے۔ مزید ۹۰ ہزار مکانات زیر تعمیر ہیں اس کے علاوہ ۷ء۱۸ لاکھ مکانات کی زمین اب تک تقسیم کر دی جا چکی ہے۔

معاشی امدادی پروگرام

معاشی امدادی پروگرام کے تحت اب تک درج فہرست اقوام درج فہرست قبائل اور پسماندہ طبقات سے تعلق رکھنے والے جملہ ۱۳ء۵۴ لاکھ افراد کو مالی امداد مہیا کی گئی۔

بہبودی خواتین

عورتوں کے لیے ترپتی میں علحدہ یونیورسٹی قائم کی گئی ہے اور آبائی جائیداد میں عورتوں کو مساوی حق دلانے کے لیے قانون تیار کیا جا رہا ہے۔ ۴۶ ہزار عورتوں کو مالی امداد مہیا کرنے کے علاوہ ۴۹ ہزار بیواؤں کو ماہانہ ۵۰ روپے کے حساب سے وظائف منظور کئے گئے۔

رواں سال کے دوران نیلور اور بھیمونی پٹنم میں پالی ٹیکنک کے قیام کے علاوہ اضلاع کڑپہ اور چتور میں عورتوں کے لیے مزید دو پالی ٹیکنک قائم کئے جائیں گے۔

دیہی پروگرام کا مقصد گندہ پیشے سے وابستہ افراد کو نجات دلانے کے علاوہ دیہی علاقوں میں صاف ستھرے بیت الخلاء تعمیر کرنا ہے تاکہ خصوصیت کے ساتھ عورتوں کو سہولت ہو۔

تعلیم کے ساتھ کھانے کا انتظام

غریب خاندانوں کے طلباء کو قوت بخش غذا مہیا کرنے کے لیے دوپہر کے کھانے کی اسکیم شروع کی گئی ہے جس سے ۳۴ء۳۲ لاکھ بچے مستفید ہو رہے ہیں جن میں ۷ء۶۷۴ لاکھ درج فہرست اقوام اور ۱ء۶۴۳ لاکھ درج فہرست قبائل کے طلباء بھی شامل ہیں

پسماندہ طبقات کے طلباء کے لیے ۸۵۹ ہاسٹل کام کر رہے ہیں۔ درج فہرست اقوام کے طلباء کے لیے ہر ضلع میں دو اقامتی مدارس کے قیام کی منظوری دی گئی ہے۔ پیشہ ورانہ کالجوں میں عطیوں کی وصولی پر پابندی لگا دی گئی ہے۔

تلگو گنگا پراجکٹ

تلگو گنگا پراجکٹ پر کام شروع کر دیا گیا ہے۔ اس پراجکٹ کی بدولت رائلسیما کے خشک علاقوں کو آبپاشی کے لیے پانی اور شہر مدراس کے لیے پینے کا پانی فراہم ہوگا۔

صنعتوں کا قیام

نئی حکومت کی صنعتی پالیسی کی وجہ سے ریاست کے پسماندہ اور دیہی علاقوں میں صنعتوں کے پھیلاؤ کی راہ ہموار ہو گئی ہے۔ اب ریاست کے دیہی علاقوں میں ۲۴۰۶۴ اسمال اسکیل صنعتی یونٹیں قائم کی جا چکی ہیں۔ ٹرامودیا اسکیم کے تحت تقریباً ۲۰ ہزار تعلیم یافتہ بے روزگار نوجوانوں کو فی کس ۲۵ ہزار روپے کے حساب سے خود روزگار یونٹیں قائم کرنے

کے لیے مالی امداد جاری کی گئی ہے۔ "دیپا" (ڈسٹرکٹ ایمپلائمنٹ اینڈ انٹرپرائیز پروموشن ایجنسی) کی جانب سے متوقع صنعت کاروں کو کاروبار قائم کرنے میں مدد دی جا رہی ہے۔

"آپیس" (آندھرا پردیش اسٹیٹ سنٹر فار انٹرپرینیورس) ۳۶۴۷ صنعت کاروں کو درکار سہولتیں رہنمائی اور مشورے "آپیس" (آندھرا پردیش اسٹیٹ سنٹر فار انٹرپرینیورس) کی جانب سے فراہم کئے گئے ہیں۔ یہ ادارہ ۱۹۸۳ء میں قائم کیا گیا۔

حیدرآباد آلوین میں "لائیٹ کمرشیل وہیکل پراجکٹ" کے قیام سے ایک اہم پیش رفت کی گئی ہے۔ ظہیرآباد ضلع میدک میں ۲۵ کروڑ روپے کے سرمایہ سے یہ پراجکٹ شروع کیا گیا ہے۔ اور اس کی پیداواری صلاحیت سالانہ ۱۰ ہزار یونٹ ہے اور ہلکی موٹر گاڑیوں کا ۲۲ مارچ ۱۹۸۵ء کو آغاز کی کے موقع پر چیف منسٹر شری این ٹی راما راؤ کے ہاتھوں رسم اجرا انجام دی گئی۔ ناگرجنا سا گر فرٹیلائیزرز اینڈ کیمیکلس پراجکٹ کا کاکناڈا میں کام شروع کر دیا گیا ہے۔

پاک وصاف انتظامیہ

یکم نومبر ۱۹۸۳ء سے لوک ایوکت کا ادارہ قائم کیا گیا تاکہ پاک وصاف اور کارکردگی نظم و نسق فراہم کیا جائے۔

دیہات کو بجلی کی سربراہی

مواضعات کو بجلی سربراہ کرنے کی بھاری مہم کے جزو کے طور پر ریاست میں ۳۳۱۰ مواضعات اور قریوں کو بجلی سربراہ کی گئی۔ اس کے علاوہ ۱۰۲۳۵۱ پمپ سیٹوں کو چلانے کے لیے برقی قوت مہیا کی گئی۔

ہر گھر کیلئے کم سے کم بجلی کے ایک بلب کی سربراہی

گھر گھر بجلی کی اسکیم کے تحت درج فہرست اقوام کو فائدہ پہنچانے کے لیے ۱۰ ہزار مکانات کو اور درج فہرست قبائل کے افراد کو فائدہ پہنچانے کے لیے ۵ ہزار مکانات کو فی گھر کم سے کم ایک بجلی کے بلب کی سربراہی کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

نئے فلاحی اقدامات

ریاستی حکومت کی جانب سے ماہ اکتوبر ۱۹۸۴ء میں کمزور طبقات کے لیے نئے فلاحی اقدامات کئے گئے جن میں ۵ لاکھ زرعی مزدوروں کو وظیفہ پیرانہ سالی فی ماہ ۳۰ روپے کی منظوری شامل ہے۔ ذاتی رکشا فراہم کرنے کی اسکیم کے تحت ۲۰ فیصد رقم بطور امداد اور ماباقی رقم بینک قرض کے طور پر فراہم کرتے ہوئے رکشا چلانے والوں کو ذاتی رکشا حاصل کرنے کے قابل بنایا گیا ہے۔ سبز راشن کارڈ گیرندوں کو ۳۰ فیصد رعایت پر دھوتیاں اور ساڑیاں فراہم کی جا رہی ہیں۔

درمیانی آدمی کو برخواست کرنے کا فیصلہ

تعمیراتی کام جیسے تالابوں کی درستگی چھوٹے آبپاشی پراجکٹ ڈرینیج ۔ سائیکلون ریلیف ورکس وغیرہ ۔ حکومت نے گرام پنچایت یا لیبر کوآپریٹیو سوسائیٹیوں اور یوتھ آرگنائیزیشن کو سونپنے کا فیصلہ کیا تاکہ درمیانی آدمی کو ٹھیکہ داروں کو دینے کا طریقہ ختم کر دیا جسکے ۔ اور محنت کش طبقے کو منفعت بخش روزگار میسر آسکے۔

جنوب کے غلہ گودام کی حیثیت سے ریاست آندھرا پردیش نے سال ۸۴-۱۹۸۳ء کے دوران ۱۲۰.۶ لاکھ ٹن غذائی اجناس پیدا کرتے ہوئے اپنی شہرت کو برقرار رکھا۔

موجودہ ریاستی حکومت نے جیسے مارچ ۱۹۸۵ء کے انتخابات میں عوام کی بھاری پشت پناہی حاصل رہی مختلف فلاحی اسکیمات پر عمل آوری جاری رکھنے اور ساتھ ساتھ کلیدی شعبے جیسے آبپاشی اور برقی قوت پر بھرپور توجہ دینے کا فیصلہ کیا ہے سال ۸۶-۱۹۸۵ء کے سالانہ موازنے کی رقم ۱۰۴۴

سٹ ون میں کمپیوٹر ٹریننگ

مسٹر بی۔ رویندر ریڈی جنرل مینجر سٹ ون نے بتایا کہ حیدرآباد وسکندرآباد میں سوسائٹی برائے فروغ روزگار اور ٹریننگ کی جانب سے کمزور طبقات کے امیدواروں کے لیے گذشتہ سال سے آفس مینجمنٹ اور کمپیوٹر ٹریننگ کورس کا آغاز کیا ہے۔ ۲۰۰ سے زائد نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کو مشیرآباد میں مفت کمپیوٹر ٹریننگ دی گئی۔ انہوں نے بتایا کہ سٹ ون ٹریننگ سنٹر پرانی حویلی موتی گلی اور مشیرآباد میں ۱۵۰۰ سے زائد تعلیم یافتہ بے روزگاروں کو ٹریننگ دی جارہی ہے۔

ذاتی رکشا اسکیم کے تحت سٹ ون کو رکشا تیار کرنے کی ایجنسی کے طور پر مقرر کیا گیا جو نفع ونقصان کے بغیر رکشا تیار کرکے مستفیدین کو فراہم کرے گا۔

کئی کمپیوٹر ٹریننگ حاصل کئے ہوئے اکثر امیدواروں کو روزگار حاصل ہوا ہے۔ دوسرے اضلاع سے ٹریننگ کے لیے بھیجے جانے والے نوجوانوں کو بھی یہاں ٹریننگ دی جارہی ہے۔

انہوں نے بتایا کہ سٹ ون میں ریفریجریشن ایرکنڈیشن الیکٹرک موٹر وائنڈنگ - ویلڈنگ میکانک لیدر گارمنٹس پلاسٹک اشیاء کی تیاری گھڑیوں کی درستگی - ویڈیو - ٹی وی، کمپیوٹر پروگرامنگ ان بک کیپنگ اسٹور مینجمنٹ - سیلس مین شپ ماڈرن آفس مینجمنٹ - ٹیکنیکل اور ٹورزم نرس پینٹنگ - چوبی کام وغیرہ کی ٹریننگ دی جارہی ہے۔ حیدرآباد وسکندرآباد کے پیداواری مراکز میں کام کرنے والے ۲۵۰۰ سے زائد نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کو سٹ ون کے توسط سے راست روزگار فراہم کیا گیا۔ ان پیداواری مراکز کے ذریعے سٹ ون نے ۴۰ لاکھ روپے کا کاروبار کیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ کام کرنے والوں کی ہمت افزائی کرنے کے لیے بونس اور نقد ایوارڈ دیئے گئے۔ ناروے کے امدادی پروگرام کی مدد سے سٹ ون نے خواتین کو روزگار فراہم کرنے کے لیے کلر ٹی وی جوڑ کر ٹی۔ وی تیار کرنے کا پراجکٹ بھی قایم کیا ہے۔ آندھرا پردیش الیکٹرانک ڈیولپمنٹ کارپوریشن نے سٹ ون میں تیار کردہ ٹی وی کو بازار میں فروخت کی ذمہ داری لی ہے۔ خود روزگار اسکیمات کے شعبے میں سٹ ون نے ۳۰۰ افراد کو ۳ لاکھ روپے بطور حاشیائی رقم فراہم کئے اور مالیاتی اداروں سے ۷ لاکھ روپے حاصل کرتے ہوئے نوجوان صنعت کاروں کو اپنے پاؤں پر کھڑا رہنے میں مدد کی ●●

کروڑ روپے ہے جس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ فلاحی اسکیمات کیلئے خرچ کی جانے والی رقومات میں کافی اضافہ کیا گیا ہے۔ سالانہ منصوبے کی رقم میں ۶۰ کروڑ روپے امدادی قیمت پر چاول فراہم کرنے کی اسکیم ۴ کروڑ روپے جنتا ساڑی اور دھوتی سربراہ کرنے کی اسکیم۔ ۲۰ء۷ کروڑ روپے وظیفہ پیرانہ سالی کے لیے ۲۴ کروڑ روپے زرعی مزدوروں کے لیے وظائف ۵ء۷ لاکھ روپے ذاتی رکشا خریدنے کی اسکیم کے لیے۔ ۲۵ کروڑ روپے دیہی اسکیمات۔ ۱۲ کروڑ روپے دیہکتی پروگرام کے لیے۔ ۴ء۵۰ کروڑ روپے پسماندہ طبقات کو معاشی امداد فراہم کرنے کی اسکیم کے لیے ۷ء۱۳۶ کروڑ روپے درج فہرست اقوام کے طلباء کے لیے اقامتی اسکولوں کے قیام پر۔ آبپاشی کے لیے ۹۰ء۲۲۵ کروڑ روپے اور توانائی کے لیے ۴۱ء۲۰۰ کروڑ روپے خرچ کئے جائیں گے۔ ریاستی حکومت نے پسماندہ طبقات کے طلباء کے لیے ۵۰ نئے ہاسٹل کھولنے کا فیصلہ کیا ہے۔

OOO

سرسبز شاداب درختوں کے سائے میں

حالیہ برسوں میں سوشیل فاریسٹری (درخت لگاؤ مہم) کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہوگئی ہے۔ اس پروگرام کو فروغ دینے کے لیے حکومت کی جانب سے زبردست کوششیں کی جارہی ہیں۔ عوام بھی اسکی اہمیت سے واقف ہوگئے ہیں۔ دیہی علاقوں میں چھوٹے چھوٹے کسان بھی سوشیل فاریسٹری کو زندگی کے ذریعے کے طور پر اختیار کرتے جا رہے ہیں۔

سوشیل فاریسٹری سے موضع نادم پلی کے کمزور طبقات نے کافی فائدہ حاصل کیا ہے۔ کاولی - اتما کاری پالم روڈ کاولی سے ۳۵ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع اس چھوٹے سے موضع کے ۳۵ درج فہرست اقوام اور ۲۰ درج فہرست قبائل کے افراد نے سال ۸۲-۱۹۸۲ء کے دوران ڈی-آر-ڈی-اے کے معاشی امدادی اسکیم کے تحت سوشیل فاریسٹری کو زندگی کے ذریعے کے طور پر اختیار کیا ہے۔ ۵۵ ایکڑ کے رقبے میں یوکیپٹس (EUCALYPTUS) کے پودے اگائے گئے۔ چونکہ ان پودوں کے بڑھنے میں ۴ تا ۵ سال کا عرصہ ہوتا ہے۔ اس لئے ضلع نظم ونسق کی جانب سے ان افراد کو مزید اسکیمات کے تحت امداد فراہم کی گئی ان امدادی اسکیمات کے تحت یوکیپٹس نرسری کا بھی قیام شامل تھا۔ ۱۵ درج فہرست قبائل اور ۲ درج فہرست اقوام کے افراد نے اجتماعی طور پر کام کرنے کے لیے یوکیپٹس نرسری کا انتخاب کیا۔

ماہ اپریل ۱۹۸۴ء میں نرسری کے لیے ابتدائی طور پر زمین تیار کی گئی - ۴ کلو یوکیپٹس بیج انہیں مفت فراہم کئے گئے۔ اس نرسری کیلئے ۵ سینٹ سرکاری زمین ان افراد کو پٹائی پر دی گئی اور انہیں اس پراجکٹ کے لیے ۲۳۶۴۷ روپے کی مالی امداد فراہم کی گئی۔ اس امدادی رقم کا ۵۰ فیصد حصہ پناکینی گرامینا بینک تُماباپیٹھ برانچ کی جانب سے بطور قرض دیا گیا۔ ۱۰ فیصد حصہ بطور حاشیائی رقم کے ایس سی- پی سی کارپوریشن کی جانب سے دیا گیا۔ ڈی-آر-ڈی-اے نے ۳۰ فیصد حصہ بطور امداد مہیا کیا۔ مذکورہ رقم میں سے تقریباً ۲ ہزار روپے کنویں وغیرہ کی کھدائی پر خرچ کئے گئے۔ ۹۵۰۰ روپے کھیت میں کھاد کیڑے مار دواؤں وغیرہ کے لیے استعمال کئے گئے۔ ۱۲ ہزار روپے پودوں کی آبیاری کے لیے خرچ ہوئے۔

اس طرح سخت محنت اور لگن سے کام کرنے کی بدولت انہیں اس مہم میں کافی فائدہ پہنچا۔ اور دسمبر ۱۹۸۴ء کے ختم تک ۲ لاکھ سے زیادہ پودے فروخت کے لیے تیار ہوگئے۔ ان پودوں کو فروخت کرنے پر ۴۷۷۵۰ روپے حاصل ہوئے۔ ہر آدمی کو فی کس ۱۴۰۰ روپے کا نفع ہوا۔ اس رقم کے علاوہ فی کس ۷۰۰ روپے مزدوری کے طور پر حاصل ہوئے۔

چونکہ انکی زندگی کا یہ پہلا نفع بخش کاروبار تھا اسلئے مستفیضین کو اس کام سے بے انتہا خوشی ومسرت حاصل ہوئی۔ مسٹر بوڈر دسیاراؤ (اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ ڈیولپمنٹ آفیسر) نے بتایا کہ معاشی پراجکٹ کے طور پر سوشیل فاریسٹری کی بدولت انہیں نہ صرف سکون و اطمینان حاصل ہوا ہے بلکہ اس کام نے انکے اندر درخشاں مستقبل کے لیے ایک خود اعتمادی پیدا کر دی ہے۔

چاول دو روپے فی کیلو

۹۶۶۵۴ لاکھ خاندانوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے

کارومنڈل کے مچھیرے

کارومنڈل کے ماہی گیروں کو مشہور ادیبہ سروجنی نائیڈو نے "سمندر کے بچوں" کے نام سے پکارا تھا۔ انہوں نے کہا تھا وہ سمندری لہروں کے بھائی اور پانی کی دولت کی فصل اٹھانے والے ہیں۔ یہ سب الفاظ بہت رومانی، خوبصورت اور دلکش سنائی دیتے ہیں۔

آندھرا پردیش کے علاقہ چیرالا کے یہ ماہی گیر ایسے ہی ہیں جیسے کہ بلبل ہند نے انہیں دیکھا۔ لیکن وہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہیں یعنی کہ وہ غریب ہیں اور غریبوں میں بھی غریب ترین۔

وہ سمندر میں بڑی بڑی مچھلیوں سے نپٹ سکتے ہیں لیکن وہ ساحلوں پر مقیم مگرمچھوں یعنی ساہوکاروں اور درمیانی آدمیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ مچھیرے اپنی مشترکہ کوششوں سے قدرت سے جو کچھ حاصل کرتے ہیں وہ ساحلوں کے مگرمچھ ان سے چھین لیتے ہیں۔ ان کی کشتیاں ان کے جال کے ذریعہ پکڑی گئی مچھلی یہ سب مگرمچھوں کی ملکیت ہوتی ہے۔ خواہ یہ ماہی گیر کتنی بھی محنت کریں خواہ وہ کتنی ہی مچھلی پکڑیں مگرمچھوں کی یہی کوشش رہتی ہے کہ "سمندر کے بچے" محض گذر بسر کی سطح سے اوپر نہ اٹھ سکیں۔

لیکن یونین بنک آف انڈیا کی متحدہ دا برانچ کی کوششوں سے چیرالا کا یہ منظر بدل رہا ہے۔ چیرالا کے گرد و نواح میں بارہ دیہات کو یونین بنک آف انڈیا نے مالی امداد دی ہے تاکہ انہیں مال فروخت کرنے کی اچھی سہولیات پکڑی گئی مچھلی کی منافع بخش قیمت حاصل کرنے میں مدد ملی ہے۔ ان ماہی گیروں کو کشتیاں اور اچھی قسم کی نائیلون کے جال بھی گروپوں کی ملکیت کی بنیاد پر مہیا کئے جا رہے ہیں۔

ماہی گیروں کی مدد دینے کے لیے انہیں چھ چھ افراد کی یونٹوں میں منظم کیا جا رہا ہے۔ ضلع کا دیہی ترقیات کا ادارہ ان یونٹوں کی شناخت اور مدد کرتا ہے۔ جس سے بنک کے قرضے کا ایک تہائی حصہ امداد کی صورت میں دے دیا جاتا ہے۔ دوسرے سرکاری ادارے بھی انہیں کم شرح سود پر قرضے دینے کے لیے آگے بڑھے ہیں۔ کشتیوں کے لیے کیرل سے لکڑی مچھلی پکڑنے کے نائیلون کے جالوں کی مزید، متعدد دوسرے سامان کی مزید اور مال کی فروخت کے لئے ضروری انتظامات کرنے کے لیے ہر یونٹ کو زائد از ۵ ہزار روپے کی ضرورت ہوتی ہے۔

چونکہ مچھلی کی مانگ بہت اچھی ہے اسلئے ماہی گیروں کے لئے اپنا مال فروخت کرنا اور لالچی ساہوکاروں اور درمیانی آدمیوں کے چنگل سے آزاد ہونا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ جھینگا، پران اور دوسری اقسام کی مچھلی کی برآمدات کے لیے بہت مانگ ہے جس سے ماہی گیروں کی آمدنی میں اضافہ ہو گیا ہے۔

اب ماہی گیر سال میں ۲۵۰ دن کام کرتے ہیں۔ ایک چھوٹا ڈونگا اوسطاً ایک بار میں پندرہ کلوگرام معیاری مچھلی پکڑتا ہے جس کی اوسط مالیت تین روپے کلو ہے اور پندرہ کلوگرام دوسرے درجے کی مچھلی ہوتی ہے جس کی قیمت محض ایک روپے کلو ہوتی ہے۔ اس طرح سال بھر میں تیرہ ہزار کی متوقع آمدنی کے مقابلے میں خرچ کا اندازہ نو ہزار روپے رہتا ہے۔ جس سے ہر یونٹ کو چار ہزار روپے کا منافع ہوتا ہے۔ یہ منافع اخراجات زندگی کے لیے ۴۸۰۰ روپے الگ رکھنے کے بعد ہے۔ کم گہرے پانی سے ٹوکروں کے ذریعے جو مچھلی پکڑی جاتی ہے اس سے اس آمدنی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

سمندر کی لہریں جو دولت ساحل پر لائی ہیں آج چیرالا کے ماہی گیروں کو اس کا حصہ کسی اور کو نہیں دینا پڑتا ۔ وہ فخر سے سر اٹھا کر چلتے ہیں کیونکہ اب وہ مقروض نہیں اور انہیں اپنی مال سمندر سے جو دولت ملتی ہے اس کا کوئی حصہ ساحلی مگرمچھ چھین نہیں پاتا ۔

الائچی اور ربڑ کی مشترکہ کاشت

ربڑ کے باغوں میں الائچی کی کاشت کامیاب ثابت ہوئی ہے اور اس کا سہرہ کیرل کے پہاڑی علاقوں میں ماریاپورم کے چند جدت پسند کسانوں کے سر ہے۔

عام طور پر ربڑ کے باغوں میں کوئی دوسری فصل نہیں اگائی جاتی کیونکہ اس سے کچی ربڑ کی مقدار گھٹ جانے کا خدشہ رہتا ہے اور ربڑ کے پیڑوں پر گھنے پتوں کی وجہ سے چھوٹے پودوں کو دھوپ نہیں پہونچتی اور وہ اُگ نہیں سکتے ۔

الائچی کے پودوں کو سایے کی ضرورت ہوتی ہے اور عام طور پر سایے کے لیے الائچی کے باغوں میں ملائم درخت اگائے جاتے ہیں ۔ ماریاپورم کے کسانوں نے ربڑ کے ایسے باغوں میں الائچی اگانا شروع کیا جہاں کے پیڑ دس سال پرانے تھے ۔ تین سال بعد الائچی کی فصل دستیاب ہونے لگی ۔ ماریاپورم میں ایک کسان کو سالانہ ۲۵۰۰ کلوگرام ربڑ فی ایکڑ حاصل ہوتی ہے لیکن اب اسے اس کے علاوہ ۲۰۰ کلوگرام الائچی بھی دستیاب ہوتی ہے ۔ ربڑ سے صرف پندرہ روپے فی کلوگرام اور الائچی سے ۲۰۰ روپے فی کلوگرام آمدنی ہوتی ہے۔

ماریاپورم کا یہ تجربہ نچلے علاقوں میں شاید کامیاب نہ ہو سکے بالائی علاقوں میں ربڑ کے درخت گرمی کے آغاز میں پتے گرا دیتے ہیں اور کچھ ہی دنوں میں نئے پتے نکل آتے ہیں ۔ نچلے علاقوں میں پرانے پتے جھڑنے اور نئے پتے اُگنے کا درمیانی وقفہ لمبا ہوتا ہے جس سے الائچی کی صحت مند کاشت نہیں ہو سکتی ۔ ان منافع بخش فصلوں کو اگانے والے کسانوں کو الائچی اور ربڑ بورڈ دونوں مالی امداد دیتے ہیں ۔ حالانکہ ابھی تک ربڑ کی پالیسی یہ تھی کہ ربڑ کے باغوں میں دوسری چیز نہ اگانے دی جائے ۔

ماریاپورم کے اس تجربے کی کامیابی کے پیش نظر بالائی علاقوں میں ربڑ کے میدانوں کے بارے میں پالیسی میں اہم تبدیلی متوقع ۔ ••

خشک زمین میں انگور کی قابل قدر پیداوار

خشک زمینی علاقوں کی ترقی و فروغ سے متعلق [illegible] سے بہت سے چھوٹے کسان مستفید ہو رہے ہیں ۔ [illegible] انہیں اچھی فصل حاصل ہو رہی ہے اس سے ان کی آمدنی میں کافی [illegible] اضافہ ہو رہا ہے۔

ترقی پسند کسان جو اپنی [illegible] زمینوں کو زرخیز [illegible] ماہرین زراعت سے تکنیکی [illegible] حاصل کرنے [illegible] ہیں۔

ضلع مدورائی میں گاندھی گرام کے پاس رہنے والا وینکٹ سوامی پانچ سال سے زیادہ انگور کی کاشت کر رہا ہے زمین کے چھوٹے سے ٹکڑے سے وہ ابھی تک صرف ۲۵۰۰ کلو گرام انگور سالانہ پیدا کرتا تھا ۔ گاندھی گرام کے دیہی فروغ سے متعلق ادارے کے زرعی سائنسدانوں کے مشورے کی بدولت اس کے یہاں پیداوار کی صورت حال بالکل بدل گئی ہے ۔ کیمیائی کھاد اور موسمی جانکاری سے سوامی نے اپنی انگور کی پیداوار سالانہ یعنی ۵۰۰۰ کلوگرام کر لیا ہے ۔ اس کے سب انگور ہمیشہ میٹھے نکلتے ہیں ۔ آئندہ موسم میں وہ کاشت کا رقبہ بڑھانے کا ارادہ رکھتا ہے ۔ ••

ضلع ورنگل

ضلع ورنگل دکن کی سرزمین کا حصہ ہے۔ ابتدا میں اس علاقے پر آندھراؤں کی حکمرانی تھی۔ اس کے بعد وٹاپی کے چالکیاؤں نے اس پر حکومت کی۔ مشہور و معروف راجہ پلکیشن دوم کا تعلق بھی چالکیہ خاندان سے تھا جو بہت طاقتور راجہ گذرا ہے۔ اور جس نے سارے جنوبی ہند پر حکومت کی تھی۔ پلکیشن دوم ہندوستان کے باہر بھی بہت مشہور تھا جس کا ثبوت اجنتا کے غار نمبر (۱) میں موجود ایک درباری منظر سے ملتا ہے جس میں ایک ایرانی سفیر کو اسکے دربار میں حاضری دیتے ہوئے بتایا گیا ہے۔ چالوکیہ خاندان کے زوال کے بعد راشٹرا کوٹہ خاندان برسر اقتدار آیا جنہوں نے ورنگل کے راجاؤں کی حیثیت سے آزادی اختیار کرلی۔ اس خاندان کے پہلے راجہ کا نام پرولا اور دوسرے راجہ کا نام کنبتی دیوا تھا۔ جس نے مشرق اور شمال میں کئی علاقوں پر فتوحات حاصل کیئے۔ اس نے یادو خاندان کی شہزادی رودرما دیوی سے شادی کی تھی۔ یہ فنون لطیفہ اور فن تعمیر کا بڑا شائق تھا جس کا ثبوت قلعہ ورنگل میں واقع کیرتی تھورانا (چار دروازے)

کے درمیانی مندر کی باقیات سے ملتا ہے جسکی تعمیر کا آغاز اسکے دور حکومت میں کیا گیا تھا۔ رودرما دیوی بعد میں اسکی جانشین بنی اس خاندان کا آخری حکمران پرتاپ رودرا دیو ثانی تھا۔ اس کے دور حکومت میں علاؤالدین خلجی نے ورنگل پر حملہ کرکے اس پر قبضہ کرلیا اس طرح یہاں کے راجہ دہلی کے باجگذار بن گئے۔ ورنگل اور ہنمکنڈہ کے ان حکمرانوں کا تعلق کاکتیہ خاندان سے تھا۔ مقامی طور پر درگا کو یہاں کاکتی کہا جاتا تھا اسی سے اس خاندان کا نام کاکتیہ پڑگیا۔ کاکتیہ خاندان کے راجہ فن تعمیر کے بڑے شائق تھے ان ہی راجاؤں کے دور میں چالوکیہ طرز تعمیر کو خوب ترقی حاصل ہوئی اور یہ طرز تعمیر اپنے عروج کو پہنچ گیا۔ اس دور کی عمارتیں مضبوط اور متوازن وضع کی واقع ہوئی ہیں جن میں انجینئرنگ کے نقطہ نظر سے مختلف اعلیٰ نمونے اور تعمیری شکلیں ہمیں ملتی ہیں۔ شہر ورنگل ضلع کا مستقر مقام ہے جہاں اعلیٰ وضع و قطع کے آثار قدیمہ موجود ہیں۔ یہ شہر ورنگل راجاؤں کی حکومت کا پائے تخت تھا۔ جسے ابتدا میں "اوروگل" کہا جاتا تھا جو آٹھویں صدی میں یادو خاندان کے تلادا آندھرا راجاؤں کا بھی پائے تخت تھا۔ مزید یہ کہ ٹالامی نے اپنی جغرافیہ میں ورنگل کو کورنکل لکھا ہے۔ جبکہ اس کا دوسرا نام ایک شلا نگر ہے جسے ایکا شیلا نگریا ایکا شیلا پٹنم کے نام سے رگھوناتھ بھاسکر نے اپنی کتاب "ارادا چیم کوسش" میں تحریر کیا ہے۔ اوروگل یا اورنگل نام شاید قلعہ ورنگل کے بیچوں بیچ موجود چٹان کی وجہ سے رکھا گیا ہے۔

حدود اربع: ضلع ورنگل کے شمال میں ضلع کریمنگر اور ریاست مدھیہ پردیش اور اضلاع نلگنڈہ اور کھمم جنوب میں۔ کھمم اور گوداوری

مشرق میں اور مغرب میں میدک نلگنڈہ اور کریمنگر واقع ہیں۔

یہ ضلع تین ریوینیو ڈیویژنوں پر مشتمل ہے۔ جو یہ ہیں :- ورنگل محبوب آباد۔ اور پرکال۔ ضلع میں ۱۵ تعلقے ہیں جو یہ ہیں :- ورنگل پرکال - جنگاؤں - ملگ۔ ایٹور ناگارم - نرسم پیٹھ۔ گوڈور محبوب آباد مری پیڈا۔ وردھنا پیٹھ - کھمپور - جنگاؤں چریال اور کوڈ کونڈلا اور ورنگل ارنبا

رقبہ اور آبادی

ضلع کا رقبہ ۱۲۸۷۵ مربع کلومیٹر ہے اور آبادی ۲۳،۰۱،۳۴۳ ہے۔ جن میں ۱۱،۶۹،۸۰۹ مرد - ۱۱،۳۱،۵۶۵ عورتیں - ۲۹۷،۰۰۰ درج فہرست اقوام اور ۴۳۰۰۰ درج فہرست ... کے افراد ہیں۔

تعلیم

۱۹ اگست ۱۹۷۶ کو کاکتیہ یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا جس کا دائرہ عمل ورنگل کے بلدی حدود تک پھیلا ہوا ہے۔

ضلع ورنگل میں اس وقت ۲۴۵۲ تعلیمی ادارے ہیں جن میں جملہ ۱۴۱،۲۸۰ طلباء - پرائمری اور فوقانوی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ مختلف دوسرے تعلیمی اداروں کی تفصیلات حسب ذیل ہیں۔ ۹۹۰ ایک مدرس کے اسکول ۱۴۷۸ پرائمری اسکول ۲۸۰ اپر پرائمری اسکول ۴۰ ماڈل اسکول ۲۰۵ ہائی اسکول ۲۵ جونیر کالج ۷ ڈگری کالج ایک گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن - ایک ٹیچرس ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ - ایک ریجنل انجینئرنگ کالج ایک پرائیویٹ انجینئرنگ کالج - دو پالی ٹیکنک کالج - ایک انڈسٹریل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ ایک میڈیکل کالج - ایک یونیورسٹی ۱۸۰ غیر رسمی تعلیمی مراکز ۴۰۰ تعلیم بالغان کے مراکز اور ایک آیورویدک کالج ہے۔

زراعت

ضلع میں تقریباً ۳۶ء۴۲ فیصد رقبہ پر کاشت ہوتی ہے۔ (۴،۵۶،۰۰۰ ہیکٹر) تور کی کاشت ۱.۰۹ لاکھ ہیکٹر ہوتی ہے اور ۴۰ ہزار ٹن پیداوار نکالی جاتی ہے۔ ۱۴ ہزار ہیکٹر پر ہری مرچ کی کاشت کی جاتی ہے اور ۴.۹۳ لاکھ ہیکٹر پر مختلف غذائی اجناس کی فصلیں اگائی جاتی ہیں۔ تقریباً ۱.۸۸ لاکھ ہیکٹر زمین کی آبپاشی کی جاتی ہے جس میں سے ۵۱ فیصد زمین کی آبپاشی تالابوں کے پانی سے اور ۱۶ فیصد زمین باؤلیوں کے پانی سے سیراب کی جاتی ہے۔

مواصلات

ضلع ورنگل ریاست کی اہم ریلوے لائن پر واقع ہے جہاں سے مدراس - کلکتہ اور دہلی کو ریلوے لائن کا سلسلہ ہے جو قاضی پیٹھ جنکشن سے منسلک ہے۔ ضلع میں جنوبی وسطی ریلوے کے تحت ۱۵۴ کلومیٹر لمبی ریلوے لائن موجود ہے تعلقہ جات جنگاؤں - کھمپور - محبوب آباد اور ورنگل اسی ریلوے لائن پر واقع ہیں۔ اور دوسرے تعلقہ جات کو سڑکوں کے ذریعے ضلع مستقر سے جوڑا گیا ہے۔

ضلع میں محکمہ عمارات و شوارع کی سڑکوں کی جملہ مسافتی لمبائی ۱۹۰۴ کلومیٹر ، ضلع پریشد کے تحت سڑکوں کی لمبائی ۲۳۶۴ کلومیٹر ، پنچایت سمیتیوں کے تحت سڑکوں کی لمبائی ۱۸۵۲ کلومیٹر ہے۔ آر ٹی سی بسیں ضلع مستقر تعلقہ مستقر دیہی علاقوں اور ریاست کے دوسرے اضلاع کو چلائی جاتی ہیں۔

ضلع میں ۵ صدر ڈاک گھر ۱۴۴ چھوٹے ڈاک گھر ۵۹۸ برانچ پوسٹ آفیس اور ۱۰۵ دوسرے محکموں کے سب آفیس ہیں۔ ۸۳ ٹیلی فون اکسچینج ہیں ضلع میں ۱۸۹ ایل ڈی - ٹی - پی ہیں جن کے تحت ۵۰۶۶ ٹیلی فون کام کر رہے ہیں۔

طبی سہولتیں

ضلع مستقر شہر ورنگل میں مہاتما گاندھی میموریل ہاسپٹل ہے جو

جو کاکتیہ میڈیکل کالج کے طلباء کی تدریسی ضرورتوں کی تکمیل بھی کرتا ہے۔ ورنگل میں دو میٹرنیٹی ہاسپٹل ایک آیورویدک ہاسپٹل' ایک ٹی بی ہاسپٹل اور یونانی ڈسپنسری ہے۔ جنگاؤں - محبوب آباد - نرسم پیٹھ ' ملک اور پرکال میں تعلقہ سطح کے ہاسپٹل ہیں۔ لنگا ہیٹھ - تڈاوائی - چیلپور، چٹیال دوگونڈی ، گوڈور ، پالاکرتی ، بچنا پیٹھ ' ظفرگڈھ - مری پیڈا، بال پال وامیرا - سنگم ' نیلی کودورد ' پارکتاگیری - کوملا - لونور - شیام پیٹھ میں ۱۸ پرائمری ہیلتھ سنٹر ہیں۔ اس کے علاوہ ضلع کے قبائلی علاقوں میں دو گشتی ڈسپنسریاں بھی کام کر رہی ہیں

صنعتیں

ضلع میں تین بڑی اور اوسط قسم کی صنعتیں ہیں۔ اعظم جاہی ملز کی بدولت ورنگل میں ۴۹۰۰ افراد کو روزگار حاصل ہوا ہے۔ کاکتیہ آئیل اینڈ نیوٹرینٹ پرائیویٹ لمیٹیڈ گوپال پورم میں (۷۰) افراد کام کرتے ہیں۔ کملاپور تعلقہ ایٹو ناگارم میں واقع اے پی ریان لمیٹیڈ میں ۵۰۰ افراد روزگار سے لگے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ حکومت ہند نے ضلع میں (٦) بڑی اور اوسط صنعتوں کے قیام کے لیے لائیسنس جاری کئے ہیں۔ ضلع میں ۱۱۵۱ اسمال اسکیل صنعتیں ہیں جن میں ۹۰۱،۷۴ لاکھ روپے کا سرمایہ مشغول کیا گیا ہے اور ۱۰،۲۳۳ افراد کو روزگار حاصل ہوا ہے۔

پیتل کے ظروف کی صنعت

پیمبرتی ورنگل اور کنا یاپالم میں پیتل کے ظروف تیار کرنے کی صنعت ہے جہاں ۲۰۰ کاریگر کام کرتے ہیں۔ یہ تین یونٹیں کوآپریٹیو کے تحت ہیں۔ پیمبرتی میں واقع پیتل کی صنعت اندرون اور بیرون ملک بہت مشہور رہی ہے۔

شطرنجیاں اور دریاں

ورنگل کی شطرنجیاں اور دریاں اندرون اور بیرون ملک بہت مشہور ہیں۔ ۲۱۷ ممبروں پر مشتمل ایک کوآپریٹیو سوسائٹی اس صنعت میں لگی ہوئی ہے۔ سوسائٹی کی تیار کی ہوئی شطرنجیاں اور دریاں لیپاکشی ہینڈی کرافٹ ایمپوریم کے توسط سے برآمد کی جاتی ہیں۔

کوآپریٹیو سوسائٹیاں

ضلع ورنگل کی آبادی کا بڑا حصہ زراعت اور اس سے وابستہ مشاغل پر اپنی زندگی گزارتا ہے ضلع کے بیشتر کاشتکاروں کا تعلق چھوٹے اور اوسط کسانوں سے ہے۔

ضلع میں امداد باہمی تحریک کا تعلق لازماً زرعی سرگرمیوں تک ہے لیکن شہری آبادی جیسے سرکاری ملازمین - کاریگر - مزدور جو مقامی وسائل سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی زندگی گزارتے ہیں کوآپریٹیو اداروں سے وابستہ ہیں۔ ڈسٹرکٹ کوآپریٹیو سنٹرل بینک ورنگل کے تحت ۳۷۱ پرائمری اگریکلچرل کریڈٹ سوسائٹیاں کام کر رہی ہیں۔ ضلع میں نمایاں مقام کے حامل کوآپریٹیو ادارے حسب ذیل ہیں۔

ڈسٹرکٹ کوآپریٹیو سنٹرل بینک - ۳۷۱ پرائمری اگریکلچرل کوآپریٹیو کریڈٹ سوسائٹیاں - ڈسٹرکٹ کوآپریٹیو سنٹرل بینک کی ۱٦ شاخیں ٦ فارمرس سرویس کوآپریٹیو سوسائٹیاں' ۵ کوآپریٹیو مارکٹنگ سوسائٹیاں ۲ کوآپریٹیو مارکٹنگ سوسائٹیاں برائے درج فہرست قبائل - ۱۳۱ ہاؤزنگ سوسائٹیاں - ۸ کنزیومرس کوآپریٹیو سوسائٹیاں ۳۱۵ کمزور طبقات کی کوآپریٹیو سوسائٹیاں۔

سیاحتی دلچسپی کے مقامات

ضلع ورنگل میں سیاحتی دلچسپی کے مقامات یہ قلعہ ورنگل ہزار ستون والا مندر ہنمکنڈہ بھدرکالی مندر ورنگل - موضع پالم پیٹھ تعلقہ ملک میں سا مندر، راماپا مندر میں فن تعمیر اور سنگ تراشی کے بہترین نمونے ہیں جو باہر سے آنے والے سیاحوں کے لیے دلچسپی اور کشش کا باعث ہیں۔

فنِ تعمیر سنگ تراشی کے اعلیٰ نمونوں کے علاوہ یہاں قدیم تاریخی پس منظر کی حامل بڑی بڑی جھیلیں ہیں۔ پاکھال جھیل نرسم پیٹھ تعلقہ۔ رامپا جھیل ملک تعلقہ۔ لکھناورم جھیل ملک تعلقہ۔ گھنپور جھیل گھنپور تعلقہ۔ بھیم گھنپور جھیل پرکال تعلقہ

ڈیولپمنٹ بلاک

ضلع ورنگل میں ۱۴ ڈیولپمنٹ بلاک ہیں جن کے نام یہ ہیں:۔
ہنمکنڈہ ۔ گھنپور ۔ جنگاؤں ۔ وردھنا پیٹھ ۔ چیریال ۔ کوڑکونڈلہ محبوب آباد ۔ مری پیڈا ۔ نرسم پیٹھ ۔ گوڈور ۔ ... ۔ ایٹورناگارم پرکال اور چیٹیال۔

اسمبلی حلقے

ضلع میں ۱۳ اسمبلی حلقے ہیں جن کے نام ہیں:
چیریال ۔ جنگاؤں ۔ چینور ۔ ڈورناکل ۔ محبوب آباد ۔ وردھنا پیٹھ ۔ نرسم پیٹھ ۔ گھنپور ۔ ورنگل ۔ ہنمکنڈہ ۔ شیام پیٹھ ۔ پرکال ۔
(ایس سی) ملک (ایس ٹی)

لوک سبھا حلقے

دو لوک سبھا حلقے ہیں: ہنمکنڈہ اور ورنگل

گرام پنچایت

ضلع ورنگل میں ۸۰۳ گرام پنچایتیں ہیں۔

میونسپلٹیاں

ورنگل شہر میں سیلکشن گریڈ میونسپلٹی ہے جہاں کی آبادی ۰۱۸، ۳۸، ۳ ہے۔ جنگاؤں میونسپلٹی جس کی آبادی ۲۵۰۹۴ ہے۔ ●●

عظیم حیدرآبادی
۲۶-۳-۱۰ ہمایوں نگر حیدرآباد

قومی یکجہتی

یہ سرزمیں جسے ہندوستان کہتے ہیں
کئی مذاہب و نسلوں کا ایک مرکز ہے
یہاں زبانیں بھی کثرت سے بولی جاتی ہیں
اور اس پہ لطف یہ ہے لوگ مل کے رہتے ہیں
کہ علم و فن کا یہ مرکز رہا ہے برسوں سے
ثقافت اور تمدن کی دھوم ہے ہر سُو
حکومت اس کی سیکولر ہے خاص بات یہ ہے
کہ جس کی نظروں میں یکساں ہیں ملک کے انساں
یہاں پہ مسجد و مندر ہیں اور کلیسا ہیں
علاوہ ان کے کئی گردوارے ہیں موجود
کچھ ایسی عیدیں مناتے ہیں لوگ مل جل کر
کہ جس پہ عظمتِ انساں کو رشک آ جائے
تعصبات، نہ نفرت، نہ دل شکن منظر
نشانِ مہر و محبت کے ہر طرف جلوے
وطن کی عظمت و ناموس کے بچانے کو
ہر ایک جان کی بازی لگا ہی دیتا ہے
خدا کرے کہ رہے سازگار ایسی فضا
شگوفہ امن کا ہر سمت دور دور ہو
وطن کے ساتھ تمدن کی لاج رکھنے کو
ہمیں تو متحد و متفق ہی رہنا ہے

کے - ایم - ریڈی
پی آر او - ہندوستان شپ یارڈ

ہندوستان شپ یارڈ

جہاز سازی کا کارخانہ

سمندری جہاز سازی کا کارخانہ وشاکھاپٹنم میں ۱۹۴۱ء میں قایم کیا گیا۔ ملک میں یہ سب سے پہلا کارخانہ ہے۔ اپنے وجود کے زائد از ۴۰ سال کے دوران اس کارخانے نے کافی فنی ترقی کی اور جہاز سازی کا تجربہ حاصل کیا ہے اور ہمہ اقسام کے ۸۸ لا بجنگ شپ اور ۸۲ جہاز تیار کئے ہیں۔ ہندوستان شپ یارڈ میں تیار کردہ جہاز اپنے ڈیزائن اور معیار کے اعتبار سے بہت مضبوط ثابت ہوئے ہیں۔

نئی ٹیکنالوجی

جہاز سازی کا یہ کارخانہ اپنی زندگی کے تقریباً ۴۰ سال کے بعد حقیقی معنوں میں نئی ٹیکنالوجی اور نئے طریقے اختیار کرتے ہوئے اپنے اندر تبدیلی لا رہا ہے۔ ۱۹۴۰ کے (۸۰۰۰) DWT- جہاز سے آج یہ کارخانہ ۲۷۰۰۰ DWT جہاز تیار کر رہا ہے۔ اور ۱۹۸۶ء تک ۵۰۰۰۰ DWT جہاز تیار کرنے کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔ جہاز کی ساخت اور مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے تبدیلی اختیار کی جاری ہے ۱۹۸۶ء کے اوائل تک جہاز سازی کے کارخانے کو ۷۰ کروڑ روپے کے صرفے سے جدید طرز پر لایا جائے گا۔ کارخانے میں اہم انداز کی مختلف تبدیلیاں لائی گئی ہیں۔ کل تک کم لاگت والے سامان لے جانے والے ہلکے جہاز تیار کئے جا رہے تھے لیکن آج زیادہ لاگت والے پیچیدہ فنی ساخت کے جہاز تیار کئے جا رہے ہیں۔ اس کارخانے سے جہاز خریدنے والے نئے گاہکوں میں آئیل اینڈ نیچرل گیس کمیشن بھی ONGC شامل ہے جس کے لیے یہ کارخانہ انتہائی جدید طرز کے ڈرلنگ شپ اور جدید سمندری پلاٹ فارم تیار کر رہا ہے۔

(SPECIALIZED یہاں O.N.G.C. کے لیے WELL STIMULATION VESSEL) تیار کیا جائے گا جو ہندوستان میں تیار کئے جانے والا اپنی قسم کا پہلا جہاز ہوگا۔

O.N.G.C. کیلئے جہازوں کی تیاری

OPSSVS جہاز
OFF SHORE PLAT FORM SUPPORT-CUM. STANDBY VESSELS

جہاز آئیل اینڈ نیچرل گیس کمیشن کے لیے تیار کئے جا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ کنسورشیم آف ہندوستان شپ یارڈ۔ گوا شپ یارڈ۔ گارڈن ریچ شپ بلڈرس اینڈ انجینئرس۔ ہگلی ڈاکنگ لمیٹڈ کلکتہ نے معاہدہ کیا ہے اور مزید آٹھ جہاز تیار کئے جا رہے ہیں۔ ان میں کا پہلا جہاز "سمودریکا اد-" ۲۴ر نومبر ۱۹۸۴ء کو سمندر میں چھوڑا جا چکا ہے اس سلسلے کا دوسرا جہاز ۱۰ر مارچ ۱۹۸۵ء کو سمندر میں چھوڑ دیا گیا۔ OPSS VS - ۱۲ جہاز مسرس اسٹین ناروے کے اشتراک سے تیار کئے جا رہے ہیں۔ یہ انتہائی ہمہ مقصدی جہاز ہیں جو سمندری پلاٹ فارموں پر آدمیوں۔ غذائی سامان۔ نقاشیہ کے لیے فیول اور دوسرے آلات پہنچانے میں بے حد کار آمد ثابت ہوتے ہیں۔ یہ جہاز ہنگامی صورت حال میں مدد پہنچانے کا کام بھی انجام دیتے ہیں۔

آف شور پلاٹ فارم
OFF SHORE PLAT FARM

آئیل اینڈ نیچرل گیس کمیشن کے لیے ہندوستان شپ یارڈ میں — آف شور پلانٹ فارم تیار کیے جاتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے لوا گارڈن — (LOVA GARDEN) کے علاقے میں ایک علاحدہ شعبہ قائم کیا جا رہا ہے۔ اس کام کے لیے صنعتی اجازت نامہ اور بیرونی اشتراک کے انتظامات کو قطعیت دیدی گئی ہے۔ اور اس شعبہ میں دو سمندری پلاٹ فارم تیار کرنے کیلئے کام کا آغاز کیا جا رہا ہے جس کے لیے ONGC نے آرڈر دیدیا ہے۔ مزید آرڈرس بھی وصول ہونے کی توقع ہے۔ مسرس ہوارڈ ڈوریٹرز لمیٹیڈ - یو-کے کی فنی شرکت سے یہ کام انجام دیا جا رہا ہے۔

سامان لے جانے والے بڑے جہاز

مغل لائنز لمیٹیڈ بمبئی کے لیے DWT 26450 - "ایم ڈی لوک پرکاش" سامان لے جانے والا جہاز تیار کیا گیا جسے ۲۴ر مارچ ۱۹۸۵ء کو سمندر میں چھوڑا گیا۔ ہندوستان شپ یارڈ کی جانب سے تیار کئے جانے والے ۷ بھاری جہازوں میں سے یہ ایم - دی لوک پرکاش پانچواں بھاری جہاز ہے جس کا ڈیزائن خود ہندوستان شپ یارڈ نے

(H.S. STANDARD FLEXIBLE DESIGN)

کے نام سے تیار کیا۔ جہاز مختلف قسم کا سامان لے جا سکتا ہے جیسے خام لوہا اجناس - کوئلہ اور خشک کیمیائی اشیاء وغیرہ۔

" 4 دی - پربھوریا " ۲۷ ہزار D.W.T جہاز مسرس تولانی جہاز ر کمپنی کے لیے تیار کیا گیا تھا جسے ۲۵ر نومبر ۱۹۸۴ء کو سمندر میں اتارا گیا۔ اس کے صرف چار ماہ کی مدت کے اندر " ایم - دی۔ لوک پرکاش" کو سمندر میں اتارا گیا۔ ہندوستان شپ یارڈ کے لیے یہ قابل فخر بات ہے کہ " ایم - دی لوک پرکاش " جہاز صرف ۸ ماہ کے اندر تیار کیا گیا۔

(H.S. STANDARD FLEXIBLE DESIGN)

کی اساس پر " لوک پرکاش " جہاز کی تیاری عمل میں آئی تھی اس میں اعلیٰ معیار کا ہائیڈرو ڈائنامک نظام لگایا گیا ہے۔ مذکورہ ڈیزائن کی بنیاد پر ۱۴ ہزار تا ۲۷ ہزار D.W.T کے سامان لے جانے والے جہاز تیار کئے جا سکتے ہیں۔

اس سے قبل اسی ڈیزائن کی بنیاد پر ایک اور جہاز ایم دی۔ نندنی جولائی ۱۹۸۴ء میں ایک اور جہاز راں کمپنی کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ ایک اور جہاز ایم - دی جگت نیشوری مکمل ہو چکا ہے۔ یہ دونوں جہاز کارکردگی کے اعتبار سے بہت زیادہ کامیاب ثابت ہوئے ہیں۔ ایم - دی لوک پرکاش " ہندوستان شپ یارڈ کی جانب سے تیار کردہ ۹۰ واں جہاز ہے۔

شاندار پیش رفت

گذشتہ ۳ برسوں میں شپ یارڈ کی کارکردگی بہت شاندار رہی ہے۔ ۸۲ - ۱۹۸۱ء میں شپ یارڈ اپنی جملہ تنصیبی صلاحیت کا ۳۱ فیصد سے استفادہ کرنے کے قابل تھا۔ لیکن ۸۴ - ۱۹۸۳ء میں ۷۰ فیصد صلاحیت سے استفادہ کیا گیا۔ اور توقع ہے کہ ۸۵ - ۱۹۸۴ء میں

خبریں تصویروں میں



کماری سہاسینی کو چیف منسٹر مسٹر این ٹی راما راؤ نے بہترین فلمی اداکارہ کا انعام پیش کر رہے ہیں

۹۰ فیصد صلاحیت سے استفادہ کیا جاسکے گا۔ فولاد کی کھپت ۸۱-۱۹۸۰ء میں ۹۴۰۰ ٹن تھی ۸۴-۱۹۸۳ء میں ۸۵۲۰ ٹن تک پہنچ گئی، سال ۸۵-۱۹۸۴ء میں ۱۱۰۰۰ ٹن تک پہنچنے کی توقع ہے۔ ۸۲-۱۹۸۱ء میں کارخانے کی پیداوار کی مالیت ۴۹٫۲۱ کروڑ روپے تھی جو ۸۴-۱۹۸۳ء میں بڑھ کر ۳۵ کروڑ روپے تک پہنچ گئی اور ۸۵-۱۹۸۴ء میں ۷۱ کروڑ روپے تک پہنچنے کی توقع ہے۔ ۸۲-۱۹۸۱ء میں ۱۲٫۵ کروڑ روپے کی آمدنی ریکارڈ کی گئی۔ ۸۴-۱۹۸۳ء میں آمدنی ۷۲٫۱۵ کروڑ روپے تک پہنچ گئی اور توقع ہے کہ ۸۵-۱۹۸۴ء میں ۳۲٫۱۰ کروڑ روپے تک پہنچ جائے گی اسی طرح ۸۲-۱۹۸۱ء کے دوران مالیت میں تقریباً ۷۱٫۹ کروڑ روپے کا اضافہ ہوا جو ۸۴-۱۹۸۳ء میں بڑھ کر ۷٫۱۷ کروڑ روپے تک پہنچ گئی۔ اور ۸۵-۱۹۸۴ء میں تقریباً ۹۶٫۲۳ کروڑ روپے ہوجائے گی۔

ہندوستان شپ یارڈ بحریہ اور محکمہ سمندری ترقیات کی طرح سرگرمی کے ساتھ جہازرانی کی ضرورتوں کی تکمیل اور نئی راہیں اختیار کرتے ہوئے کاروبار کو ترقی دینے میں لگا ہوا ہے تاکہ ملک کی خود اعتمادی اور معاشی قوت کو بلند کرنے میں اپنا حصہ ادا کرسکے۔ ●●



چیف منسٹر مسٹر این ٹی راما راؤ نے اگادی کے موقع پر رویندرا بھارتی میں پنڈتوں کو اعزازات پیش کئے

آندھرا پردیش میں سانپ

ٹی۔ ایس۔ این۔ مورتی

ہمارے ملک میں سانپوں کی تقریباً ۲۴۰ اقسام پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے آندھرا پردیش میں پائی جانے والی ۲۰ بے ضرر اور ۴ اقسام زہریلے سانپوں کی ہیں۔

آندھرا پردیش کے تالابوں ۔ دلدل زمینوں زرعی اور جنگل کے علاقوں میں پائے جانے والے سانپ بے ضرر ہوتے ہیں۔ سب سے زیادہ یہ کہ بعض سانپ تو کمانٹنے اور فصل تباہ کرنے والے چھوٹے چھوٹے جانوروں کے خاتمہ میں مدد و معاون ثابت ہوتے ہیں سب سے پہلے ہم ایک چھوٹے اور کیڑا نما سانپ سے ابتدا کرتے ہیں جسے (منّو پامو) یعنی مٹی کا سانپ کہا جاتا ہے۔ یہ دیکھنے میں سانپ نہیں معلوم ہوتا جب یہ اپنی دو شاخہ زبان باہر لاتا ہے تب ہی یہ سانپ معلوم ہوتا ہے۔ یہ سانپ سطح زمین پر کوڑا کرکٹ اور باغوں میں پھولوں کے گملوں میں پایا جاتا ہے۔ بعض دفعہ بڑے شہروں کے خزانے آب میں یہ سانپ حیرت انگیز طور پر برآمد ہوتے ہیں۔ یہ بہت ہی بزدل قسم کا جانور ہے چنانچہ رات کے وقت اپنی غذا کی تلاش میں نکلتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے کیڑوں اور انکے انڈوں کو کھالیتا ہے۔ اسکی لمبائی بمشکل تمام ۷ سنٹی میٹر ہوتی ہے۔

ریتی میں رہنے والے سانپ

آندھرا پردیش میں ان سانپوں کی دو اقسام پائی جاتی ہیں۔ چھوٹے لیکن مضبوط جسم کے یہ سانپ جیسا کہ انکے نام سے ظاہر ہے ریتی میں رہتے ہیں۔ آندھرا میں عام طور پر پائے جانے والے ریتی کے سانپ لال مٹی کے سانپ ہوتے ہیں۔ اور انکی دوسری قسم کالی مٹی کے سانپ کہلاتی ہے۔ یہ سانپ راتوں کے اوقات ہی میں سرگرم رہتے ہیں اور اکثر چوہوں اور کھیتوں میں پائے جانے والے چھوٹے چھوٹے جانوروں اور کیڑوں کا شکار کرتے ہیں جنھیں وہ اپنی لپیٹ سے گرفت میں لے کر ہلاک کرتے ہیں۔ یہ سانپ اگرچیکہ ایک میٹر لمبے ہوتے ہیں لیکن اتنے بزدل واقع ہوئے ہیں کہ خطرہ محسوس ہونے پر اپنے جسم کے گنڈل کے نیچے اپنا سر چھپا لیتے ہیں۔ ایک جھول میں بالکل اپنی ہی شکل کے ۶ تا ۸ سنپے پیدا کرتے ہیں۔

لال مٹی کے سانپ کی دُم اتنی موٹی ہوتی ہے کہ وہ بجائے خود ایک دوسرے سر کی طرح نظر آنے لگتی۔ سانپ پکڑنے والے اس بات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بھولے بھالے عوام کے سامنے دو سروں والے سانپ کے طور پر اسکی نمائش کرتے ہیں۔

عظیم الجثہ سانپ

اژدھا نما دیو قامت ہمارے ملک میں پایا جانے والا یہ سانپ آندھرا پردیش کے جنگلوں میں رہنے والے لوگوں کے لیے تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ اگرچیکہ یہ سانپ گھنے جنگلات میں رہتا ہے لیکن بڑے دریاؤں کے دہانوں اور گرم علاقوں میں پائے جانے والے جنگلوں اور دلدلوں

و نیز، پہاڑی علاقوں کی ندیوں کے قریب رہنے کو ترجیح دیتا ہے۔ یہ اژدھا نما سانپ ٦ میٹر لمبا ہوتا ہے اور اس کے جسم پر پائے جانے والے نمایاں سیاہ دھبوں چھوٹی دُم اور اپنے سر پر تیر نما نشان کی بدولت آسانی سے پہچانا جا سکتا ہے۔ یہ بہت ہی سست اور کاہل جانور واقع ہوا ہے اپنے آرام کی جگہ سے اس وقت تک باہر نہیں جاتا تا آنکہ اسے مشتعل نہ کیا جائے یا وہ غیر معمولی بھوکا نہ ہو۔ چوہے، پرندے، گیدڑ، ہرن، بچھڑے اور جنگلی سور وغیرہ اسکی غذا ہے۔

جیسا کہ عام خیال ہے یہ سانپ آدم خور نہیں ہوتا۔ لیکن بس رینڈ اژدھا نما یہ سانپ موقع اگر ہاتھ آجائے تو ایک انسانی بچے کو کھا سکتا ہے یہ اپنے بھاری جسم کے گنڈل کی آہنی گرفت سے شکار کو ختم کر دیتا ہے جیسا کہ خیال ہے وہ اپنے شکار کے جسم کی ہڈیاں نہیں توڑتا۔

بھیڑیا نما سانپ

اس سانپ کے منہ میں بھیڑیے کی مشابہت کے لمبے دانت ہوتے ہیں اسلئے اسے بھیڑیا نما سانپ کہا جاتا ہے۔ یہ بہت دبلا ہوتا ہے اسکی لمبائی ۳۰ تا ۸۰ سنٹی میٹر ہوتی ہے۔ یہ سانپ صرف راتوں کے اوقات عمارتوں کے کھنڈروں میں اور چھتوں اور پتھروں کے نیچے دیکھائی دیتا ہے۔ یہ زہریلے کریٹ سانپ کی طرح ہوتا ہے۔ اسکی پیٹھ پر سفید یا زرد رنگ کی لکیریں ہوتی ہیں۔ اور دیہی عوام اسے کریٹ سمجھ کر دیکھتے ہی ختم کر دیتے ہیں۔ دو اور اقسام کے بھیڑیا نما سانپ آندھرا میں پائے جاتے ہیں جنہیں ٹراؤنکو بھیڑیا نما اور دھاری دار بھیڑیا نما سانپ کہتے ہیں۔

دھابن چوہے کھانے والا سانپ

بجلی کی رفتار سے بھاگنے والے اس سانپ سے ہم میں کا ہر آدمی واقف ہے یہ کھیتوں اور گھروں میں دکھائی دیتا ہے۔ اور ذرا سی آہٹ پر برق رفتاری کے ساتھ نکل جاتا ہے۔ اسے گاؤں کے لوگ دھابن اور بعض (جیری پوتھ) کہتے ہیں۔ یہ سانپ چوہے کھاتا ہے اور چوہے اسکی پسندیدہ غذا ہے جن کی تلاش میں یہ مویشیوں کے سائبانوں کھیتوں میں نکل جاتا ہے یہ مویشیوں کا دودھ نہیں پی لیتا جیسا کہ عام طور پر اس کے تعلق سے غلط فہمی ہے۔ اس کی لمبائی ۴ میٹر تک ہوتی ہے جسکی وجہ سے لوگ اس سے بہت خوف کھاتے ہیں اور بعض تو اس کو نر کوبرا سمجھتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ سانپ بالکل بے ضرر واقع ہوا ہے اور اسکے منہ میں زہر چھوڑنے والے دانت نہیں ہوتے۔ اور اس کے برخلاف کوبرا بالکلیہ طور پر سانپوں کے ایک علاحدہ خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ اگرچیکہ دھابن غیر زہریلا سانپ ہے لیکن رکاوٹ درپیش آجائے یا پیروں تلے آجائے تو یہ خاموش نہیں رہتا۔ بلکہ چھبتی ہوئی تیز آواز میں پھنکارتے ہوئے پوری طاقت سے وار کرتا ہے۔ فصلوں کو تباہ کرنے والے جانوروں کا دشمن ہے کسان اسکو بہت دوست رکھتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کھال کی خاطر اسے لوگ ہلاک کر دیتے ہیں بعض قبائل اس کا گوشت بھی کھاتے ہیں۔

درختوں پر رہنے والا سانپ

اس سانپ کا رنگ ہرا ہوتا ہے اور بڑی آسانی سے اپنے کو درختوں کی شاخوں پر چھپا لیتا ہے۔ اسکی لمبائی ۲ میٹر سے زائد ہوتی ہے۔ لوگ اس غلط فہمی کی وجہ سے خوف کھاتے ہیں کہ یہ سانپ آنکھوں پر وار کرتا ہے جسکی وجہ سے اسکو آنکھوں میں مارنے والا سانپ بھی کہتے ہیں۔ لیکن یہ انتہائی تند مزاج کا سانپ ہے جو اپنے دشمن کو فوری کاٹ لیتا ہے۔ اس کے منہ سے ایک زہریلا مادہ بہت تھوڑی مقدار میں نکلتا ہے جو اسکے شکار جیسے پرندوں۔ چھپکلیوں اور مینڈکوں کو ختم کرنے کے لئے کافی ہے۔ یہ جنگلوں اور میدانوں میں گذر بسر کرتا ہے۔ درختوں پر رہنے والا دوسری قسم کا سانپ عام طور پر چھوٹی جھاڑیوں والے علاقے میں پایا جاتا ہے جس کی پیٹھ کانسی رنگ کی اور لمبائی ١٫٥ میٹر ہوتی ہے۔ لامبی دم والا یہ سانپ بہت تیز رفتار ہوتا ہے درختوں پر رہنے والا ایک اور سانپ ہے جسکی آنکھیں

بلی کی آنکھوں سے مشابہت رکھتی ہیں۔ اسکا سر مثلث نما ہوتا ہے اور بالکل وائپر سے ملتا جلتا ہے۔ یہ درختوں کی بلندی پر پہنچ کر محفوظ مقام میں گنڈل کی شکل میں بسیرا لیتا ہے۔ یہ بے ضرر سانپ ہے۔ اپنے شکار کو ختم کرنے کی حد تک ہی اسکے منہ سے زہر خارج ہوتا ہے۔ عام طور پر پرندوں چھپکلیوں اور چوہوں کا شکار کرتا ہے۔

گھاس میں رہنے والا سانپ

یہ سانپ اسکی پیٹھ پر پائے جانے والے جسم کے متوازی دُم تک دو زرد دھاریوں سے بہ آسانی پہچانا جاتا ہے۔ یہ مینڈکوں کو کھاتا ہے اور اپنی غذا کی تلاش میں جھاڑیوں اور گھاس کے میدانوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کی لمبائی ۸۰ سنٹی ہوتی ہے پکڑ لئے جانے پر کاٹنے کی کوشش نہیں کرتا۔ لیکن وہ اپنی گردن کو کوبرا کی طرح پھیلاتا ہے جس سے عام طور پر لوگ غلطی میں اسے کوبرا سمجھنے لگتے ہیں۔ زمین پر رہنے والے تمام سانپوں میں اس خاموش اور نرم مزاج والے سانپ کو غلطی سے کوبرا کا بچہ سمجھا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مویشی چرانے والے بچے بھی بلا خوف و خطر اس سانپ سے کھیلتے ہیں۔

پانی کا سانپ

یہ سانپ اکثر گھروں میں بھی پایا جاتا ہے لیکن پانی سے دور دراز علاقوں میں نہیں رہتا۔ یہ سانپ ۲ میٹر لمبا اور اس کا جسم کافی موٹا ہوتا ہے اسکی پیٹھ پر شطرنج کی بساط کی طرح نشانات ہوتے ہیں۔ اگرچہ کہ یہ بالکل غیر زہریلا ہوتا ہے لیکن اتنا تند مزاج ہوتا ہے کہ چھیڑنے پر فوراً ہی کاٹ لیتا ہے۔

سطح آب پر اس کا تیرنا بہت ہی بھلا معلوم ہوتا ہے اور پانی میں بغیر حرکت کئے ۱ یا ۲ گھنٹے تک مسلسل ٹھیرے رہ سکتا ہے۔ دفعتاً واحد میں یہ ۵۰ انڈے دیتا ہے۔ آندھرا پردیش میں اس کے علاوہ دو اور سانپ ہیں جو کیچڑ میں رہتے ہیں جنھیں عام طور پر کیچڑ کے سانپ کہتے ہیں۔

ندیوں کے دہانوں پر رہنے والے سانپ

پانی میں رہنے والا دوسرا سانپ ندیوں کے دہانوں پر موجود کیچڑ نُما کی کھاڑیوں میں پایا جاتا ہے۔ یہ سانپ کتے کی شکل کا ہوتا ہے اسکا نچلا جبڑا لمبا ہوتا ہے جسکی وجہ سے اسکی شکل میں کتے کی مشابہت پائی جاتی ہے۔ یہ سانپ مزاج کے اعتبار سے سست اور آرام طلب ہوتا ہے لیکن اگر چاروں طرف سے گھیرے میں آجائے تو یہ پھنکارتا ہے اور بری طرح سے کاٹتا ہے۔ اسکی لمبائی ۱۶۵ میٹر ہوتی ہے یہ سانپ بچے دیتا ہے اس کی اہم غذا مچھلی ہے۔ آندھرا پردیش میں دوسرے اور بے ضرر سانپ موجود ہیں جنھیں ککری اور ٹرینکیٹ کہا جاتا ہے۔

زہریلے سانپ

ہندوستان میں پائے جانے والے چار قسم کے زہریلے سانپ جن کے کاٹنے سے موت واقع ہوتی ہے آندھرا پردیش میں بھی پائے جاتے ہیں وہ یہ ہیں۔ کوبرا (ناگ) کریٹ (کٹلا) رسلس وائپر (رکتا پنجرہ) اور پھورسا۔

کوبرا

۱ تا ۲ میٹر لمبا ہوتا ہے جو عام طور پر میدانوں جنگلوں یہاں تک کہ کثیر آبادی والے علاقوں میں پایا جاتا ہے۔ دیمک کے گھروں، ویران عمارتوں، چٹانوں اور چوہوں کی بلوں میں یہ سانپ رہائش اختیار کرتا ہے۔ عام طور پر تربیت پذیر ہوتا ہے انتہائی اشتعال انگیزی کی صورت میں کاٹ لیتا ہے۔ دن کے وقت کمزور بینائی کی وجہ سے ذرا سی آہٹ پر بھاگ نکلتا ہے اپنا پھن نکال کر خطرے کا مقابلہ کرنے ٹھیر جاتا ہے۔ رات کے وقت بینائی تیز ہو جاتی ہے جسکی وجہ سے زیادہ تر حملہ کرنے پر مائل رہتا ہے۔ ہندوستانی

کوبرا بیشتر شام اور سویرے کے اوقات میں گشت پر نکلتا ہے اور ننگے پیر چلنے پھرنے والے کسانوں اور دیہاتیوں کے لیے خطرناک ثابت ہوتا ہے چوہوں کی تلاش میں انسانی آبادیوں میں نکل پڑتا ہے

کریٹ

یہ سانپ عام طور پر ۱ تا ۱۶۷۵ میٹر لمبا ہوتا ہے۔ اور اپنے کالے نیل گوں رنگ اور سفید ترچھی لکیروں سے پہچانا جاتا ہے۔ اسکی دوسری قسم جسے بانڈڈ کریٹ کہتے ہیں آندھرا پردیش میں بہت کم پایا جاتا ہے۔ یہ سانپ بھی عام طور پر دیمک کے گھروں میں، انکے اطراف واکناف علاقوں میں، چوہوں کی بلوں اور ویران عمارتوں میں رہتا ہے۔ دن کے وقت الگ تھلگ خاموش مقامات پر رہتا ہے۔ لیکن رات کے وقت یہ سرگرم عمل ہوجاتا ہے۔ مزاج کے اعتبار سے بہت ہی خاموش واقع ہوا ہے۔ اشتعال دلانے پر کریٹ اپنا سر اپنے جسم کے نیچے چھپالینے کو ترجیح دیتا ہے۔ کریٹ اور کوبرا کے زہر میں غشی پیدا کرنے کی خاصیت ہوتی ہے جس سے اعصابی نظام متاثر ہوکر آدمی کی موت واقع ہوجاتی ہے

وائپر

اپنے مثلثی سر، پتلی گردن سر پر چھوٹے چھوٹے دھبوں کی وجہ سے اسکی شناخت بہت آسان ہے۔ رسل وائپر کے جسم پر پائے جانے والے نشانات کی وجہ سے اسے تلگو میں عام طور پر رکتکا ریکولا پوڈا پاموم کہا جاتا ہے یہ چٹانوں کی دراڑوں میں گھنے پودوں گھاس اور کانٹے دار جھاڑیوں کے جھنڈ میں رہنے کو ترجیح دیتا ہے اکثر و بیشتر راستوں اور سڑکوں پر بھی دکھائی دیتا ہے۔ چوہوں کی تلاش میں مکانوں میں داخل ہوجاتا ہے مشتعل کر دیئے جانے پر تیز چبھتی ہوئی آواز میں پھنکارتا ہے۔ لمبے اور متحرک دانتوں سے کافی مقدار میں زہر چھوڑتا ہے۔ اور بسا اوقات سنا گیا ہے کہ اپنے شکار سے چمٹ جاتا ہے اس کے زہر سے خون متاثر ہوجاتا ہے۔

ہندوستانی وائپر یا پھورسا نیم خشک علاقوں میں پایا جاتا ہے یہ انتہائی خطرناک سانپ ہے معمولی سی اشتعال انگیزی پر فوری حملہ کر دیتا ہے۔ اس کا زہر اور کاٹ انتہائی مہلک ہے۔

کنگ کوبرا (ناگ راج) اپنی جسامت اور زہریلے پن کی وجہ سے بہت خوفناک ہے۔ زمین کے گڑھوں میں بھی وائپر رہتے ہیں لیکن آندھرا پردیش میں ان کا وجود نہیں۔ ●●

شفیق اعظمی معرفت پرنس میڈیکل ہال۔ سرائے میر۔ اعظم گڑھ (یوپی) 276305

اٹھو چراغ جلاؤ تو کوئی بات بنے

خوشی کا شرہ سناؤ تو کوئی بات بنے
کنول دلوں کے کھلاؤ تو کوئی بات بنے
وہ بات جس کا اثر ناگوار تھا کل تک
اگر وہ بات بھلاؤ تو کوئی بات بنے
وہ ہندو ہو کہ مسلماں، امیر ہو کہ غریب
گلے سے سب کو لگاؤ تو کوئی بات بنے
قدم ملا کے ہی چلنے میں عافیت ہے مگر
دلوں کا فرق مٹاؤ تو کوئی بات بنے
ہر ایک سمت مسرت کا نور پھیلا کر
غموں کا رنگ مٹاؤ تو کوئی بات بنے
اندھیرا حد سے سوا ہے تو دیکھتے کیا ہو
اٹھو چراغ جلاؤ تو کوئی بات بنے
جو دل شکستہ و رنجور ہیں زمانے میں
ذرا انہیں بھی ہنساؤ تو کوئی بات بنے
خدا کی بارگہ ناز میں شفیق اگر
سر نیاز جھکاؤ تو کوئی بات بنے

ساحر لدھیانوی

شفیعہ قادری
ریسرچ اسکالر، جامعہ عثمانیہ
لکچرار المدینہ کالج آف ایجوکیشن، محبوب نگر

"مجھے یاد ہے ایک مشاعرہ میں کچھ لوگ ساحر سے آٹوگراف لے رہے تھے۔ جب لوگ چلے گئے اور میں اکیلی اسکے پاس کھڑی رہ گئی تو ہنستے ہوئے میں نے اپنی ہتھیلی اسکے سامنے بڑھا دی، کورے کاغذ کی طرح اور اس نے میری ہتھیلی پر اپنا نام لکھ دیا اور کہا ــــ یہ بلینک چیک پر میرے دستخط ہیں جو رقم چاہو لکھ لینا اور جب چاہو کیش کروا لینا۔ چاہے وہ کاغذ ماس کی ہتھیلی تھی لیکن اس نے کورے کاغذ کا نصیب پایا تھا اسلئے کوئی حرف اس پر نہیں لکھا جاسکتا تھا۔ حرف تو آج بھی میرے پاس نہیں۔ یہ تو محض کورے کاغذ کی داستاں ہے۔ اس داستاں کی ابتداء بھی خاموش تھی اور ساری عمر اسکی انتہا بھی خاموش رہی۔ آج سے چالیس برس پہلے جب لاہور میں ساحر مجھ سے ملنے کے لیے آتا تھا۔ آکر چپ چاپ سگریٹ پیتا رہتا۔ راکھ دانی جب سگریٹ کے ٹکڑوں سے بھر جاتی تو وہ چلا جاتا اور اسکے جانے کے بعد میں اکیلی سگریٹ کے ان ٹکڑوں کو جلا کر پیتی تھی۔ میرے اور اسکے سگریٹ کا دھواں ہوا میں ملتا تھا۔ سانسیں بھی ہوا میں ملتی رہیں اور نظموں کے لفظ بھی ہوا میں ــــ سوچ رہی ہوں ہوا کوئی بھی فاصلہ طے کر سکتی ہے وہ پہلے بھی شہروں کا فاصلہ طے کرتی تھی۔ اب اس دنیا اور اس دنیا کا فاصلہ بھی ضرور طے کرے گی۔"

امریتا پریتم نے ساحر کی شخصیت اور فن سے اپنی گہری وابستگی کا اظہار جس انداز میں کیا ایسی مثال بہت کم ملتی ہے۔ اس ایک انوکھی مثال کے باوجود اردو دنیا میں ایسے ہزاروں لوگ بھی ہونگے جو شاعر کی شخصیت اور اسکے فن کو شدت سے محسوس کرتے ہوں گے۔

ترقی پسند شاعروں میں ساحر ایک باوقار شخصیت اور اہم مرتبہ کے حامل تھے۔ ان کا شمار مقبول ترین ترقی پسند شاعروں میں ہوتا ہے۔ ساحر ان خوش نصیب شاعروں میں سے ایک ہیں جنکی شاعرانہ عظمت اور ان کی فنکارانہ صلاحیتوں کو نہ صرف ان کے ہم عصر شاعروں اور ادیبوں نے ہی تسلیم کیا بلکہ صف اول کے نقادوں اور مبصرین نے بھی سراہا ہے۔

اردو زبان کے اس مقبول ترین شاعر نے ۸ / مارچ سنہ ۱۹۲۱ء کو لدھیانہ کے ایک جاگیردار گھرانے میں جنم لیا۔ ان کے دادا فتح محمد لدھیانہ کے نامور رئیس اور بڑے زمیندار تھے۔ ان کے والد کا نام فضل محمد تھا۔ ان کی والدہ سردار بیگم کشمیر النسل تھیں۔

ساحر کے والد جاگیردارانہ نظام کی جابرانہ روایات و خصوصیت کو برقرار رکھنے ہوئے رعیت اور کسانوں پر طرح طرح کے ظلم و استبداد کو روا رکھتے تھے۔ ان کا زیادہ وقت عیش و عشرت اور رنگ رلیوں میں گزرتا تھا۔ اس بے راہ روی کے ماحول میں ساحر کی والدہ کا دم گھٹتا تھا۔ وہ اپنے شوہر کی عیش کوشیوں اور بے اعتدالیوں سے بیزار آچکی تھیں۔ بالآخر انہیں اپنے شوہر سے ترکِ تعلق کرنا پڑا اور وہ اپنے بھائی کے گھر چلی گئیں۔ اس وقت ساحر کی عمر صرف چھ ماہ تھی۔ ساحر نے اپنی تعلیم ماں کی سرپرستی میں جاری رکھی۔

ساحر اسکول کے زمانے سے ہی شعر و شاعری سے دلچسپی لینے لگے۔ ساحر لدھیانوی نے انٹرنس پاس کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لدھیانہ میں داخلہ لے لیا۔ اس زمانے میں آل انڈیا اسٹوڈنٹ فیڈریشن نے کارکنوں سے ان کا تعارف ہوا۔ یہ انجمن کمیونسٹ پارٹی کے زیر اہتمام کام کر رہی تھی۔

ساحر چونکہ بچپن ہی سے ترقی پسند رجحانات کے حامل تھے اس لیے انہوں نے آل انڈیا اسٹوڈنٹس فیڈریشن سے وابستہ ہونے کے بعد اسکی سرگرمیاں بڑھاتے رہے۔ وہ مزدوروں کے اجتماع اور سیاسی جلسوں کو مخاطب کرنے لگے۔ جلسوں میں اپنی سیاسی نظمیں بھی سنایا کرتے تھے۔

ساحر لدھیانوی کے والد چونکہ ایک جاگیردار تھے اسلئے انہیں یہ بات پسند نہ تھی کہ ان کا بیٹا ترقی پسند رجحانات کو پروان چڑھائے اور مزدوروں اور سیاسی جلسوں کو مخاطب کرے اور نظمیں سنایا کرے۔

ایک بار جب ایک ڈپٹی کلکٹر نے ساحر کی شاعری کی تعریف کی تھی تو بہت خوش ہوئے اور فخر محسوس کرنے لگے کہ ان کا بیٹا شاعر بن گیا ہے لیکن جب انہیں یہ پتہ چلا کہ وہ زمینداری اور جاگیرداروں کے خلاف آواز بلند کر رہے ہیں تو انہیں بہت دکھ ہوا اور کہنے لگے کہ اللہ نے ایسی اولاد دی کہ باپ کی زمینداری کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ ساحر کی سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے آن کے والد پر انگریزوں کا بار بار عتاب نازل ہوا۔ ساحر کی بعض سیاسی نظمیں ضبط کر لی گئیں۔ بی۔اے کے آخری سال کے بعد وہ لدھیانہ سے لاہور چلے گئے جہاں انہوں نے دیال سنگھ کالج میں داخلہ لیا۔ اس کالج میں ساحر اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر چنے گئے۔ ان کی سیاسی سرگرمیاں اس قدر بڑھ گئیں کہ دیال سنگھ کالج چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اگلے سال وہ اسلامیہ کالج لاہور میں داخل ہوئے لیکن یہاں کا ماحول بھی انہیں راس نہ آیا ان حالات میں ساحر اپنی تعلیم مکمل نہ کر سکے اور وہ کالج کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیئے۔

ساحر ادب لطیف کے علاوہ شاہکار اور سویرا کے بھی مدیر کی حیثیت سے وابستہ رہے ہیں۔

ملک کی تقسیم کے بعد فسادات پھوٹ پڑے۔ لدھیانہ بھی فساد کی زد سے بچ نہ سکا۔ اس بھیانک فسادات کے زمانے میں ساحر کی والدہ لدھیانہ ہی میں تھیں۔ سخت پریشانی کے عالم میں ساحر اور انکی والدہ اپنی جان ہتھیلی پر لے کر کسی نہ کسی طرح دہلی پہنچے۔ دہلی میں ایک ہندو دوست کے ہاں رہے۔ اسکے بعد پھر ایک سکھ دوست کے گھر منتقل ہو گئے۔ سنہ ۱۹۴۸ء میں انہوں نے دہلی سے رسالہ شاہراہ جاری کیا۔ سنہ ۱۹۴۹ء میں بھیمڑی میں ترقی پسند مصنفین کی کل ہند کانفرنس ہوئی۔ اس کانفرنس کے بعد ساحر نے مستقل بمبئی میں سکونت اختیار کی۔ پہلے کرشن چندر کے ہاں رہے۔ بمبئی پہونچ کر وہ فلموں میں گانے لکھنا شروع کیے۔ "بازی" ان کی پہلی فلم تھی۔

ساحر کی نظموں کا پہلا مجموعہ تلخیاں ساحر کی طالب علمی کے زمانے میں شائع ہوا۔ اب تک اسکے ۲۳ ایڈیشن اردو میں اور ۱۲ ایڈیشن ہندی میں شائع ہو چکے ہیں۔ حال ہی میں پنجابی ایڈیشن بھی شائع ہوا ہے۔ سنہ ۱۹۵۵ء میں آن کی طویل نظم "پرچھائیاں" کتابی شکل میں منظر عام پر آئی۔ پرچھائیاں کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اسکے تراجم نہ صرف ہندی اور مراٹھی بلکہ انگریزی میں بھی ہو چکے ہیں۔ سنہ ۱۹۶۰ء کے بعد سنہ ۱۹۷۱ء تک جو کچھ نظمیں غزلیں کہیں وہ "آؤ کہ کوئی خواب بنیں" میں شامل ہیں۔ اس مجموعہ پر ساحر کو سوویٹ لینڈ نہرو ایوارڈ، اردو اکیڈمی ایوارڈ اور مہاراشٹرا اسٹیٹ ایوارڈ ملے۔ سنہ ۱۹۷۱ء میں پدم شری کا اعزاز عطا کیا گیا۔

"پرچھائیاں" کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

جوان رات کے سینے پہ دودھیا آنچل
مچل رہا ہے کسی خواب مرمریں کی طرح
حسین پھول، حسیں پتیاں، حسیں شاخیں
لچک رہی ہیں کسی جسم نازنیں کی طرح
فضا میں گھل سے گئے ہیں افق کے نرم خطوط
زمیں، حسین ہے خوابوں کی سرزمیں کی طرح

○

تصورات کی پرچھائیاں ابھرتی ہیں
کبھی گمان کی صورت کبھی یقیں کی طرح
وہ پیڑ جن کے تلے ہم پناہ لیتے تھے
کھڑے ہیں آج بھی ساکت کسی امیں کی طرح

○

یہی فضا تھی یہی رت یہی زمانہ تھا
یہیں سے ہم نے محبت کی ابتدا کی تھی
دھڑکتے دل سے لرزتی ہوئی نگاہوں سے
حضورِ غیب میں ننھی سی التجا کی تھی
کہ آرزو کے کنول کھل کے پھول ہو جائیں
دل و نظر کی دعائیں قبول ہو جائیں

○

تصورات کی پرچھائیاں ابھرتی ہیں
میں پھول ٹانک رہا ہوں تمہارے جوڑے میں

○

تمہاری آنکھ مسرت سے جھکتی جاتی ہے
نہ جانے آج میں کیا بات کہنے والا ہوں
زبان خشک ہے آواز رکتی جاتی ہے
تصورات کی پرچھائیاں ابھرتی ہیں

○

مرے پلنگ پہ بکھری ہوئی کتابوں کو
ادائے عجز و کرم سے اٹھا رہی ہو تم
سہاگ رات جو ڈھولک پہ گائے جاتے ہیں
دبے سروں میں وہی گیت گا رہی ہو تم
تصورات کی پرچھائیاں ابھرتی ہیں

تمہارے گھر میں قیامت کا شور برپا ہے
محاذِ جنگ سے ہرکارہ تار لایا ہے
کہ جس کا ذکر تمہیں زندگی سے پیارا ہے
وہ بھائی نرغۂ دشمن میں کام آیا ہے
تصورات کی پرچھائیاں ابھرتی ہیں

کہو کہ آج بھی ہم سب اگر خموش رہے
تو اس دمکتے ہوئے خاکداں کی خیر نہیں
جنوں کی ڈھالی ہوئی ایٹمی بلاؤں سے
زمیں کی خیر نہیں، آسماں کی خیر نہیں
تصورات کی پرچھائیاں ابھرتی ہیں

'تلخیاں'، 'پرچھائیاں'، 'آؤ کہ کوئی خواب بنیں'، 'گاتا جائے بنجارہ' ایسے مجموعے ہیں جن کے مطالعہ سے ساحر کی انسان دوستی، معاشرے کے نشیب و فراز سے اُن کی وابستگی، اجالوں کی چاہت، احساس کی بالیدگی، پاکیزہ جذبات کی خوشبو اور زندگی کے شعور کا نمایاں عکس دل و دماغ پر چھا جاتا ہے۔ ساحر ایک ایسے خوش نصیب شاعر ہیں جن کی شاعری کے ترجمے دنیا کی مختلف زبانوں، انگریزی، فرانسیسی، چیک، روسی، فارسی اور عربی میں شائع ہو کر مقبولیت حاصل کر چکے ہیں۔ ۲۶ر اکتوبر سنہ ۱۹۸۰ء کو اردو کا روشن ستارہ ہمیشہ کے لیے ڈوب گیا۔

ساحر لدھیانوی کے کلام کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ہندوستان کے روشن مستقبل کے خواہاں ہیں۔ ساحر نے سماج کے اونچے طبقوں کی رنگ رلیوں کا گمراہ کن مشاہدہ کیا ہے۔ وہ نہ صرف اپنے خاندان کے باغی تھے بلکہ اس طبقہ کے بھی باغی تھے جو زندگی کے مثبت اقدار سے دامن کشاں رہے۔ یہی باغیانہ رجحانات ان کی تمام شاعری میں جذب ہو چکے ہیں۔ ساحر ایک حد تک اپنے ذاتی غم کو برداشت کر لیتے ہیں لیکن سماج کے غم کو وہ کبھی برداشت نہیں کر پاتے۔ ہمیشہ اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے رہے ہیں۔

ساحر نے زیادہ تر نظمیں بند والے سانچے میں کہی ہیں۔ "خون پھر خون ہے"

ساحر کی مشہور نظم ہے۔ یہ حصہ ملاحظہ ہو۔

ظلم پھر ظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے
خون پھر خون ہے ٹپکے گا تو جم جائے گا
لاکھ بیٹھے کوئی چھپ چھپ کے کمیں گاہوں میں
خون خود دیتا ہے جلادوں کے مسکن کا سراغ
سازشیں لاکھ اڑھاتی رہیں ظلمت کا نقاب
لے کے ہر بوند نکلتی ہے ہتھیلی میں چراغ
تم نے جس خون کو مقتل میں دبانا چاہا
آج وہ کوچہ و بازار میں آ نکلا ہے
کہیں شعلہ کہیں نعرہ کہیں پتھر بن کر
خون چلتا ہے تو رکتا نہیں سنگینوں سے
سر اٹھاتا ہے تو دبتا نہیں آئینوں سے
ظلم کی بات ہی کیا ظلم کی اوقات ہی کیا
ظلم بس ظلم ہے آغاز سے انجام تلک
خون پھر خون ہے سو شکل بدل سکتا ہے
ایسی شکلیں کہ مٹاؤ تو مٹائے نہ بنے
ایسی شکلیں کہ بجھاؤ تو بجھائے نہ بنے
ایسے نعرے کہ دباؤ تو دبائے نہ بنے

ساحر کے مجموعوں میں صرف دو آزاد نظمیں ملتی ہیں جس میں سے ایک نظم "آج" ہے جو فسادات کے موضوع پر لکھی گئی ہے۔ "پرچھائیاں" ایک ایسی طویل نظم ہے جو دو مختلف بحروں میں کہی گئی ہے۔ ساحر اگرچہ ایک نظم نگار شاعر کی حیثیت سے شعری ادب میں اپنا ایک خصوصی مقام رکھتے ہیں لیکن ایک منفرد غزل گو شاعر کی حیثیت سے بھی وہ شہرت کے مالک ہیں۔

فلمی شاعر کی حیثیت سے بھی ساحر نے بڑا نام کمایا ہے۔ جب ساحر لدھیانوی ایک فلمی شاعر کی حیثیت سے فلم انڈسٹری سے وابستہ ہو گئے تو اس وقت فلمی گیت کا معیار کافی گرا ہوا تھا لیکن ساحر نے اپنی گیتوں میں ادبیت کو برقرار رکھا اور آرزو لکھنوی نے جو عمدہ روایت چھوڑی تھی اسکی بازیافت اور فلم انڈسٹری کو ستھری ادبیت سے روشناس کرایا۔ ساحر نے آزادانہ طور پر اپنی پسند کی شاعری کی۔ ان کی گیتوں کا ایک اہم موضوع محبت اور اسکی عظمت بھی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ فلمی شاعری کی تکنیک ادبی شاعری کی تکنیک سے میل نہیں کھاتی لیکن ساحر نے اپنی فلمی گیتوں، نظموں اور غزلوں کو ادبی معیار سے گرنے نہیں دیا۔

ساحر نے ہر قسم کے موضوعات پر فلمی گیت لکھے ہیں۔ یہ گیت ملاحظہ ہو۔ "وہ صبح کبھی تو آئے گی"

○

ان کالی صدیوں کے سر سے جب رات کا آنچل ڈھلکے گا
جب دکھ کے بادل پگھلیں گے جب سکھ کا ساگر چھلکے گا
جب امبر جھوم کے ناچے گا جب دھرتی نغمے گائے گی
وہ صبح کبھی تو آئے گی۔

○

جس صبح کی خاطر جگ جگ سے ہم سب مر مر کے جیتے ہیں
جس صبح کے امرت کی دھن میں ہم زہر کے پیالے پیتے ہیں
ان بھوکی پیاسی روحوں پر اک دن تو کرم فرمائے گی
وہ صبح کبھی تو آئے گی۔
بیتیں گے کبھی تو دن آخر یہ بھوک کے اور بیکاری کے
ٹوٹیں گے کبھی تو بت آخر دولت کی اجارہ داری کے
جب ایک انوکھی دنیا کی بنیاد اٹھائی جائے گی
وہ صبح کبھی تو آئے گی۔

○

مجبور بڑھاپا جب سونی راہوں کی دھول نہ پھانکے گا
معصوم لڑکپن جب گندی گلیوں میں بھیک نہ مانگے گا
حق مانگنے والوں کو جس دن سولی نہ دکھائی جائے گی
وہ صبح کبھی تو آئے گی

○

طنز و مزاح

ممتاز مہدی
۱۲-۴-۱۰ جگجیون، حیدرآباد ۱۲ ۵۰۰۰

تقسیم

حکیم بلاقی اور پنڈت جھنجھوٹی کی گفتگو کا موضوع دور سے یوں لگا جیسے
صحت سے تعلق ہے لیکن ... ہم بس اسٹاپ پہنچ گئے جس کے روبرو
سڑک ... دونوں بلا لحاظ ذات پات و مذہب، کانٹے ڈالے مچھلی کا شکار
کر ... گوشش ایک دوسرے کے شربتی الفاظ ایک دوسرے کے کان
کے ذریعہ ... دماغ میں سجا رہے تھے۔ حکیم بلاقی کا خیال تھا کہ "سیتا پھل کہنے کو نام
... صورت، شکل، مزاج، مزہ اور کالے بیج پر سفید جھری کو دیکھتے
ہوئے ہم بلاشبہ اسے "کمیونسٹ" قرار دے سکتے ہیں"۔ پنڈت جھنجھوٹی نے
خلاسفروں کی طرح پہلو بدل کر اظہار رائے کیا کہ "سیب کو لاکھ ہندوستانی بچے
ایپل (APPLE) کہہ کر اچھلیں کودیں سیب ہر لحاظ سے "ہندو" ہے"۔ حکیم
بلاقی، پنڈت جھنجھوٹی کی تان سے سم میں سم ملا کر اپنا مدعا مدغم کر دیا کہ "آم اور
موز بھی بلاشبہ شریعت کے پابند اور پکے "مسلمان" نظر آتے ہیں۔ کیوں کہ پنڈت!
تم تو میری بات سے ضرور اتفاق کرو گے ہی لیکن پنڈت سیب کو "کرسچین" کہنے میں کیا
برا ہے ہاں البتہ انگور اور انار مجھے "ہندو" لگتے ہیں"۔ پنڈت نے تائید کر دی
اور موسمی کو جین مت کی ماننے والی قرار دیا، جس سے حکیم نے اتفاق کیا جام اور
پپیتا دیر تک بحث مباحثہ کے بعد "لندنی" قرار دیئے گئے۔ سپوٹے اور جامن
"بدھسٹ" قرار پائے، گاجر اور بوٹ سکھ طبقہ میں شامل ہوئے۔ اس طرح
موضوع پھلوں سے معمور تھا اور پھل کی کوئی قسم رتالو، کمیٹ، نارنگی، سنترہ، گینگول
ناشپاتی حتیٰ کہ جنگلی بادام بھی ان سے چھوٹنے نہ پائے۔ ذہن نے ایک عجیب
کبیدہ خاطر کروٹ لی، مطلوبہ بس سامنے آکھڑی ہوگئی۔ بس اسٹاپ ...
راست چھلانگ بلدیہ کی سبھی سجائی سڑک کو نظر انداز کرتے ہوئے بس ... لگانی
پڑی۔ بس کو لٹکے ہوئے ہجوم کے خوشہ کی بنا عین ممکن تھا کہ نظر انداز ...
کیچڑ ہمارا استقبال کرلے لیکن بس کے ٹوٹے ہوئے فٹ بورڈ میں پاؤں کی ...
ایسی پھنسی کہ ہوا میں لہراتے ہوئے سامنے والی کمر مضبوطی سے تھام کر سفر ...
کہ کمر کے مالک نے سوال کر ہی دیا "تو ہندو ہے کہ مسلمان"؟ ہم تو خدا کے شاکر تھے
کہ جنہیں کیچڑ سے بچانا ہو وہ اوپر والا کسی نہ کسی بہانے بچا لیتا ہے لیکن تھوڑی ہی دیر میں
ہمارا گلشنی دماغ بس کی رفتار کے ساتھ زمین سے بھی تیزی سے گھومنے گھامنے لگا اور
پنڈت اور حکیم کے شربتی الفاظ کے اسٹاک سے وہ دھواں خارج ہونے لگا کہ ...
کے پہیوں کو "ہندو" گذرتی ہوئی سیکلوں کو "مسلمان" رکشا دوں کو "بدھسٹ" موٹروں
اور موٹروں کو کرسچین اور آٹو رکشا کو سکھ طبقہ سے منسوب کرنے لگے۔ بس میں کسی نے
ٹیپ ریکارڈ آن کر دیا ہے۔

تو ہندو بنے گا نہ مسلمان بنے گا انسان کی اولاد ہے انسان بنے گا۔

گیت کے الفاظ گانے والے کی آواز، پنڈت جھنجھوٹی کی چیختی آواز اور تیز لہجہ کی طرح بس کی تیز رفتار

ن کانوں کے جائنٹ پردوں سے ٹکرا رہی تھی کہ بس کی ایک کھڑکی سے ایک ڈاکو ... خاکی وردی میں تھا، آنکھیں لال بھبھوکا بڑے بڑے وحشیانہ بال ہماری ایک جانب کے معصوم کان کو زور سے اپنی طرف کھینچا اور اسٹیریو جیسی فل ساؤنڈ میں آواز گونجی "ٹکٹ ——" معصوم کان کا نازک پردہ پھٹنے سے بال بال بچا اور لرز کر رہ گیا اگر پھٹ ہی جاتا تو ہمیشہ کے لیے یہ سننے سے محروم رہ جاتا کہ پنڈت اور حکیم لوگ بانٹے ڈھلے کیسے کیسے انداز میں تیر کمان سنبھالے ذہنوں کو کبیدہ خاطر کرتے ہیں۔ یہ سوچتے ہوئے ہم نے ایک ہاتھ سامنے والی کمر سے نکالا اپنے پتلون کی جیب میں ڈالتے ہیں تو ہاتھ اندر چلا جا رہا ہے جیسے کسی فقیر کی جھولی اور تھوڑی ہی دیر میں سارے حواس پر سنسنی دوڑ گئی چونکہ ہاتھ "قدرتی لباس" کو چھو گیا تھا، برق رفتاری سے ہاتھ باہر نکالا اس ہاتھ کو سامنے والی کمر پہ جماتے ہوئے دوسرا ہاتھ دوسری جانب کی جیب میں پہنچانے سے پہلے یہ دیکھ کر آنکھیں ٹھٹھر گئیں کہ سامنے والی کمر پر ہاتھوں کو جمانے اور نکال لینے کے ہمارے عمل سے اس کمر پہ ٹکے ہوئے بلیڈ نے انگڑائی لی اور وردی آرام سے دو حصوں میں تقسیم ہو چکی تھی اور بات فی الحال ان صاحب کی شناخت دوری تھی کہ ان کی ذات پات کیا ہے۔

یہ تقسیم کا عمل لامتناہی اور مسلسل ہے، سورج تقسیم ہوا تو اس چھوٹی سی کائنات میں سیارے ستارے چاروں طرف پھیل گئے۔ زمین تری اور خشکی میں تقسیم ہو گئی۔ خشکی پر کئی لکیریں ابھر آئیں اور کئی ملکوں میں کٹ گئی۔ ایک ملک کی تقسیم کئی قوموں نے کر دی۔ قوموں کو قبیلوں نے تقسیم کر دیا۔ قبیلے خاندان میں بکھر گئے۔ خاندان فرد کو بھی بخش نہ سکا ایک فرد کی تقسیم بھی ضمیر و قلب میں ہو گئی ضمیر و مذہب بھی مختلف اقسام میں بٹے ہوئے ہیں جو ایک ہی انسان میں پائے جاتے ہیں۔ ایسے انسانیت بھی تقسیم ہوتے ہوتے سورج کی طرف لوٹ گئی تاکہ سورج میں نرمی ہے اور گرم شعاعیں وقت پر سب میں تقسیم ہوتی رہیں ورنہ سورج انسانیت کے دو حصے کا قہر مزید تقسیم ہو جائے گا پھر ع

جس کا ذکر بھی نہ ہوگا آفتابوں میں

انسان کی زندگی بھی مختلف ادوار میں تقسیم ہے۔ بچپن۔ جوانی۔ ادھیڑپن اور بڑھاپا۔ بچپن اچھل کود میں، جوانی یہ کیا وہ کیا میں، اس کا اصرار اتنا ہوتا ہے کہ اس دور کو "جوانی دیوانی" کا نام دیا گیا ہے۔ ادھیڑپن بیوی بچوں کے لیے سودا سلف میں اور بڑھاپا صرف دوائیں کھانے اور دواخانوں کے مہمان رہنے میں تقسیم ہے۔ آدمی کی ایک اور تقسیم اعلیٰ ذات اور ادنیٰ ذات کی ہوتی ہے۔ گھوڑوں کی تقسیم بھی اسی بنیاد پہ ہوتی ہے۔ گھوڑے ریس میں دوڑتے ہیں اور انسان موقع دیکھتے ہیں نہ محل بس دوڑتے رہتے ہیں۔ انسان کے خون کی بھی قسمیں ہیں کبھی کبھی باپ کے خون کا گروپ بیٹے کے خون کے گروپ سے علٰحدہ نمودار ہو جاتا ہے۔ خون کے معاملہ میں ایک معمہ نواز بلکہ تشویشناک تقسیم ہے۔

اچھے کام کرنے والوں میں اور مقابلہ جیتنے والوں میں انعامات تقسیم ہوتے ہیں۔ بعض انعام بعد از مرگ بھی تقسیم کیے جاتے ہیں۔ نہیں معلوم دیگروں کے نزدیک ایسی تقسیم کی کیا توضیح ہے کہ ایک غیر شادی شدہ مزدور کو بعد از مرگ انعام ایسی صورت میں ملا جبکہ ہولی کے موقع پر اس نے دوستوں کے ساتھ بھنگ اور گانجہ اس مقدار میں استعمال کر گیا کہ پرلوک سدھارا۔ دوستوں نے ہلڑ بازی جاری رکھی تھی۔ مُردے کو کاندھوں پر اچھالتے رقص کر رہے تھے کہ ایک وزن بتلانے والی مشین پر اس کو لٹا دیا۔ ایک مزدور نے اس مشین میں سکہ ڈال دیا اور وزن کے ساتھ ساتھ یہ تحریر بھی آئی کہ "آپ کی شادی عنقریب ہوگی" بعد از مرگ کے اس انعام سے مرحوم مزدور بہت خوش ہوا ہوگا چونکہ اس کی کھلی ہوئی باچھیں مذکورہ خوشی کی گواہی دے رہی تھیں۔

ریاضی کی زبان میں بھی تقسیم ہوتی ہے جو بہت ہی خطرناک ہوتی ہے۔ بچہ مدرسہ پہنچا کہ اس کو یہ زبردستی سکھائی جاتی ہے جس سے اس کا معصوم دماغ منتشر ہو جاتا ہے۔ اکثر و بیشتر وہ اپنے نمبرات دوسرے طلباء میں تقسیم کر دیتا ہے جس سے اس کے حق میں بہت برا بہت ہی تاریک "صفر" آ جاتا ہے جو مزید تقسیم نہیں ہوتا لیکن ریاضی کا علم ایسا علم ہے جس میں صفر کو بھی کئی بار تقسیم کیا جاتا ہے۔ وہ طلباء جو تقسیم میں ماہر ہوتے ہیں۔ آگے چل کر بہت اچھے آرکیٹکٹ ثابت ہوتے ہیں اسی لیے آج وہ گھر کے ایسے اچھے نمونے پیش کر رہے ہیں کہ ایک آدمی کا فلیٹ آدمی کی زندگی تک جو بھرے پُرے خاندان میں تقسیم ہے "فلیٹ" ہی کہلاتا ہے۔ اس کے گذر جانے پر ابدی سکون کے مقام میں بھی آسانی سے تبدیل کیا جا سکتا ہے لیکن وارث ایسا نہیں کرتے بلکہ اس "قبر نما فلیٹ" کو بھی آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں۔ از جن ہو تو یہ وارث

پارٹیوں میں تقسیم ہو کر عدالت کی سیڑھیوں پر چڑھتے ہیں اور اپنی رہی سہی پونجی کالے کوٹ والے فقیروں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔

ریاضی کی طرح سائنس کی کرشمہ سازیوں یا سازشوں نے ناتقسیم شدہ اشیاء کو بھی تقسیم کر کے رکھ دیا ہے۔ جیسے پانی کو دو قسم کی گیس میں تقسیم کیا ہے۔ ہوا کو کئی گیسوں میں تقسیم کیا ہے۔ دل کے چار ٹکڑے کر دیے ہیں۔ ایک صاحب جدید ترین الٹرا ماڈرن دواخانے میں علاج کروا کے آئے حالانکہ دواخانے میں شریک ہونے سے پہلے ان کے تمام اعضاء اصلی اور قدرتی طور پر سیدھے تھے لیکن ایک ماہ بعد ڈسچارج ہو کر باہر نکلے تو سیدھی جانب اصلی اور بائیں جانب نقلی میں تقسیم ہو چکے تھے۔ بائیں جانب کے تمام ہی عضویات نقلی تھے۔ کیا آنکھ، دانت، ناک، کیا ہاتھ، کیا پھیپھڑا کیا پاؤں اور جتنی نقلی چیزیں آویزاں کی گئی تھیں سب کی سب بھونڈی اور ترتیب میں بھی بدذوقی جھلک رہی تھی۔

سیاسی پارٹیوں کی بھی تقسیم ہوتی ہے۔ ایک سیاسی پارٹی جب تقسیم ہوتی ہے تو اس کو براکیٹ کے دو توس لگ جاتے ہیں۔ جہاں دُم چھلّہ لگ جاتا ہے وہیں توسوں کے چاند لگنے سے خوبصورتی میں بھی چار چاند لگ جاتے ہیں۔ یہ پارٹی اگر خوش قسمت بھی ہو تو عمل تقسیم جاری رہتا ہے۔ ابتدائی "اے براکیٹ" اور "بی براکیٹ" رفتہ رفتہ ایکس وائی زیڈ تک تقسیم ہو جاتی ہیں۔ ان میں بعض کا بازار فوری ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اور بعض روز اول کی طرح گرم بازاری برسوں دکھاتی ہیں۔ خوش قسمتی پیچھا چھوڑتی ہی نہیں، گھی کے چراغ جلتے ہی رہتے ہیں، جیبوں میں مرادیں بلتی ہی رہتی ہیں لیکن پڑھے لکھے سمجھ دار لوگوں کو ایسا لگتا ہے جیسے ملک کے چہرے پر ان تقسیم شدہ پارٹیوں کی شکل میں بدنما چیچک کے داغ ابھر آئے ہوں اور لیڈروں کی خوش قسمتی پر سڑا پیپ بہا رہے ہوں۔

کالے کوٹ والے فقیروں کا ذکر اوپر کہیں آیا تھا لیکن فقیر حضرات بھی مختلف زمروں میں تقسیم ہیں جیسے نقر و فاقہ والے فقیر، انجکشن لگانے اور ٹانگ کاٹ ڈالنے والے فقیر، ووٹ مانگنے والے فقیر، موٹر نشین بھیک مانگنے والے فقیر جو چار نمبر سے کم تر کی بھیک قبول نہیں کرتے، بتدریج جیسے جیسے سواری کا درجہ اترتا ہے اسی مقدار میں بھیک کی رقم بھی گھٹتی جاتی ہے اور پیدل فقیر ایک پیالی چائے کا سوال رکھتے ہیں لیکن روپیہ سے کم کی بھیک قبول نہیں کرتے۔

تقسیم کی کچھ وارداتیں بدنام بھی ہیں جیسے بندر بانٹ والی تقسیم۔ یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اس میں بندر کا کتنا فائدہ ہوا فقط بلیوں کی بدقسمتی پر حساب سے آٹھ آٹھ آنسو تقسیم کیے جاتے ہیں، کمزور پر رونا کیسا ـــــ ایک اور تقسیم ہے، راشن کی تقسیم یہ بھی بدنام ہے چونکہ غلّہ کی پیداوار تو ضرورت سے زیادہ ہے لیکن راشن شاپ پر آدمی کی عمر وزن لمبائی چوڑائی کمائی دھمائی دیکھ کر مٹھیوں سے اناج تقسیم کیا جاتا ہے۔ بے چارے کارڈ گیر دس بلاک کا اناج گھر نہ لائیں تو حکومت کی اناج کی تقسیم کی پالیسی یہ سمجھ میں آتی ہے کہ "فیملی پلاننگ" کی بجائے راشن کی "معقول ترین" تقسیم سے ملک کی آبادی میں کمی واقع ہو۔ ایک اور تقسیم ہے جو بدنام نہیں تو شکایتی ضرور ہے اور وہ ہے اس دو جہاں کے مالک کی تقسیم۔ پہلے تو اس نے جہاں کو دو جہاں میں تقسیم کیا۔ آسمان کو سات آسمانوں میں تقسیم کیا۔ سائنس کے علماء بہت پریشان ہیں کیونکہ ان کو ایک بھی آسمان نظر نہیں آتا اور وہ یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ خدا ہے ہی نہیں۔ یہ نہیں دیکھتے کہ اس نے سب میں آنکھیں، کان، ناک، حلق وغیرہ حساب کتاب سے تقسیم کیا ہے لیکن اس تقسیم میں بھی شکایت اس لیے آ جاتی ہے کہ کچھ کوتاہیوں کی بناء کوئی سننے سے محروم ہو جاتا ہے، کوئی دیکھنے سے تو کوئی سونگھنے سے۔ ایسی صورت میں دو جہاں کے مالک کو کافی جلی کٹی سنائی جاتی ہے حالانکہ اچھی اور چالو حالت میں جنہیں یہ سارے اعضاء حاصل ہیں وہ کبھی کبھار شکریہ ادا نہیں کرتے اور نہ ہی اس کی درازیٔ عمر کے لیے دعا گو ہوتے ہیں، بھلا ایسا کرنے میں ان کا جاتا ہی کیا ہے۔ ایک مستقل شکایت یہ ہے کہ دو جہاں کے مالک عقل کی تقسیم میں کبھی کبھی ہی نہیں بلکہ ہمیشہ بخالت سے کام لیتے ہیں اسی لیے اس سنسار کی زیادہ تر آبادی پنڈت اور حکیم جیسی گروہ بندیاں میں تقسیم ہے حالانکہ قدرت کی نعمتیں خواہ وہ تقسیم شدہ حالت میں کیوں نہ ہوں دل کو راحت و سکون پہنچا سکتی ہیں جیسے آسمانی کتابیں جو مختلف ادوار اور مختلف ناموں میں تقسیم ہیں۔ نمازیں پانچ وقت

میں تقسیم ہیں۔ روزہ سحرا و افطار میں تقسیم ہے۔ پرساد تو سبھی میں تقسیم ہے۔ مندر مختلف بھگوانوں میں تقسیم ہے۔ سال بارہ طویل اور مہان مہینوں میں، مہینہ دوڑتے بھاگتے تیس دن میں، دن چوبیس سرسراتے گھنٹے میں گھنٹہ کھٹکتے ہوئے ساٹھ منٹ میں اور منٹ بھیجتے ہوئے ساٹھ سکنڈ میں تقسیم ہے۔

تقسیم غیر مرئی بھی ہوتا ہے جو ساری آنکھ سے دکھائی نہیں دیتی جیسے اچھائی اور برائی کی تمیز، انسان کی پسند ناپسند کالی لیلی پر مجنوں کے قربان جلنے کا واقعہ بہت سے لوگوں کے لیے تعجب خیز ہے تو بہت سے لوگ مزہ لے کر کہتے ہیں کہ لیلی کو مجنوں کی نظر سے دیکھو۔ اس طرح محبت اور دوستی، وفاداری اور بے ایمانی میں تقسیم ہے۔ مہربانی، خلوص اور مطلب پرستی میں تقسیم ہے۔ پرستش دکھاوے اور حقیقت میں تقسیم ہے۔ حقیقت کئی پردوں میں تقسیم ہے۔ ادا حیا اور بے حیائی میں تقسیم ہے۔ بھائی چارگی سگے بھائیوں کے ماسوا غیروں میں تقسیم ہے۔ رشوت آفیسروں میں تقسیم ہے۔ آگ جنگلوں میں تقسیم ہے۔ پتے کھلاڑیوں میں تقسیم ہیں۔ طاقت پہلوانوں میں تقسیم ہے کمزوری بیماروں میں تقسیم ہے۔ فیشن بازاروں میں تقسیم ہے۔ واہ واہ دانشوروں میں تقسیم ہے۔ شاعری شاعروں میں تقسیم ہے۔ رعایا بدحالی میں تقسیم ہے۔ افق صبح و شام میں تقسیم ہے۔ بے وقوفی سماج میں تقسیم ہے۔ گھوڑا جوڑا جہیز، دولہوں میں تقسیم ہے۔ چھوہارے براتیوں میں تقسیم ہیں۔ برائی ذات پات میں تقسیم ہے۔ ذات پات اتحاد اور دشمنی میں تقسیم ہے۔ دشمنی بچے بچے میں تقسیم ہے۔ بچے ساری دنیا میں تقسیم ہیں۔ دنیا مالداروں میں تقسیم ہے۔ مال ارمانوں میں تقسیم ہے۔ ارمان مستقبل میں تقسیم ہے۔ مستقبل لاشعور میں تقسیم ہے۔ لاشعور فطرت میں تقسیم ہے۔ فطرت قدرت میں تقسیم ہے۔ قدرت اوپر گنائی گئی تقسیم میں تقسیم ہے۔ اور یہ ساری تقسیم آپ سب پڑھنے اور سننے والوں میں تقسیم ہے گر یاد رہے۔ ●●

عبدالرحیم شفق
بیت العظیم کوچہ شفق
کالا ڈیرہ، چنچل گوڑہ مکان نمبر ۱۸۹-۸-۱۶

مادر ہند شریمتی اندرا گاندھی کو منظوم خراج عقیدت

دے رہا ہے جہاں آواز کدھر ہے اندرا
ہم جہاں آ نہیں سکتے تو اُدھر ہے اندرا
تو نے خوں دے کے گلستاں کو کیا پھر تازہ
لہلہا اٹھا گلستاں تو امر ہے اندرا

اپنے بھارت ہی کی تو پیاری رتن تھی اندرا
رات، دن قوم کی خدمت میں مگن تھی اندرا
موت آنے کیلئے سامنے ڈرتی تھی شفق
کیونکہ باندھی ہوئی خود سر سے کفن تھی اندرا

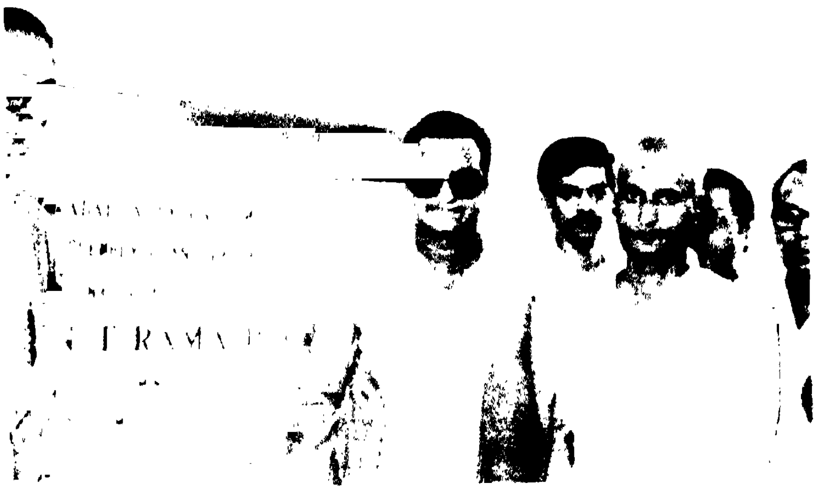
خبریں تصویروں میں



اپنے دورہ نئی دہلی کے موقع پر چیف منسٹر آندھرا پردیش مسٹر این ٹی راما راؤ کی وزیراعظم ہند مسٹر راجیو گاندھی سے ملاقات ۔ تصویر میں مسٹر سشرا اون کمار، چیف سکریٹری حکومت آندھرا پردیش بھی دیکھے جا سکتے ہیں ۔



چیف منسٹر مسٹر این ٹی راما راؤ نے ۳۰ مارچ ۸۵ء کو نئی دہلی میں مرکزی وزیر فولاد و معدنیات مسٹر وسنت ساٹھے سے ملاقات کی ۔



چیف منسٹر مسٹر این ٹی راما راؤ نے ۲۲ مارچ ۱۹۸۵ء کو پٹن چیرو میں آلوین واچ یونٹ کا افتتاح کیا۔ وزیر امداد باہمی مسٹر کے رامچندر راؤ بھی اس موقع پر موجود ہیں۔



نئی لائیٹ کمرشیل موٹر گاڑی کا چیف منسٹر مسٹر این ٹی راما راؤ کے ہاتھوں ۲۲ مارچ کو پٹن چیرو میں رسم اجراء عمل میں آیا تصویر میں مسٹر جے بھارت ریڈی صدرنشین و مینجنگ ڈائرکٹر آلوین بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔



نائب صدرنشین منصوبہ بندی کمیشن ڈاکٹر من موہن سنگھ نے ۲۷ مارچ ۱۹۸۵ء کو حیدرآباد میں چیف منسٹر آندھراپردیش مسٹر این ٹی راما راؤ سے ملاقات کی۔



مسٹر آر۔کے۔ تریویدی چیف الیکشن کمشنر نے ۲۳ مارچ ۸۵ء کو چیف منسٹر آندھراپردیش مسٹر این۔ٹی۔ راما راؤ سے حیدرآباد میں ملاقات کی۔



چیف آف آرمی اسٹاف جنرل اے۔ ایس۔ ویدیا نے ۲۲ مارچ ۱۹۸۵ء کو چیف منسٹر مسٹر این۔ ٹی۔ راما راؤ سے اسکی رہائش گاہ پر ملاقات کی۔



مسٹر نند کرنی وائس ایڈمیرل نے ۲۵ مارچ ۱۹۸۵ء کو حیدرآباد میں چیف منسٹر مسٹر این ٹی راما راؤ سے ملاقات کی۔

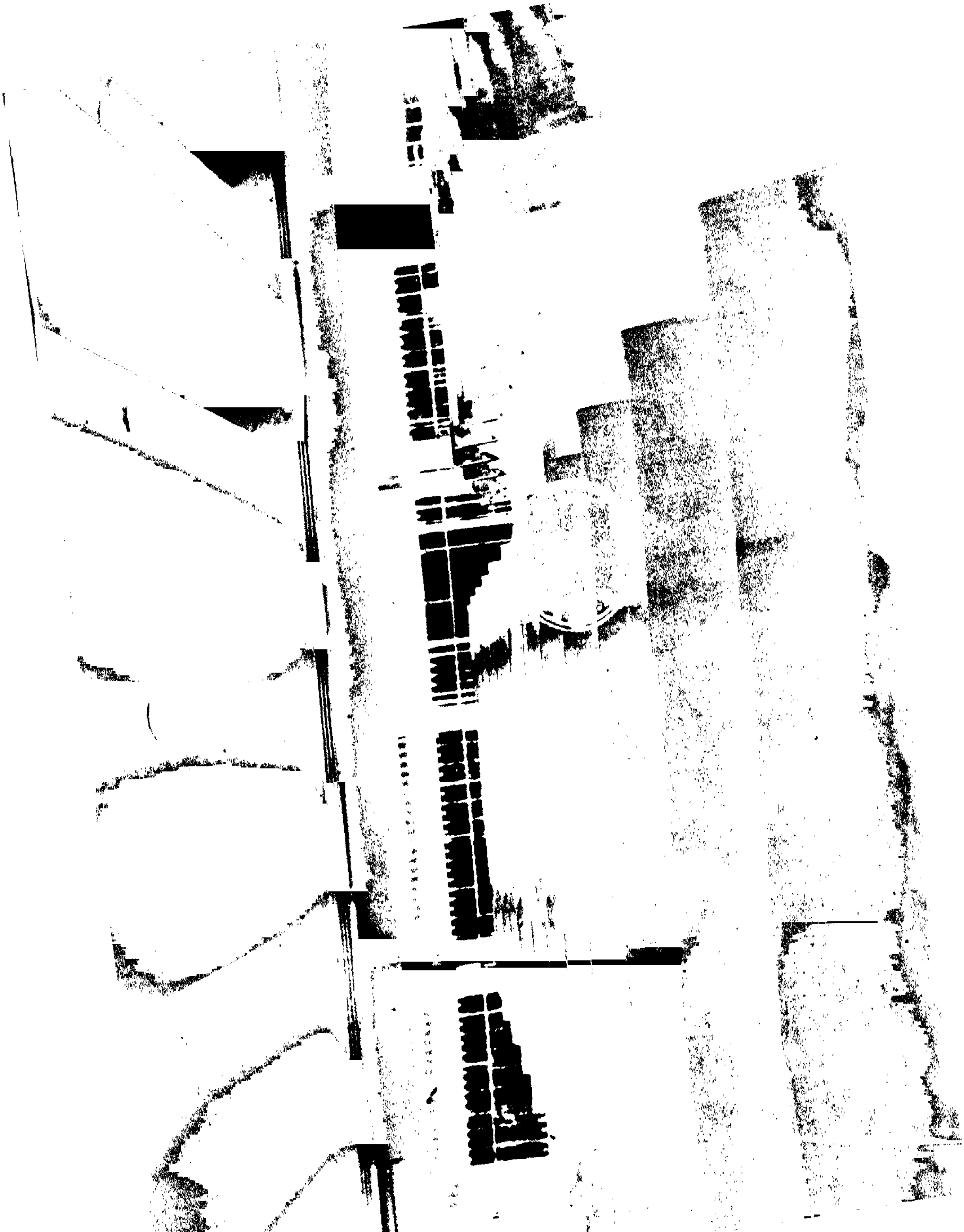


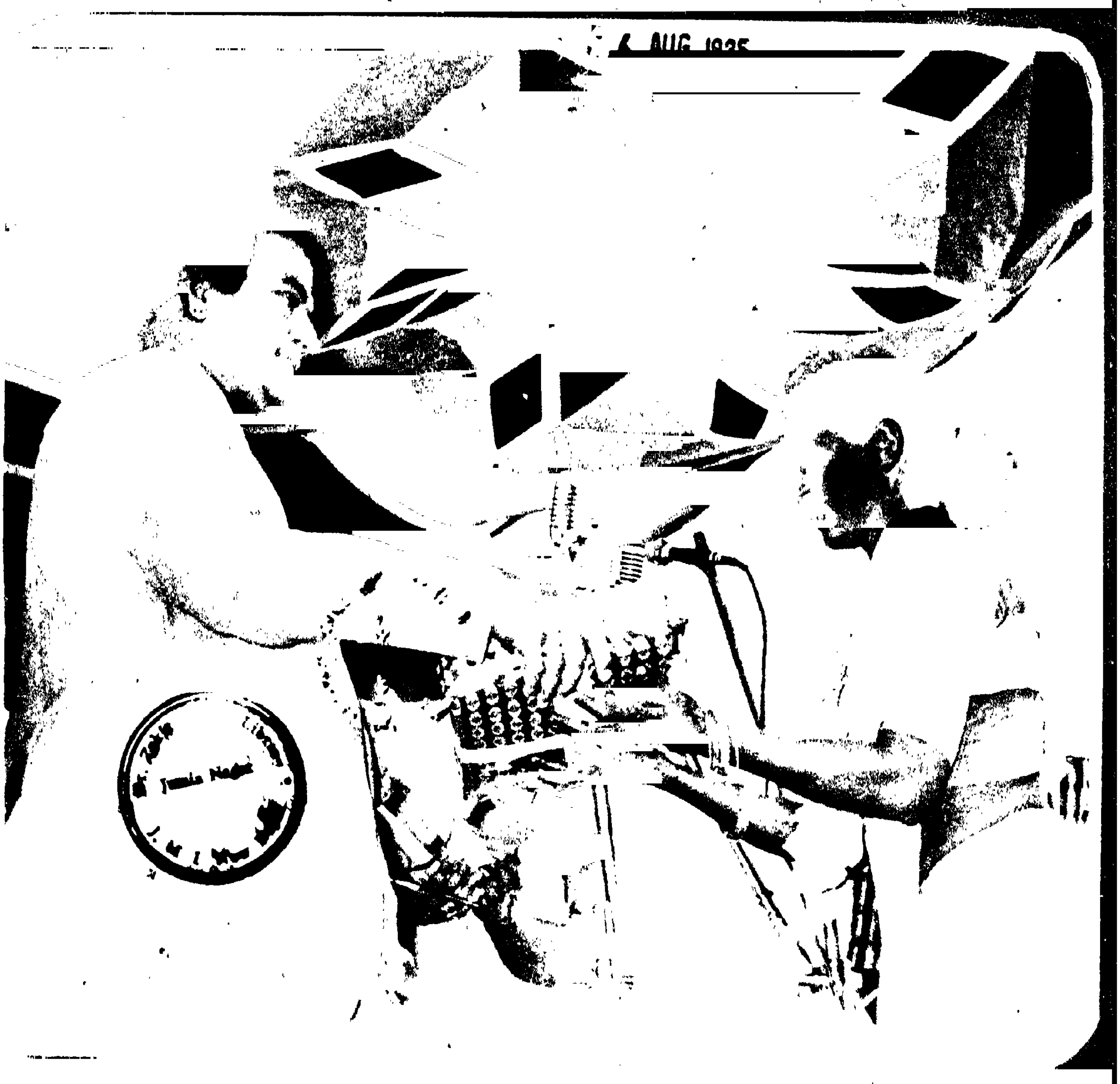
کمشنر محکمہ مالگذاری مسٹر دوراسوامی نے ۲۳ مارچ کو حیدرآباد میں موسیقی و ناچ کے ۲ ادویں فیسٹول کا افتتاح کیا۔ مسٹر بی - وی - آر - کے پرشاد (آئی اے ایس) کمشنر محکمہ اطلاعات و ثقافتی امور نے تقریب کی صدارت کی



مسٹر بی - وی - آر - کے پرشاد کمشنر محکمہ اطلاعات و ثقافتی امور نے رامپا مندر پر بنائے گئے دستاویزی فلم کے آرٹسٹوں اور فنکاروں کو ۲۳ مارچ ۸۵ء حیدرآباد میں مبارکباد پیش کر رہے ہیں۔ اس فلم کو نندی ایوارڈس بھی دیئے گئے۔







آندھراپردیش - اعدادوشمار بہ یک نظر

رقبہ (۱۹۸۱ء) مردم شماری	(مربع کیلومیٹر)	٢٧٥٫٦١	
اضلاع		٢٣	
تعلقہ جات		٣١٦	
پنچایت سمیتیاں		٣٣٠	
آبادی (۱۹۸۱ء مردم شماری)		٥٣٥٫٥٠	(لاکھ میں)
مرد		٢٧١٫٠٩	"
عورتیں		٢٦٤٫٤١	"
درج فہرست اقوام کی تعداد		٧٩٫٦٢	"
درج فہرست قبائل کی تعداد		٣١٫٧٦	"
محنت کش افراد کی تعداد		٢٣٥٫٠٦	"
اراکین پارلیمنٹ کی تعداد	(بشمول راجیہ سبھا)	٦٠	
اراکین اسمبلی کی تعداد		٢٩٥	
اراکین قانون ساز کونسل کی تعداد		٩٠	
دواخانے (آلوپیتھک)		٢٩٥	
خصوصی امراض کے دواخانے		٤٥	
بستروں کی تعداد		٢٦,٩٣٨	
یونیورسٹیوں کی تعداد		١٠	
جملہ آبپاشی سے سیراب کیا جانے والا رقبہ		٥٠٫٥٨	لاکھ ہیکٹر
کوئلہ کی پیداوار		١٠٠٫٨٣	لاکھ ٹن

ماهنامه

آندھرا پردیش

حیدرآباد

جون ۱۹۸۵ء • رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ • جلد ۳۰ • شمارہ ٦ • JYESHTHA - ASHADH - 1907 S.E. JUNE 1985

ماہنامہ "آندھرا پردیش"
محکمہ اطلاعات و تعلقات عامہ حکومت آندھرا پردیش
کی جانب سے چار زبانوں اُردو، تلگو، انگریزی
اور ہندی میں شائع ہوتا ہے

قیمت : صرف ۵۰ پیسے

• اس شمارہ میں اہلِ قلم حضرات نے انفرادی طور پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے اُن سے لازمی طور پر حکومت کا متفق ہونا ضروری نہیں • سالانہ خریداری : ٦ روپے فی پرچہ ۵۰ پیسے • زرِ سالانہ ذریعہ منی آرڈر روانہ کیجئے • منی آرڈر صرف "ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ" کے نام روانہ کیجئے۔ • تخلیقات روانہ کرنے کا پتہ ایڈیٹر اردو ماہنامہ "آندھرا پردیش" دفتر محکمہ اطلاعات و تعلقات عامہ گرہا کلپا کرم جاہی روڈ حیدرآباد ۱ • کتابت : ایس اے حمید • طباعت : گورنمنٹ سنٹرل پریس

ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ حکومت آندھرا پردیش نے شائع کیا

فہرست

درج فہرست اقوام کی بہبود

درج فہرست اقوام کی ترقی کے مسائل سے گاندھی جی کو بے پناہ دلچسپی تھی۔ ریاستی حکومت نے ہریجنوں کی فلاح کے لیے کئی اسکیمات تیار کیے۔ پردھان منتری کے ۲۰ نکاتی پروگرام میں ان لوگوں کی تیز رفتار ترقی پر زور دیا گیا ہے۔

بنیادی حکمت عملی

ان لوگوں کو تعلیمی اور رہائشی سہولتیں فراہم کرنے کے علاوہ بنیادی اہمیت کی حامل بات انہیں معاشی پریشانیوں سے نجات دلانا ہے۔

درج فہرست اقوام کی بہبودی کے لیے ۱۹۷۴ء میں آندھرا پردیش شیڈولڈ کاسٹس کوآپریٹیو فینانس کارپوریشن قائم کیا گیا۔ اب تک اس ادارے کی جانب سے ۱۰ لاکھ خاندانوں کو معاشی امداد فراہم کی گئی۔

شیڈولڈ کاسٹ اسپیشل کمپونینٹ پلان کے تحت تمام ترقیاتی محکموں کے ۱۵ فیصد فنڈس کی حد تک درج فہرست اقوام کی بہبود کیلئے مختص کئے گئے ہیں۔ تقریباً ۵۰ محکمے اور کارپوریشن نے سال ۸۶-۱۹۸۵ء کے دوران ۱۳۲۶.۷۰ کروڑ روپے درج فہرست اقوام کی بہبود کے لیے مختص کر رکھے ہیں۔

دو چار مواضعات کو ایک ساتھ ترقی دینے کا طریقہ

مختلف محکموں کی رقومات اور درج فہرست اقوام کے لیے دی جانے والی خصوصی مرکزی امداد کو استعمال کرتے ہوئے ایک ہی وقت میں دو چار مواضعات کو ایک ساتھ ترقی دینے کا طریقہ اپنایا جا رہا ہے ہر پنچایت سمیتی میں دو یا تین مواضعات کو ایک یونٹ شمار کرتے ہوئے اطراف و اکناف کے مختلف مواضعات پر مشتمل یونٹوں کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ ان مواضعات کو کسی بینک کی شاخ سے وابستہ کیا جاتا ہے۔ ان مواضعات کے قرضوں کی ضروریات کی تکمیل کیلئے بینک کو ذمہ دار بنا دیا جاتا ہے۔ اس طریقہ کار کو درج فہرست اقوام کی رہائشی کالونیوں کے معاشی پروگراموں کی تکمیل کے لیے اختیار کیا جائے گا۔

انٹیگریٹیڈ رورل ڈیولپمنٹ پروگرام کے تحت فائدہ اٹھانے والے افراد میں ۵۰ فیصد درج فہرست اقوام کے لوگ ہوں۔

ریشم سازی کے پروگرام میں ۵ ہزار درج فہرست اقوام کے خاندانوں کو شامل کیا جائے گا۔

درج فہرست اقوام میں بھی کمزور موقف کے حامل گروہ کی امداد

درج فہرست اقوام میں کمزور موقف کے حامل گروہ جیسے چمڑے کی دباغت کرنے والے۔ گندہ بستیوں سے وابستہ افراد اور چمڑے کی صنعت کے ورکرس کو تعلیمی سہولتیں فراہم کرنے پر خصوصی توجہ دی جائے گی۔

معاشی امدادی اسکیم

مکفول محنت سے چھٹکارہ پانیوالے

محنت کش افراد کی ایک مدت مقررہ کے اندر بازآبادکاری سے حکومت کو غیر معمولی دلچسپی ہے۔ ان اسکیمات میں دودھ دینے والے مویشیوں، ہل چلانے والے بیلوں، بیل گاڑیوں، آبپاشی کنووں، آئیل انجنوں، رکشاؤں وغیرہ کی سربراہی شامل ہے۔

سال ۸۶-۱۹۸۵ء کے دوران درج فہرست اقوام کی زمینات پر ہر ضلع پر ایک کروڑ روپے کے خرچ سے تمام اضلاع میں کمیونٹی آبپاشی کنویں کھدائے جائیں گے۔ ضلع کی سطح پر این آر ای پی اور آر۔ ایل۔ ای۔ جی پی کے تحت پول فنڈز کا استعمال کرتے ہوئے درج فہرست اقوام کی ترقی کے کام شروع کئے جائیں گے۔

پینے کے پانی اور بجلی کی سربراہی

ساتویں پنجسالہ منصوبے کی مدت کے دوران امید ہے کہ ہر ہریجن واڑوں میں پائپوں کے ذریعے پینے کا پانی سربراہ کیا جائے گا۔ بجلی مہیا کردہ دیہات کے ہر ہریجن واڑوں میں اسٹریٹ لائٹس مدت مقررہ کے پروگرام کے تحت فراہم کئے جارہے ہیں۔ "گھر گھر دیپ" اسکیم کے تحت درج فہرست اقوام کے مکانات کو سال ۸۶-۱۹۸۵ء کے دوران میں بجلی سربراہ کی جائے گی۔

کمزور طبقات کے لئے وظائف

ذات پات کا امتیاز کئے بغیر ۶۵ سال کے اندر کی عمر غریب بیواؤں کو وظائف پیرانہ سالی کی اسکیم کے تحت ماہانہ (۵۰) روپے وظیفے دیئے جائیں گے۔ ضعیف اور غریب ۶۵ سال کی عمر کے مرد افراد کو ماہانہ ۳۰ روپے وظیفہ دیا جائے گا۔

بے زمین زرعی غریب مزدوروں کو وظائف دینے کے لیے ۲۴ کروڑ روپے منظور کئے گئے ہیں۔

ڈیموکتی اسکیم

میونسپل ٹاونس اور پنچایتوں میں موجود خشک بیت الخلاؤں کو پانی کی سربراہی کا پروگرام شروع کیا گیا ہے۔ اس اسکیم سے جاروب کشوں اور بھنگیوں کی مشکلات میں کمی ہوجائے گی۔

مدارس اور یتیم خانے

معیاری تعلیم کی سہولت فراہم کرنے کے لیے حکومت کی جانب سے سال ۸۴-۱۹۸۳ء کے دوران میں ہر ضلع میں درج فہرست اقوام کے لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے علحدہ علحدہ سوشیل ویلفیر اقامتی مدارس کے قیام کی منظوری دی گئی ہے۔ جن میں ۲۰۰ طلباء کی گنجائش رکھی گئی ہے۔

درج فہرست اقوام اور درج فہرست قبائل کے لیے بادیرد ضلع درشاکھاپٹنم میں ماڈل اقامتی پالی ٹیکنیک قائم کیا گیا۔

سماجی تحفظ کے اقدام کے طور پر ایک لڑکوں کے لیے اور دوسرا لڑکیوں کے لئے ہر ضلع میں دو یتیم خانوں کے قیام کی منظوری دیگئی۔

رہائشی مکانات

مکانات کے لیے اراضی کی فراہمی پر خاطر خواہ توجہ دی گئی ہے۔ اس مقصد کے لیے سال ۸۶-۱۹۸۵ء کے دوران ۸ء۵۰ کروڑ روپے کا موازنہ فراہم کیا گیا ہے۔ کمزور طبقات کے لیے رہائشی مکانات کی فراہمی کو ترجیحی بنیادوں پر اہمیت دی گئی ہے۔ سال ۸۶-۱۹۸۵ء کے دوران میں اس پروگرام کے لیے (۴۰) کروڑ روپے منظور کئے گئے ہیں۔

درج فہرست اقوام کی بستیوں کے قریب

درج فہرست اقوام کے بستیوں اور ہریجن واڑوں میں حکومت کی جانب سے تعلیم بالغان کے مراکز، پرائمری اسکولس، غیر رسمی تعلیمی مراکز، ہیلتھ۔ ویٹرنری دواخانے وغیرہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

مسٹر اندرا ریڈی
وزیر لیبر حکومت آندھرا پردیش

آندھرا پردیش میں مزدوروں کے حالات

حالیہ برسوں کے دوران آندھرا پردیش میں لیبر قوانین کی عمل آوری اور محنت کش طبقوں کے کئی زمروں میں اقل ترین اجرتوں کے تعین، لیبر تنازعات کی یکسوئی کے لیے مضبوط بنیادوں پر کوشش کی جارہی ہے۔

اقل ترین اجرتیں

ہمارے ملک میں اقل ترین اجرتوں کا جو نظریہ عام ہوگیا ہے اس کا مطلب نہ صرف بنیادی ضروریات کی تکمیل کی حد تک اجرتیں فراہم کرنا ہے بلکہ محنت کش افراد کے بچوں کی تعلیم۔ علاج اور دوسری سہولتوں کے لیے بھی کفالت کرنا ہے تاکہ مزدوروں کی کارکردگی میں اضافہ ہو سکے۔ صنعتوں اور کارخانوں کی مالی گنجائش کا لحاظ کئے بغیر درج شیڈول تمام ملازمین کو اقل ترین اجرتیں ادا کی جانی چاہیئے۔ اگرچیکہ قانون میں اقل ترین اجرتوں کے تعین کے تعلق سے کوئی رہنمائی نہیں کی گئی ہے لیکن اس معاملے میں اخلاقی اصولوں کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ اور اقل ترین اجرتوں کا تعین کسی مزدور کی معقول ضروریات اور معیار زندگی کو پیش نظر رکھ کر کیا جاتا ہے۔

اقل ترین اجرتوں کا قانون مزدوروں کے ۴۵ زمروں پر نافذ العمل ہے اور اس سے ایک کروڑ سے زائد مزدوروں کو تحفظ حاصل ہوا ہے۔ اس کے علاوہ اس قانون کے تحت لے آنے کیلئے مزید ۷۰ زمروں کی شناخت کی گئی اور اسطرح مزید تقریباً ۳ لاکھ غیر منظم مزدوروں کو تحفظ مل جائے گا۔

اس قانون میں کئی ترمیمات کی گئی ہیں۔ ہماری ریاست میں اب تک اقل ترین اجرت ماہانہ ۱۸۰ روپے تھی جسے بڑھاکر ۳۴۵ روپے کردیا گیا۔

سوشیل فاریسٹری، چائے۔ کافی کے باغات میں کام کرنے والے قبائلی مزدوروں کو ادا کی جانے والی اقل ترین اجرتوں میں بھی تبدیلی لانے کے تعلق سے ریاستی حکومت غور کررہی ہے۔ الیکٹرانکس، تمباکو کی صنعت، کپاس، سمندر سے غذا پیدا کرنے والی صنعت۔ گھاس کاٹنے اور جسمانی محنت کرنے والی خاتون مزدوروں کو اقل ترین اجرتوں میں اضافہ کرنے سے فائدہ پہنچے گا۔

مٹا۔ جٹو اور حمال

آندھرا پردیش ہائی کورٹ کی جانب سے مٹا۔ جٹو اور حمال ایکٹ کو دستوری طور پر جائز قرار دیا گیا ہے۔ یہ قانون ریاست کے تمام اہم شہروں میں شدت کے ساتھ نافذ العمل ہے اسکی بدولت سخت محنت کرنے اور کم اجرت پانے والے حمالوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ تمباکو کی صنعت، بیڑی بنانے کی صنعت

پاس صاف کرنے کی صنعت الیکٹرانک صنعت میں کام کرنے والی سینکڑوں خواتین کو اب قانونی طور پر متعین کردہ اقل ترین اجرتیں دی جائیں گے۔

صنعتی تنازعات

گذشتہ ۳ ماہ کے دوران ہماری ریاست کے ۴۶ صنعتی اداروں میں ریاستی لیبر ڈپارٹمنٹ کے عہدہ داروں کی بروقت مداخلت کی وجہ سے کئی صنعتی تنازعات کی یکسوئی میں مدد ملی۔ ان صنعتی اداروں میں کوآپریٹیو اسپننگ ملز۔ بیڑی اور سگار تیار کرنے والے یونٹ اور بڑی کمپنیاں شامل ہیں۔ ریاستی حکومت نے گنٹور اور پرکاشم کی تمباکو گریڈنگ یونٹ عادل آباد کی سرسلک کمپنی کو بند کردینے سے روک دیا ہے۔ اس اقدام سے تقریباً ۲۰ ہزار مزدوروں کو بچالیا گیا۔

عمل آوری

گذشتہ ایک سال کے دوران میں لیبر ڈپارٹمنٹ کے عہدہ داروں نے اقل ترین اجرتوں کی عمل آوری کی جانچ کرنے کے لیے ۵۰ ہزار تنقیحات کیں۔ ۲۹۴ خلاف ورزیوں کی پاداش میں مقدمات دائر کئے گئے۔ بونس ایکٹ کے تحت ۱٫۱۱ لاکھ سے زائد مزدوروں کو ۲۲۳۹ کارروائیوں کے ضمن میں ۲۵٫۸۶ لاکھ روپے تقسیم کئے گئے۔ موٹر ٹرانسپورٹ ورکرس قانون کی خلاف ورزی کی پاداش میں ۱۱۴۴ مقدمات دائر کئے گئے۔ گذشتہ دس ماہ کے دوران تقریباً ۸۴۰۰ تنقیحات کے نتیجہ میں کنٹراکٹر کے تحت یومیہ اجرت پر کام کرنے والے مزدوروں کی اقل ترین اجرت کو ۱۰ روپے فی یوم سے بڑھا کر ۱۱ روپے ۵۰ پیسے فی یوم کردیا گیا۔ ہینڈلوم صنعت - چاول کی گرنیوں - دال کی گرنیوں، تعمیری کاموں اور دھات سے اوزار بنانے کے کارخانوں میں اقل ترین اجرتوں کو سختی سے نافذ کیا جا رہا ہے۔

شاپس اور اسٹیبلشمنٹ

ریاست کے نوٹیفائیڈ علاقوں میں تقریباً ۲۶۵ لاکھ شاپس اور اسٹیبلشمنٹ ہیں۔ اہم شہروں میں تمام شاپس اور صنعتی اداروں کی گنتی کا تفصیلی پروگرام تیار کیا گیا ہے تاکہ رجسٹریشن فیس سے ہونے والی آمدنی کا تحفظ پایا جائے اور لیبر قانون کے مفید پہلوؤں جیسے رجسٹر مقرر (ایس - فارم) بونس کی ادائی وغیرہ کی عمل آوری پر نظر رکھی جائے۔

فلاحی اقدامات

ساتویں پنجسالہ منصوبہ کے دوران زراعت میں اقل ترین اجرتوں کے نفاذ پر زیادہ توجہ دی جائے گی۔ محکمہ جاتی مشنری کو تعلقہ کی سطح پر طاقتور بنایا جائے گا۔ تاکہ یہ دیکھا جائے کہ دیہی علاقوں کے غیر منظم مزدور جیسے زرعی ورکرس کو فایدہ پہنچے۔ زیادہ سے زیادہ فلاحی مراکز کا قیام ہاوزنگ اسکیمات پر عمل آوری دواخانوں کی تعمیر۔ علاج اور دوا فراہم کرنے کی سہولتیں جیسے امور کو منصوبے میں شامل کیا گیا ہے۔ ساتویں پنجسالہ منصوبے کی مدت کے دوران ریاست میں انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن کی مالی امداد سے مزدوروں کے لیے خاندانی بہبودی پروگرام پر عمل آوری کی جائے گی۔

صنعتی حالات

آندھرا پردیش میں صنعتی حالات بہت ہی پرامن اور سازگار ہیں۔ ہڑتالوں کی تعداد ۱۹۸۰ء میں ۱۱۴ - ۱۹۸۳ء میں ۹۲ تھی جبکہ ۱۹۸۴ء میں انکی تعداد گھٹ کر ۶۹ ہوگئی۔ تالابندی سے متاثر ہونے والے مزدوروں کی تعداد ۱۹۸۳ء میں ۱۸۰۰۰ سے گھٹ کر ۱۹۸۴ء میں ۹۰۰۰ ہوگئی۔ کام کے دنوں کا نقصان ۱۹۸۳ء میں ۱۸٫۹۳ لاکھ سے گھٹ کر ۱۹۸۴ء میں ۱۳٫۴۷ لاکھ تھے۔

ریاستی حکومت مزدوروں کی فلاح کے لیے اپنے کو وقف کئے ہوئے ہے اور انکے حالات بہتر بنانے کا مصمم ارادہ رکھتی ہے۔ اور اس سمت میں بنیادی اور تعمیری پروگرام اختیار کرنے کے تعلق سے غور کیا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ ریاست کا محنت کش طبقہ مستقبل کے مختلف پروگراموں کی عمل آوری میں اپنا دست تعاون بڑھائے گا۔

ضلع چتور

ضلع چتور آندھرا پردیش کے انتہائی جنوب میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ ۱۵۱۶۳ مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی (۱۹۸۱ء مردم شماری) ۲۷،۳۷،۳۱۶ ہے۔ ضلع کے مشرق اور جنوب میں ریاست ٹامل ناڈو۔ مغرب میں کرناٹک ہے۔ اضلاع اننت پور اور کڑپہ اس کے شمال میں ہیں۔ چتور کو دو قدرتی حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہاڑی سطح مرتفع اور میدانی علاقہ۔۔

بارش اور موسم

وائیل پاڈو - مادناپلی - پالامانیر اور پونگانور تعلقہ جات آب و ہوا کے اعتبار سے نسبتاً سرد ہیں۔ تعلقہ چتور معتدل ہے۔ تعلقہ جات چندراگیری ستیہ ویڈو دوسری طاہستی معمولی طور پر گرم علاقے ہیں۔ ضلع میں بارش کا اوسط ۸۲۵ ایم ایم ہے

ندیاں

پالیر ضلع کی بڑی ندی ہے۔ ریاست کے باہر کے علاقوں میں داخل ہونے سے قبل تعلقہ کوپّم سے گذرتی ہے۔ اس کے علاوہ ضلع میں بہنے والی چھوٹی ندیاں پاپگنی - پنچا - کونڈینیا - پونائی - سورنامکھی - بہوڑا اور کلیانی ہیں

زمین کی خصوصیات

ضلع کی بیشتر زمین لال مٹی کی ہے۔ کچھ علاقوں میں کالی زرخیز زمین کے حصے بھی موجود ہیں یہ علاقے تعلقہ جات چتور۔ اور بنگارو پالم میں ہیں جو ریاست ٹامل ناڈو سے متصل ہیں۔

معدنیات

نائیڈو پیٹھ ریلوے اسٹیشن سے ۷ کلو میٹر کے فاصلے پر جنوب مغربی سمت میں سراسنم بیڈو کے قریب ضلع چتور میں خام لوہا پایا جاتا ہے۔

ملاپا کونڈہ علاقے کے مواضعات چکارگنٹہ - نندی مدرگو کے زاید از ۳ کلو میٹر کی پٹی میں سونے کے ذخائر کا پتہ چلا ہے۔

جنگلات

ضلع چتور میں ۴۶۰۳ لاکھ ہیکٹر رقبے پر جنگلات پھیلے ہوئے ہیں مادناپلی تعلقے کے علاقے میں پائے جانے والے جنگلات میں ساگوان اور جنگلات کی دوسری قیمتی اشیاء پائی جاتی ہیں۔ پارسلی ہلمز اور پالامانیر تعلقے کے جنگلات میں صندل کی لکڑی پائی جاتی ہے۔

آبادی

ضلع کی ۲۷،۳۷،۳۱۶ آبادی میں ۱۳،۹۶ لاکھ مرد اور ۱۳٫۳۴۳

لاکھ عورتیں ہیں۔ دیہی علاقوں میں ۲۲٫۷۵ لاکھ ہیں۔ اور شہری علاقوں میں ۴٫۶۲ لاکھ لوگ رہتے ہیں۔ جملہ آبادی میں ۳٫۰۵۶ لاکھ کاشتکار۔ ۸٫۶۳ لاکھ زرعی مزدور اور ۲٫۱۳ لاکھ متفرق پیشوں سے وابستہ لوگ ہیں۔ درج فہرست اقوام کی تعداد ۴٫۷۹ لاکھ درج فہرست قبائل کی تعداد ۷۹٫۰۰۰ ہے۔ رقبے کے اعتبار سے آبادی کا تناسب (۱۸۱) افراد فی مربع کلومیٹر ہے۔

مویشی

ضلع چتور میں ۹٫۳۰ لاکھ گائے ۴٫۲۰ لاکھ بھینس — ۴٫۴۴ لاکھ بھیڑیں — ۳٫۰۴ لاکھ بکریاں — ۱۴٫۳۴ لاکھ مرغیاں ہیں۔ مرغیوں اور مخلوط نسل کے مویشیوں کی پیداوار کے لیے ضلع چتور بہت مشہور ہے۔ یہ ریاست کے ۴ اضلاع میں سے ایک ضلع ہے جہاں بچھڑوں کی پرورش کے پروگرام پر عمل آوری کی جارہی ہے۔ چتور میں ڈیری فارم کا قیام ڈیری فارمنگ سے متعلق بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کا ثبوت ہے۔

چتور مستقر۔ وی کوٹہ۔ بچاٹوز اور سری کلاہستی میں دودھ ٹھنڈا کرنے کے مراکز قائم کئے گئے ہیں۔ چتور مستقر پر ۳٫۴۳ کروڑ روپے کی لاگت سے دودھ کا پاوڈر تیار کرنے کی فیکٹری قائم کی گئی ہے جو روزانہ ۲٫۵۰ لاکھ لیتر دودھ کو پاوڈر میں تبدیل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

زراعت

۳٫۲۱ لاکھ ہیکٹر اراضی پر غذائی فصلوں کی کاشت ہوتی ہے ۳ لاکھ ٹن سے زیادہ غذائی اجناس کی پیداوار نکالی جاتی ہے۔ اہم غذائی اجناس دھان اور راگی ہیں۔ دوسری اہم فصلوں میں مونگ پھلی اور نیشکر کی کاشت کی جاتی ہے۔

آبپاشی

مجموعی طور پر ۲٫۲۹ لاکھ ہیکٹر زمین کی آبپاشی کی جاتی ہے۔ ۷۵ ہزار ہیکٹر زمین کی ایک سے زاید مرتبہ آبپاشی کی جاتی ہے۔ آبپاشی کے تحت رقبہ ۱٫۵۴ لاکھ ہیکٹر ہے۔ کنوؤں سے ۱٫۱۰ لاکھ ہیکٹر زمین سیراب کی جاتی ہے جبکہ نہروں سے ۸۰۰ ہیکٹر اور ۹۳٫۰۰۰ ہیکٹر زمین تالابوں کے پانی سے سیراب ہوتی ہے۔ ضلع کے اہم آبپاشی پراجکٹ سوورنا موکھی۔ ملی مڈوگو، کالنگی، ارانی یار، اور کرگاآنی کٹ ہیں۔

بجلی

ضلع کے ۱۲۲۷ میں سے ۹۸۲ مواضعات کو بجلی سربراہ کی گئی ہے۔ ۴ الیکٹریکل سب ڈویژن۔ چتور۔ مادانا پلی۔ تروپتی اور پتور میں ہیں الیکٹرک کھمبے تیار کرنے کے مراکز پتور۔ گنگا دھرا نیلور اور پالامانیر میں ہیں۔

صنعتیں

ضلع کی بڑی صنعتیں رینی گنٹہ کاٹن مل۔ کوآپریٹیو شوگر فیکٹری چتور۔ موپیڈ لمیٹیڈ تروپتی۔ چمڑے صاف کرنے کی صنعت چتور۔ آذنتی لیدر یونٹ ورادیا پالم تعلقہ ستیہ ویڈو۔

دوسری صنعتیں جیسے صندل آئیل ڈسٹیلری کوپم ٹائیل فیکٹری پالامانیر گرانائیٹ صاف کرنے کی یونیٹیں کوپم بنگارو پالم۔ پالامانیر۔ تروپتی۔ قلم کاری ٹریننگ اور پیداواری مرکز سری کلاہستی۔ ہڈیوں کا کارخانہ رینی گنٹہ اور کوپم میں ہیں۔ ضلع چتور میں ۱۳۳۲ اسمال اسکیل انڈسٹریز یونیٹیں چار انڈسٹریل اسٹیٹ۔ ۲۲ بڑی اور اوسط صنعتیں ہیں۔

ترسیلی ذرائع

محکمہ عمارات وشوارع کی جانب سے ۱۶۴۲ کلومیٹر لمبی سڑکوں کی دیکھ بھال کی جاتی ہے۔ ضلع پریشد کی ۱۴۲۷ کلومیٹر لمبی سڑکیں ہیں۔ پنچایت سمیتیوں کے تحت ۴۴۳۰٫۲ کلومیٹر طویل سڑکوں کی دیکھ بھال کی جاتی ہے۔ تقریباً ۵٫۰ اکلومیٹر طویل بڑی ریلوے لائین اور ۲۲۵

کلومیٹر مسافت پر مبنی میٹر گیج ریلوے لائین ضلع میں سے گزرتی ہیں ضلع چتور میں صدر ڈاک خانوں کی تعداد ۔ ہے۔ سب آفسیس ۲۸۳، ٹیلی فون ایکسچینج ۲۱۷ ٹیلی گراف آفیسیس ہیں۔

ٹرانسپورٹ

سرکاری شعبہ میں ۵۹۸ بسیں، خانگی شعبے میں ۲۰۰ بسیں ہیں چتور ضلع میں ۱۲۴ کنٹراکٹ کیاریج ہیں ایک بس رکھنے والے مالکین ۵۳ — ۲ بسیں رکھنے والے مالکین ۱۲ — ۳ بس والے مالکین ۲، ۴ بس والے مالکین کی تعداد ۴، ۴ تا ۹ بس والے مالکین کی تعداد ۱ ہے۔ ۱۲۴ موٹر کار اور جیپ گاڑیاں ۲۹۰۶ موٹر سیکلیں اور اسکوٹر ہیں۔

تعلیم

۲ ستمبر ۱۹۵۴ء کو وینکٹیشورا یونیورسٹی تروپتی میں قایم کی گئی۔ سال ۶۰-۱۹۵۹ کے دوران ایم اے، ایم ایس سی ڈگری تعلیم کا آغاز کیا گیا۔ بیسینٹ تھیوسفیکل کالج آف آرٹس اینڈ سائنس ضلع کا قدیم ترین کالج ہے جو ۱۹۱۵ میں قایم کیا گیا۔ دوسرے پنجسالہ منصوبے کے دوران دو پالی ٹیکنک قایم کئے گئے۔ ضلع چتور میں ۳۶ جونیر کالج - ۱۲ ڈگری کالج ۲۱۲ ہائی اسکول - ۳۱۴۶ ایلیمنٹری اسکول ہیں۔ ایک اگریکلچرل کالج - ایک انجینیرنگ کالج - دو میڈیکل کالج - ایک ویٹرنری کالج ضلع میں موجود ہیں۔

میڈیکل اینڈ ہیلتھ

ضلع چتور میں ۵۶ ہاسپٹل اور ڈسپنسریاں ہیں جن میں بستروں کی تعداد ۱۳۸۰ ہے۔ ۳۴۴ ڈاکٹران دواخانوں میں متعین ہیں۔ ان کے علاوہ ۳۸ آیورویدک ہومیوپیتھک دواخانے ہیں۔ ایک یونانی دواخانہ ہے۔ ۱۹۶۱ ہیلتھ والنٹرس - علاج وصحت کے سلسلے میں دیہی عوام کی خدمت انجام دیتے ہیں۔

دیہات اور شہر

۱۳۱۶ مواضعات ہیں جن میں ۱۲۷۷ آباد ہیں اور ۳۹ مواضعات غیر آباد ہیں۔ شہروں کی تعداد ۱۳ ہے اور ۴ میونسپل ٹاون ہیں۔

تعلقہ جات اور ریونیو ڈویژن

ضلع چتور میں ۳ ریونیو ڈویژن تعلقے ہیں۔ تفصیلات یہ ہیں۔ چتور ریونیو ڈویژن میں۔ چتور - پتور - بنگارو پالم اور نگری تعلقہ جات ہیں۔ چندراگیری ریونیو ڈویژن میں چندراگیری۔ سری کالاہستی وتم پیڈو اور ستیہ ویڈو تعلقہ جات ہیں۔ مدناپلی ریونیو ڈویژن میں مدناپلی تھمبالاپلی - وائیل پاڈو - چناگوٹی گلو - پونگانور۔ پالامانیر اور کوپم تعلقہ جات ہیں۔ ضلع پریشد چتور کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کی صدرنشین ایک خاتون تھی جس کا تعلق درج فہرست اقوام سے تھا۔ ڈاکٹر جی۔ کتراپالم کچھ مدت کے لیے صدرنشین ضلع پریشد تھے۔

پنچایت سمیتیاں

ضلع چتور میں ۲۰ پنچایت سمیتیاں ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ چتور پالامانیر - پونگانور - جاوڈے پلی - مدناپلی - تھمبالاپلی - وائیل پاڈو - چناگوٹی گلو - پولی چیرلا - چندراگیری - وتم پیڈو - سری کالاہستی ستیہ ویڈو بچاٹورنگری - پتور - کروٹینگر اور گنگا دھرا نیلور -

اسمبلی حلقے ۱۵ ہیں۔ چتور - پالامانیر - پونگانور - مدناپلی تھمبالاپلی - وائیل پاڈو - پیلیرو - چندراگیری - تروپتی - سری کالاہستی ستیہ ویڈو - پتور - نگری - ویپن جیری -

دو لوک سبھا حلقے ہیں۔ چتور اور تروپتی

تشدد ہمارے مسائل کا حل نہیں

چیف منسٹر

چیف منسٹر مسٹر این ٹی راما راؤ نے دہلی اور شمالی ہند کے بعض حصوں میں حالیہ پر تشدد واقعات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یہ واقعات ہمارے ملک کے لیے بڑے تکلیف دہ ہیں۔ پنجاب جس نے متعدد بیرونی حملہ آوروں کا مقابلہ کیا آج تشدد اور انتشار کے مناظر پیش کر رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ باہمی مفاہمت اور ہمارے ملک کی مختلف ریاستوں میں خیر سگالی کے جذبہ کی موجودگی ہی قومی اتحاد اور یکجہتی کی برقراری کا واحد راستہ ہے۔ دہلی کا شہر صدیوں سے ہمارے تمدن کا مرکز رہا ہے۔ یہ شہر ماضی میں ہستنا پور کے نام سے مشہور تھا۔ یہ شہر فرقہ وارانہ میل جول کے لیے مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ اس تاریخی شہر کو چند گمراہ عناصر نے اب انتشار پسند سرگرمیوں کی آماجگاہ بنایا ہے۔

مرکزی حکومت نے قومی تحفظ اور قومی اتحاد کی برقراری کے لیے جو تدابیر اختیار کی ہیں۔ ان کی بھرپور تائید کا ریاستی حکومت کی جانب سے تیقن دلاتے ہوئے مسٹر راما راؤ نے کہا کہ تشدد جو باپو جی کے نظریات "حق و عدم تشدد" کے خلاف ہے ہمارے مسائل کا حل نہیں۔

جن خاندانوں کے افراد کی جانیں گئی ہیں ان سے اظہار تعزیت کرتے ہوئے اور جو احمقانہ بربریت کا شکار ہوئے ہیں ان کو ہمدردی کے جذبات پیش کرتے ہوئے چیف منسٹر نے آندھرا پردیش کے عوام کی جانب سے چیف منسٹر ریلیف فنڈ میں سے وزیر اعظم کو ایک لاکھ روپیوں کا عطیہ پیش کیا اور وزیر اعظم سے درخواست کی کہ اس رقم کو تشدد سے متاثرہ خاندانوں کی بھلائی اور بازآبادکاری کے مقاصد میں استعمال کیا جائے۔

سیاحتی دلچسپی کے مقامات

میونسپل ٹاؤنس اور دوسرے مستقروں کے علاوہ ضلع کے سیاحتی اہمیت کے مقامات یہ ہیں۔ ہارسلی ہلز موسم گرما کے گزارنے کے لیے ایک خوشگوار مقام ہے جو ۱۰۶۰ میٹر کی بلندی پر واقع ہے۔ چتور میں سدابہار اور دلفریب تالاکونڈہ آبشار ہے۔ ۸۵۵ میٹر کی بلندی پر واقع نگری ہلز پر نارائینہ ونم میں کشتی رانی کا مقام ہے۔ یہاں ایک خوبصورت مندر بھی ہے۔ تروملا میں سری لارڈ وینکٹیشورا جو اپنے تقدس کے لیے سارے ہندوستان میں مشہور ہے اور دور دور سے ہزاروں کی تعداد میں روزانہ یہاں یاتری آتے ہیں۔

▲▲

اننت پور کا برگد

چودھویں صدی عیسوی کا درخت

ہمارا ملک برگد کے درختوں کا ملک ہے اور کئی درخت ایسے ہیں جو ایک وسیع علاقے پر پھیلے ہوئے ہیں۔ بعض درخت اپنی بے پناہ وسعت کے باعث سارے ملک میں مشہور ہیں۔ ان میں کلکتہ کے بوٹانیکل گارڈن اور مدراس کے مقام اڈیار میں واقع برگد کے درخت شامل ہے۔ کلکتہ کا درخت (۳) ایکڑ رقبہ پر اور اڈیار کا درخت (۲) ایکڑ رقبہ پر پھیلا ہوا ہے۔ لیکن آندھرا پردیش کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہاں سارے ملک کا سب سے بڑا برگد کا درخت واقع ہے۔

ضلع اننت پور کے تعلقہ کدری میں برگد کا درخت موضع گوٹی بایٹلا میں واقع ہے جس کی جڑیں ۶ ½ ایکڑ رقبہ میں پھیل گئی ہیں۔



یہ درخت ۱۴ ویں صدی عیسوی کا ہے۔

یہ درخت تھما مرمانو کے نام سے مشہور ہے ایک مقامی مخطوط میں اس درخت کا تذکرہ ملتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ درخت ۱۴ ویں صدی میں بھی موجود تھا۔ اس درخت کے متعلق ایک روایت بھی مشہور ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ اس درخت کو تھما نامی لڑکی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے جو ضلع اننت پور میں وینکٹپا اور منگما کی لڑکی تھی۔ ایک مقامی مخطوط کے بموجب یہ لڑکی ۱۳۱۵ء میں پیدا ہوئی۔ اس کی شادی تعلقہ کدری کے ایک شخص بالی ویریا سے کردی گئی۔ شادی کے بعد تھما اپنی رحمدلی کے باعث اس علاقہ میں جلد مشہور ہوگئی۔ جب وہ ۴۰ سال کی تھی تو شوہر کا انتقال ہوگیا۔ تھما بھی اپنے شوہر کی نعش پر ستی ہوگئی۔ جلتی ہوئی نعش پر کودنے کے لیے لکڑی کے چار ستونوں کی مدد سے ایک مچان بنایا گیا تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ ان میں سے ایک ستون پر تین دن کے اندر کونپل نکل آئے جو بتدریج درخت میں تبدیل ہوتا چلا گیا۔

مقامی افراد نے تھما کے احترام میں اس درخت کا نام بھی تھما رکھ دیا۔ گذشتہ چھ سو سال میں یہ درخت کافی بڑا ہوگیا اس طرح یہ درخت اب ۶½ ایکڑ پر پھیلا ہوا ہے۔

جنتا ساڑی اور دھوتی اسکیم
یکم نومبر سے عمل آوری

مینجنگ ڈائرکٹر آپکو کے پریس نوٹ کے بموجب حکومت آندھرا پردیش نے ریاست میں سسنر کار ڈگیر نداوں کے لیے پچاس فیصد نرخ پر جنتا ساڑی اور دھوتی کی سربراہی کی اسکیم یکم نومبر ۸۵ء تا ۳۱ مارچ ۸۶ء رائج کرنے کا فیصلہ کیا ہے سال ۸۶-۱۹۸۵ء کے دوران چالیس لاکھ دھوتیوں اور ساڑیوں کی تیاری کے لیے ۴۳ ملین مربع میٹر جنتا پارچہ تیار کرنے کا نشانہ مقرر کیا گیا ہے جبکہ سال ۸۵-۱۹۸۴ء کے دوران یہ نشانہ ۲۸ ملین مربع میٹر تھا آپکو نے جنتا پارچہ جات کی تیاری کے سلسلہ میں بافندوں کو دس فیصد زاید اجرت دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

رانی جھانسی رجمنٹ

نیتاجی اپنے سابقہ تجربات کے اساس پر تحریک آزادیٔ ہند میں ہندوستانی خواتین کے تعاون کی اہمیت کو بہت ہی احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اسی لئے سنگاپور آنے کے چند ہی روز بعد انہوں نے ہندوستانی خواتین کی ایک خصوصی متحرک فوج "رانی جھانسی رجمنٹ" کے نام سے تیار کرنے کے بارے میں اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ جس کے مطابق ۱۲ر جولائی کو "آزادیٔ ہند لیگ" نے ہندوستانی خواتین کا ایک عظیم جلسہ منعقد کیا۔ اس جلسہ میں نیتاجی نے تقریر کی۔ بعض ہندوستانی خواتین ۱۰، ۱۲ میل چلکر جلسہ میں شرکت کیلئے آئی تھیں۔ خواتین میں، جو ہمیشہ سے مردوں کے برابر ہی آزادیٔ ہند کیلئے ایثار و قربانی کے لیے مضطرب رہی ہیں، اُس وقت بہت زیادہ جوش و خروش اور امنگ موجود تھا۔

نیتاجی نے حسب ذیل الفاظ میں مخاطب کیا۔

بہنو! آپ سب بخوبی واقف ہیں کہ ہماری تحریک آزادی میں ہندوستانی خواتین نے ایک خاص مقام حاصل کیا ہے۔ اور خصوصی طور سے گذشتہ ۲۲ سالوں میں ۱۹۲۱ء سے، جب کہ گاندھی جی کے زیر قیادت کانگریس کا دوبارہ جنم ہوا تھا۔ خواتین، قومی انقلاب میں ایک اہم مقام حاصل کرتی آئی ہیں۔ یہ صرف کانگریس کے تحریک سیول نافرمانی کے ہی بارے میں نہیں ہے، بلکہ خفیہ انقلابی تحریک کے بارے میں بھی ہے۔ درحقیقت مجھے یہ کہنے میں کوئی پس و پیش نہیں ہوگا کہ ایسا کوئی عوامی دائرہ کار نہیں ہے۔ ایسا کوئی قومی تحریک کا عضو نہیں ہے، جس میں ہندوستانی خواتین نے بخوشی اور دلیری سے حصہ نہ لیا ہو۔ بغیر کھائے پیئے گاؤں گاؤں گھومنا ہو، جلسہ پر جلسہ منعقد کرنا اور اس میں تقریر کرنا ہو، یا ڈر، ڈر آزادی کا پیام پہنچانا ہو، انتخابی مقابلہ کرنے کی دوڑ دھوپ ہو، سڑکوں پر سرکاری قانون کو توڑنے کیلئے جلوس نکالنا ہو اور برطانوی پولیس کی جانب سے غیر انسانی لاٹھی چارج پر صبر کرنا پڑا ہو، بہادری سے جیل جانا اور بدسلوکی کم اہانت اور نفرت انگیز رویہ کو برداشت کرنا ہو، کہیں بھی ہماری بہنیں، پیچھے نہیں رہی ہیں۔ ہماری بہادر بہنوں نے خفیہ انقلابی تحریکوں میں بھی عوامی شہرت حاصل کی ہے۔ انہوں نے یہ دکھا دیا ہے کہ اگر ضرورت پڑے تو وہ اپنے بھائیوں کی طرح بندوق بھی چلاسکتی ہیں۔ اگر آج میں اپنا مکمل ایقان آپ لوگوں میں ظاہر کرتا ہوں تو وہ اس لئے ہے کہ میں واقف ہوں کہ ہماری بہنیں کتنی جرأت مند ہیں۔ اور اسی لئے میں بغیر کسی پس و پیش کے کہتا ہوں کہ کوئی بھی ایسا دکھ نہیں ہے۔ جو ہماری بہنیں برداشت نہ کرسکیں۔

تاریخ ہمیں یہ بتلاتی ہے کہ ہر ایک سامراج کا زوال بھی اسی طرح سے ہوتا ہے، جس طرح سے اس کا طلوع اور عروج۔ اب وہ وقت

آگیا ہے کہ برطانوی سامراج روئے زمین سے ناپید ہوجائے۔

اگر یہاں پر یا کسی اور جگہ کوئی ایسی عورت ہے، جو یہ سوچتی ہو کہ رائفل کندھوں پر رکھنے کا کام عورتوں کے لیے نہیں ہے، تو میں اس سے تاریخ کے صفحات پلٹنے کو کہونگا۔

۱۸۵۷ء کے غدر میں، جو ہندوستان کی آزادی کی جنگ تھی، بہادر جھانسی کی رانی نے کیا کیا۔ یہ رانی لکشمی بائی ہی تھی۔ جنہوں نے کھلی ہوئی ننگی تلوار ہاتھ میں لیکر گھوڑے پر سوار ہوکر اپنے فوجیوں کی میدان جنگ میں قیادت کی۔ یہ ہماری بدنصیبی تھی کہ وہ ناکام رہیں، اور وہ ہی کیا ناکام رہیں، سارا بھارت ناکام رہا۔ لیکن ہمیں اس کام کو، جسکو جھانسی کی رانی نے ۱۸۵۷ء میں شروع کیا تھا اور اس میں ناکام رہی تھیں پورا کرنا ہے اور جاری رکھنا ہے۔

اس تحریک آزادی میں ہم نہ صرف ایک، بلکہ ہزاروں جھانسی کی رانیاں چاہتے ہیں۔ اہمیت اس بات کی نہیں ہے کہ آپ کتنی رائفلیں اٹھا سکتی ہیں۔ یا کتنوں کو مار سکتی ہیں۔ اہمیت تو اس پرجوش مثال کے لافانی اثرات کی ہے۔

تقریر کے اختتام میں نیتاجی نے "رانی جھانسی رجمنٹ" اور "ریڈ کراس یونٹ" میں بھرتی ہونے کی اپیل کی۔ لاتعداد خواتین نے فی الفور اپنی خدمات پیش کیں۔ جسکے نتیجہ میں انکے لیے سنگاپور میں ٹریننگ کیمپ شروع کر دیا گیا۔ سنگاپور میں رجمنٹ میں شامل ہونے والی خاتون رضاکاروں میں نوجوان لڑکیاں اور معمر خواتین بھی تھیں اور اُن میں سے بیشتر اعلیٰ اور متمول خاندانوں کی تھیں۔ ان میں ہندو مسلم اور سکھ لڑکیاں بھی تھیں۔ ایسی لڑکیاں تھیں، جو ہندوستان کے گوشے گوشے سے آئی ہوئی تھیں۔ ٹریننگ کیمپ میں کوئی خاطرخواہ سہولتیں نہیں تھیں۔ اُن کو بہت سخت ٹریننگ دی گئی، انہیں مشین گنوں، ٹامی گنوں، دستی بندوقوں اور بھاری رائفلوں وغیرہ کو لیجانا اور اس کا استعمال کرنا سکھایا گیا۔ انہیں بہت ہی سخت جسمانی تعلیم بھی دی گئی۔

اور انکے سامنے ہندوستان کی سماجی اور اقتصادی تنظیم سے متعلق لیکچر بھی دیئے گئے۔ کیمپ میں انکو بہت ہی سادہ غذا دستیاب تھی۔ صرف پھلی اور سادہ ترکاریاں ہی انکو غذا میں میسر ہوتی تھیں۔ رات میں سونے کے لیے انکو نرم اور آرام دہ چارپائیاں نہیں ملتی تھیں۔ وہ سخت لکڑی کے تخت پر صرف ایک کمبل بچھا کر سوتی تھیں۔

کیمپ کے قواعد اور آئین بہت ہی سخت تھے۔ ان کے نزدیک کوئی جا نہیں سکتا تھا اور ہفتہ میں صرف ایک ہی بار ان کے متعلقین اُن سے ملاقات کر سکتے تھے۔ صبح سے لیکر شام تک وہ تربیت حاصل کرتی رہتی تھیں۔ نیتاجی کی جانب سے ڈاکٹر لکشمی سوامی ناتھن جو کہ ایک سرگرم اور بہادر لڑکی دکھائی دیتی تھیں، انکی کمانڈر مقرر کی گئیں۔

چھ ماہ کی قلیل مدت میں انہوں نے اپنی سب ٹریننگ مکمل کرلی اور وہ تقریباً ویسی ہی تربیت یافتہ اور ڈسپلن کی پابند ہوگئیں، جیسا کہ کوئی بھی "آزاد ہند فوج" کا فوجی ہوتا تھا۔ خصوصی طور سے سنگین چلانے میں وہ بہت ہی ماہر تھیں اور اُن میں سے ہر ایک لڑکی، برطانوی فوج کے خلاف اپنی سنگینوں کا استعمال کرنے کے لیے بےچین تھی۔

۱۹۴۴ء کے آغاز میں، جبکہ آزاد ہند فوج کے دیگر دستے امپھال پر حملہ کرنے کے لیے برما کی سمت جا رہے تھے، رانی جھانسی رجمنٹ کی خواتین نے اپنے خون سے لکھکر ایک درخواست نیتاجی کے پاس روانہ کی تھی، جس میں انہوں نے نیتاجی کو یہ اطلاع دی کہ وہ محاذ پر جانے اور اپنی زندگی کو ملک کی آزادی کے لیے ختم کرنے، اتنی ہی مضطرب ہیں، جتنا کہ آزاد ہند فوج کا کوئی مرد فوجی۔ اس درخواست میں انہوں نے نیتاجی سے فوری موقع فراہم کرنے کی اپیل بھی کی۔ نیتاجی نے انکی درخواست قبول کرلی اور "رانی جھانسی رجمنٹ" سنگاپور سے رنگون چلی آئی۔ اور وہاں ۱۹۴۴ء کے آغاز میں رضاکاراؤں کی تربیت کیلئے ایک دوسرا کیمپ قائم کیا گیا۔ اس وقت تک تعداد ایک ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ اور بھی ہزاروں خواتین، فوج میں شامل ہونے کی خواہشمند تھیں۔ لیکن

کئی مختلف انتظامی مشکلات کی وجہ سے وہ شامل نہیں کی جاسکیں۔

جب آزاد ہند فوج نے امپھال پر حملہ شروع کیا تو رانی جھانسی رجمنٹ کے دستوں کو بھی روانہ کیا گیا۔ ان میں دو شعبے تھے۔ ایک نرسس یعنی شعبۂ علاج تھا۔ جس کا ابتدائی پروگرام حقیقی تحریک میں حصہ لینا ہی تھا۔ رانی جھانسی رجمنٹ کی ہرایک رضاکار کو جنگ اور دواخانہ میں نرسس کی طرح کام کرنے کی تربیت دی گئی تھی۔ رانی جھانسی رجمنٹ کے اس شعبہ علاج نے بہترین کارنامے انجام دیئے۔

شعبۂ تحریک کے بارے میں نیتاجی کا یہ خیال تھا کہ وہ امپھال کی فتح کے بعد حقیقی تحریک میں حصہ لیں۔ اُن کا یہ بھی خیال تھا کہ جب کلکتہ فتح یاب ہوگا۔ تو وہاں پر ہونے والی آزاد ہند فوج کی فتح میں رانی جھانسی رجمنٹ سب سے آگے ہوگی۔ اگرچہ امپھال کی فتح میں ناکامی کی وجہ سے رانی جھانسی رجمنٹ کو حقیقی جنگ میں حصہ لینے کا موقع حاصل نہیں ہوا تاہم یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ اگر انہیں ایک موقع دیا گیا ہوتا تو وہ ضرور کامیاب ہوجاتیں۔ اُن میں سب شیرنیوں کی طرح بہادر تھیں اور چٹان کی طرح مضبوط تھیں۔ اپنی ٹریننگ کے آخری دنوں میں ہر ہفتہ دو روز اقل ترین بیس سیر وزنی بارودی تھیلے اور رائفل لیکر اُن کو ۱۵ ۲۰ میل تک لمبا مارچ کرنا پڑتا تھا۔ روزانہ صبح جسمانی تعلیم کے دوران وہ تیز رفتاری سے ایک بار میں دو میل دوڑا کرتی تھیں۔ اکتوبر ۱۹۴۴ء میں ... آزاد ہند فوج کی تقریب سے متعلق پریڈ ہوئی۔ تقریباً تین ہزار فوجی پریڈ کر رہے تھے۔ رانی جھانسی رجمنٹ دائیں جانب تھی۔ اور سب سے آگے چلنے والی یونٹ تھی۔ تمام جاپانی جنرل برمی منسٹر اور رنگون کے دیگر معزز شہری پریڈ دیکھنے آئے ہوئے تھے۔ نیتاجی درمیان میں کھڑے تھے۔

نیتاجی کی تقریر کے اختتام کے بعد فوجیوں کو مارچ کرتے ہوئے نیتاجی کو سلامی دینے کا حکم دیا گیا۔ جوں ہی رانی جھانسی رجمنٹ گذر رہی تھی، ہوائی حملے کے اطلاع کی گھنٹی بجی۔ قریب کے ہوائی اسٹیشن سے جاپانی لڑکے ہٹا دیئے گئے۔ برطانوی بمبار اور لڑاکا طیارے رنگون پر حملہ کرنے کے لیے آرہے تھے۔ چند ہی لمحوں میں وہ آگئے۔ اور ایک بھیانک مشین گنوں کی جنگ ہمارے بالکل اوپر ہی شروع ہوگئی۔ بشمول جاپانی جنرل سارے شائقین، سنگین خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے اور انہوں نے نزدیک کی خندقوں میں اپنی حفاظت کے لیے پناہ لی۔ نیتاجی 'سٹیشن پر' پُرسکون انداز میں ایسے کھڑے ہوئے تھے جیسے پتھر کی مورتی ہوں۔ رانی جھانسی رجمنٹ کی لڑکیوں نے مارچ جاری رکھا۔ اور بالکل صحیح طور سے قدم رکھتی ہوئی انکے سامنے سے نڈر ہوکر ایسے گذر گئیں جیسے کچھ بھی نہیں ہوا ہو۔ دشمن کے طیارے' بالکل اسی مقام پر جہاں ہماری پریڈ ہورہی تھی' بہت نیچے آگئے۔ ان میں سے ایک تو تقریباً ایک درخت کی بلندی سے پرواز کرتا ہوا نیتاجی سے ۱۰۰ گز سے بھی کم فاصلے سے ہوکر نکلا۔ اس مقام پر بمبار طیاروں نے گولیاں برسائیں۔ نیتاجی کے سامنے سے گذرتی ہوئی رانی جھانسی رجمنٹ کی ایک بہادر فوجی لڑکی کو ایک گولی لگی اور اس کا سر اُڑ گیا اور وہ وہیں برسرموقع ہلاک ہوگئی۔ پھر بھی کوئی ہلچل نہیں پھیلی اور بقیہ اُسی رفتار سے چلتی رہیں۔ دشمن کے طیارہ میں تقریباً ۶ مشین گنیں تھی۔ مزید گولیاں برسائی جاتیں تو نیتاجی اور رانی جھانسی رجمنٹ کے سارے فوجی ہلاک ہوگئے ہوتے۔

دسمبر ۱۹۴۴ء کے آغاز میں ایک دوسرے موقع پر جب رانی جھانسی رجمنٹ کے بعض فوجی رنگون سے بنکاک منتقل کئے جارہے تھے۔ انکی ٹرین پر برطانوی گوریلاؤں نے حملہ کیا۔ ہماری خاتون فوجیوں نے دشمن پر آتشیں بمباری کی اور انکو واپس جانے کے لیے مجبور کردیا۔

موسم برسات میں رنگون سے بنکاک منتقلی کے دوران اُن پر جو سخت مصائب ٹوٹے جنکو انہوں نے عزم محکم اور ہمت و خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا۔ منتقلی کے دوران سارے ہتھیار اور پوشاک ساتھ لئے انہوں نے (۲۰۰) میل پیدل طے کئے۔ رانی جھانسی رجمنٹ کی کارکردگی کے ذریعہ بلاشبہ یہ ثابت ہوگیا کہ ایسا کوئی کام نہیں ہے جو ہندوستانی خواتین انجام نہ دے سکتی ہوں۔ ▲▲

صلاح الدین نیّر

بھروسہ کس پہ کریں اعتماد کس پہ کریں

محترمہ اندرا گاندھی کو منظوم نذرانۂ عقیدت

○

بہت سے ٹوٹے ہوئے آئینوں کے زخم لیے
دل و نگاہ سے وابستہ اک خلش کی طرح
خرد نواز، جنوں آشنا، نظر پرور
کہاں کہاں نہ گئے ہوں گے تشنہ لب پیکر
شعورِ فکر و نظر، تازہ روشنی کے لیے
وفا شناس، شگفتہ سی، زندگی کے لیے

○

ہر ایک دور میں ہم جیسے شاعروں نے یہاں
ہزاروں نغمے لکھے ہیں ہر ایک صبح کے نام
کبھی بہار کے نغمے، کبھی وفا کے گیت
کبھی تو ہجر کا موسم، فراقِ دوست کے نام

○

ہر ایک دور میں ہم جیسے شاعروں نے یہاں
بہت سے ٹوٹتے ہوئے آئینوں کے زخم لیے
سمیٹ رکھا تھا لمحوں کی تشنہ کامی کو
ایک ایسی صبح منوّر کے واسطے جس میں
ہر ایک چہرہ دکھائی دے روشنی کی طرح
حسین، صاف، تر و تازہ زندگی کی طرح

○

مگر یہ کیا کہ حرارت کا دل ڈھلنے کو
سحر پرستوں کے گھر ایسی صبح بھی آئی
کہ جس کے چہرے پہ تھے ان گنت لہو کے نشاں
کہ جیسے ہونے ہی والا ہے حادثہ کوئی

○

ہر ایک دور میں ہم جیسے شاعروں نے یہاں
ہزاروں نغمے لکھے ہیں ہر ایک صبح کے نام
مگر کچھ ایسی لگی اب کے دل پہ گہری چوٹ
کہ جس کے کرب سے موضوعِ گفتگو بدلا

○

بہت سی صبحوں سے رشتہ تو ہے مگر پھر بھی
اُس ایک صبح کے دامن پہ لکھ رہے ہیں ہم
لہو سے اپنے اُسی ہندوستان کی تاریخ
کہ جس کی پہلی کرن، خون میں نہائے ہوئے
فضائے ہند میں ماتم کناں سحر کی طرح
کھڑی ہوئی ہے ندامت سے سر جھکائے ہوئے

کچھ اس طرح سے نگاہوں کو اپنی نیچی کیے
کرن کرن کا لہو پی کے صبح یوں آئی
کہ جس کے بعد اجالوں کا تذکرہ نہ رہا

○

ایک ایسی صبح بھی آئی کہ جس کی چوکھٹ پر
سحر کا نام لیے تشنگی کی سازش سے
محافظوں نے عداوت شناس لمحوں میں
چلائیں گولیاں ہندوستاں کے سینے پر
چلائیں گولیاں اتنی کہ جسم چھلنی ہوا
زمین چیخ اٹھی، آسمان کانپ اٹھا
بھروسہ کس پہ کریں کس پہ اعتماد کریں
قریب تر جو تھا اس نے ہی پہلا وار کیا
بلندیوں میں جو تھا آسمان سے اونچا
زمیں بوس ہوا دفعتاً وہ شش محل
شگفتہ، تازہ لہو، آئینوں سے چھن چھن کر
زمینِ ہند کے دامن پہ پھیلتا ہی رہا
خزاں کے دور میں بھی جو رہا تر و تازہ
وہ پھول بزم میں جو سب سے خوبصورت تھا
وہ پہلی چوٹ سے ہی شاخِ گل سے ٹوٹ گیا

○

یہ المیہ نئے ہندوستاں کے ماتھے پر
ہمیشہ حرفِ ملامت کی طرح ابھرے گا
یہ المیہ، نئے ہندوستاں کی آنکھوں سے
ہر ایک لمحہ کی تاریخ بن کے ٹپکے گا

○

یہ المیہ بھی تسلسل ہے اُس فسانے کا
کہ جس کے سارے ہی کردار ہیں پس پردہ
کھڑے ہوئے پسِ دیوارِ شب کئی چہرے
بکھیرتے ہیں ہمیشہ چمن میں زہر کے پھول
بنامِ صبح، سیہ چادروں میں لپٹی ہوئی
بہت سی شکلیں ابھرتی ہیں رہزنوں کی طرح
بہت سی شکلیں ابھرتی ہیں قاتلوں کی طرح

○

کچھ ایسے ذہن، اجالوں کا نام لے کر
کبھی وفاؤں کی صورت کبھی جفا کی طرح

ہمیشہ گھرے اندھیروں کے آس پاس رہے
ہمیشہ موسمِ گل میں بھی بدحواس رہے

○

صدائیں کتنی ہی نزدیک و دور سے اٹھیں
مگر کسی کی بھی آواز، دل کو چھو نہ سکی
سنائی دیتی ہے ہم کو تو بس وہی آواز
گلابِ تازہ کی نازک سی پنکھڑی کی طرح
جو تازہ خوشبو کو پیراہنِ بدن میں لیے
اچھوتے لہجے میں تا دیر مسکراتی رہی
اجالا بن کے ہر اک سمت پھیل جاتی رہی

○

نظر بلند، صداقت پسند، وہ رہبر
شگفتہ ذہن، شرافت نگاہ، دیدہ ور
کرم نواز تر و تازہ زندگی کی طرح
ہر ایک رُت میں رہا ہے یہاں فیض رساں
ہر ایک رُت میں اٹھاتا رہا ہے بارِ گراں

○

زمانہ دیتا ہے قربانیوں کی جس کی مثال
تو اس عظیم گھرانے کی ایسی خوشبو تھی
کہ تیرا نام ہمیشہ جبینِ بھارت پر
حسین چاند کے جھومر کی طرح چمکے گا

○

انا پسند، قلندر مزاج، ہم شاعر
کہ جن کو ناز رہا اپنی کج کلاہی پر
کہ جن کا سر کسی قائد کے سامنے نہ جھکا
تری جناب میں اب اپنا سر جھکاتے ہیں
یہ اس لیے کہ ترے جسم سے مہکتی ہے
وفا، خلوص، رواداری، پیار کی خوشبو
یہ اس لیے کہ ہے تیری خمیر میں شامل
مہکتے جھومتے ہندوستان کی خوشبو

○

تری جناب میں ہم اپنا سر جھکاتے ہیں
یہ اس لیے کہ ہمیں آبِ زر سے لکھنی ہے
نئی سحر، نئے ہندوستان کی تاریخ

○

تِلک راج گوسوامی

168 بھسولی ٹولہ، خلد آباد، الہ آباد ۲
(اترپردیش)

رنگے ہاتھ

وہ جب صاحب کے بنگلے کے گیٹ پر پہنچا اس کا دل زور زور سے دھک دھک کر رہا تھا۔ اسے اپنا حلق خشک ہوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ حلق کو تر کرنے کیلئے اُسے بار بار تھوک کو گٹکنا پڑ رہا تھا۔ وہ ڈر رہا تھا کہ وہ صاحب سے کیسے بات کرے گا۔ وہ صاحب سے کیسے بول سکے گا۔ وہ بیحد نروس ہو رہا تھا۔ پھر وہ بغل والے چوراہے پر آیا، وہاں بہا پالیکا کے نل سے پانچ سات گھونٹ پانی پیا اور ہمت کرکے بنگلے کے سامنے پہنچ گیا۔ اتفاقاً اُسے وہاں صاحب کا اَردلی مُراری مِل گیا۔ اُس نے عاجزانہ انداز میں مُراری سے کہا کہ وہ صاحب سے ملنے آیا ہے اور دو چار منٹ کا وقت چاہتا ہے۔ اَردلی اُسے ڈرائنگ روم میں بیٹھا کر صاحب کو اطلاع کرنے اوپر والے کمرے کی طرف چلا گیا۔

وہ صوفے پر بیٹھا سجے سنورے کمرے میں رکھی چیزوں کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ کبھی سامنے والی دیوار پر آویزاں تین آئل پینٹنگ کو دیکھتا تو کبھی قریب ہی بڑے شیلف میں قرینے سے رکھی کتابوں کے ٹائیٹل پڑھتا۔ کبھی سینٹر ٹیبل پر رکھی ایش ٹرے کو اٹھا کر دیکھتا تو کبھی اُسکی نگاہ چھت پر گھومتے پنکھے پر مرکوز ہو جاتی۔ لیکن تبھی اچانک اسکی نظر کمرے میں بچھے کشمیری قالین میں کڑھی ہوئی تصویر پر اٹک گئی۔ تصویر دیکھکر اسکے دل کی دھڑکن اور تیز ہو گئی۔ تصویر میں دکھایا گیا تھا کہ کس طرح ایک خونخوار شیر ایک معصوم ہرن کو اپنے پنجوں میں دبوچے ہوئے ہے اور اُسے لگا جیسے اسکی حالت بھی اُس ہرن کی طرح ہی ہو جیسے اُسکا صاحب بھی اُس خونخوار شیر کی طرح اسکے پیٹ میں اپنے خونی پنجے گڑانے کیلئے بیقرار ہو اٹھا ہو۔

ہر لمحہ بڑھ رہی گھبراہٹ پر قابو پانے کی وہ کوشش کر رہا تھا کہ صاحب کمرے میں داخل ہوئے۔ اس نے سہمے ہوئے کھڑے ہو کر صاحب کو نمسکار کیا۔ ہونٹوں پر ہلکی مسکان لانے کی ناکام کوشش کی۔ صاحب نے سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے اسے بھی بیٹھنے کو کہا۔ صاحب کے کہنے پر وہ دونوں ہاتھ باندھے صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ کیسے بات شروع کرے۔ ہونٹوں پر زبان پھیر کر اسنے کچھ بولنے کی کوشش کی لیکن آواز اسکے حلق سے باہر نہ نکل سکی۔ صاحب اسکے اترے ہوئے چہرے اور حالت کو دیکھکر مسکراتے ہوئے کہنے لگے۔

”کہو رمن کیسے آئے“ ؟

” صاحب ! آج دفتر میں جو کچھ مجھ سے ہوا اسکا مجھے بے حد افسوس ہے۔ براہ مہربانی مجھے معاف کر دیں“ اسنے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔

”رمن ! میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم سرکاری ملازم ہوتے ہوئے دو پیسے کی رشوت کیلئے ایسا کام کروگے“ تبھی گیٹ پر ہارن کی آواز ہوئی اور صاحب اُٹھکر اُدھر چلے گئے۔ شاید کوئی اُن سے ملنے آیا تھا۔

رمن بیٹھا سوچ رہا تھا کہ اگر اس نے یہ کام نہ کیا ہوتا تو اُسے آج اس حالت کا سامنا کیوں کرنا پڑتا۔ کیوں اسنے رتا کی بات پر دھیان دیا۔ دفتر کے دوسرے لوگ اگر ایسا کرتے ہیں تو کریں۔ اُسے تو ایسا نہیں کرنا چاہئیے تھا۔ اب اگر اسکی نوکری چلی گئی تو کیا ہوگا، گھر میں گزر کیسے ہوگی، بھائی بہنوں کی فیس کیلئے پیسے کہاں سے آئیں گے۔ اور اب تو وہ اوور ایج بھی ہو چکا ہے۔ اب سرکاری ملازمت بھی

ملنے سے رہی۔

آج صبح اسکول جانے سے پیشتر اسکی چھوٹی بہن ریتا نے اس سے کہا تھا "بھیّا! رجنی کے پاپا تو اپنے دفتر سے رجنی کیلئے کاغذ پنسل کاربن پیپر اور ربڑ لاتے رہتے ہیں لیکن آپ ہمارے لئے کچھ نہیں لاتے۔ رجنی کے پاپا بھی آپ ہی کے دفتر میں کام کرتے ہیں۔ انہیں تو یہ سب سامان دفتر سے مل جاتا ہے کیا آپ کو نہیں ملتا؟ بھیّا میری رف کاپی بھی تو پوری بھر گئی ہے۔ آج آپ بھی میرے لیے دفتر سے کاغذ لیتے آنا"۔

دفتر میں سیٹ پر کام کرتے ہوئے اُسے ریتا کے الفاظ بار بار یاد آ رہے تھے۔ کیا وہ بھی کاغذوں کا بنڈل لپیٹ بیاگ میں چھپا کر لے جائے، لیکن اگر اسکی چوری پکڑی گئی تو.... لیکن کون پکڑے گا۔ آج تک کبھی کسی نے اسے گیٹ سے باہر جاتے وقت نہیں ٹوکا۔ اتفاقاً بڑے بابو آج چھٹی پر تھے۔ وہ جانتا تھا کہ انکی میز کی ڈرار میں نوٹ شیٹس کے پانچ سات پیڈ ہمیشہ رکھے رہتے ہیں۔ اس نے موقع پاکر اِدھر اُدھر دیکھا تھا، پھر ڈرتے ڈرتے دھیرے سے ڈرار کھینچ کر ایک پیڈ نکال کر اپنے جھولے میں رکھ لیا تھا۔ لیکن بدقسمتی سے چھٹی ہونے پر جب وہ گیٹ سے باہر نکل رہا تھا کہ ڈیوٹی پر تعینات ملازم نے اس کا بیاگ چیک کیا۔ اس میں سے نوٹ شیٹ کا پیڈ برآمد ہوا تھا۔ وہ دفتر کے سرکاری سامان کو چرا کر گھر لیجانے کے الزام میں رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔ معاملہ صاحب تک پہنچا اور انہوں نے فوراً اُسے جواب طلبی میمو دے دیا۔ اس سے یہ جواب طلب کیا گیا تھا کہ سرکاری سامان کو چھپا کر گھر لیجانے کے جرم میں کیوں نہ اسکو ملازمت سے سبکدوش کر دیا جائے۔ اُسے اس دفتر میں کام کرتے ہوئے ابھی ایک برس بھی نہیں ہوا تھا۔ اسکی نوکری پوری طرح عارضی تھی اور اُسے کسی بھی وقت ہٹایا جا سکتا تھا۔

بیٹھے بیٹھے اُسے لگا جیسے کچھ اسکے حلق میں اٹک گیا ہو۔ اس نے کھانس کر گلا صاف کیا لیکن کھانسنے پر اسکی گھبراہٹ کچھ اور بڑھ گئی۔ وہ چاہ رہا تھا کہ اس وقت اُسے پینے کو کچھ مل جائے خواہ پانی ہو یا چائے۔ صاحب کمرے میں داخل ہوئے۔ آتے ہی بڑے اطمینان سے انہوں نے بغل والی ٹیبل پر رکھے سگار والے ڈبے کو اٹھایا۔ بڑے انداز سے ایک سگار نکالکر ہونٹوں میں دبایا لائیٹر سے سلگا کر ایک دو گہرے کش لئے اور پھر مخاطب ہوئے۔ مسٹر رمن! تم نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ جانتے ہو تم ابھی تک پوری طرح عارضی ملازم ہو اور عارضی ملازم کو قصوروار پائے جانے پر کسی بھی وقت سروس سے الگ کیا جا سکتا ہے۔

"صاحب! میں بہت غریب آدمی ہوں، بڑی دوڑ دھوپ اور انتظار کے بعد یہ نوکری ملی ہے، پتا ہی نہیں، بیمار ماں اور تین چھوٹے بھائی بہن کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔ آپ اس مرتبہ مجھے معاف کر دیں، آپکو یقین دلاتا ہوں آئندہ کبھی ایسی غلطی نہ ہوگی"۔

گھر کے تئیں اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے بھی ملازمت کے تئیں اتنی لاپرواہی کیوں کرتے ہو؟ ایک دو روپے کی چیز کیلئے اتنا بڑا خطرہ مول لیتے ہو اور اپنے ضمیر کا گلا گھونٹتے ہو۔ ذرا سوچو تمہارے اس جرم پر ڈیپارٹمنٹ کوئی سخت ایکشن لے لے تو تمہارا کیا مستقبل ہوگا، تمہارے گھر کے افراد کی کیا حالت ہوگی؟"

صاحب! غلطی تو ہو ہی گئی ہے اور یقین کیجئے اسکے لیے میں بیحد شرمندہ ہوں، آپ اس مرتبہ مجھے بخش دیجئے۔ آئندہ کبھی آپکو کوئی شکایت کا موقع نہیں دونگا۔

اسے لگا کہ صاحب کا رُخ اب اتنا سخت نہیں ہے جتنا دفتر میں تھا بلکہ اُسے انکے الفاظ میں اپنا پن اور ہمدردی نظر آ رہی تھی۔ اُسے اندر ہی اندر یقین ہو رہا تھا کہ جس کام کیلئے وہ آیا ہے وہ پورا ہو جائے گا۔ وہ کچھ اور کہنے ہی جا رہا تھا کہ ایک چھ سات برس کی بچی کمرے میں داخل ہوئی، اس نے اسے انکل کہکر نمستے کیا اور پھر صاحب سے بولی "ڈیڈی! یہ دیکھیں میں نے گنتی لکھی ہے آپ اسے صحیح کر دیں۔"

"دیکھو بے بی! ابھی ان صاحب سے کچھ بات کر رہے ہیں، تم جاؤ پھر دیکھیں گے۔" بچی کا چہرہ قدرے اتر گیا لیکن کچھ ہی دیر چپ رہ کر وہ رمن کے بغل والے صوفے پر بیٹھتی ہوئی اُس سے بولی "انکل! آپ اسے دیکھکر صحیح کر دیں"۔ اور اس نے اپنی موٹی سی کاپی اور پنسل اس کے ہاتھ میں دیدی۔

اس نے چہرے پر زبردستی مسکراہٹ لاتے ہوئے بچی کی طرف

دیکھا، پھر پنسل ہاتھ میں لئے چھوٹے بڑے ہندسوں کو دیکھنے لگا۔ ابھی اس نے ایک دو ہندسے ہی دیکھے تھے کہ اچانک اسکی نظر کاپی کے لال حاشیے پر پڑی۔ اُسے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ یہ وہی کاغذ ہے جس پر وہ دفتر میں نوٹ لکھکر صاحب کو پُٹ اَپ کرتا ہے۔ یہ کاپی انہی نوٹ شیٹس کو سی کر بنائی گئی ہے جیسے نوٹ شیٹوں کا پیڈ آج اس نے اپنے بیگ میں اپنی چھوٹی بہن کو دینے کے لیے رکھا تھا۔ اور اب اُسے صاحب کے چہرے سے اس بات کی جھلک بھی مل گئی تھی کہ اس نے بھی اُن کی چوری پکڑلی ہے وہ بھی اتنے ہی قصوروار ہیں جتنا کہ وہ۔ " تو صاحب میرے لئے کیا حکم ہے؟"

— لاؤ وہ جواب طلبی والا میمو مجھے دے دو، اس بار تمہیں چھوڑ رہا ہوں لیکن پھر کبھی مجھے اس طرح کا شکایت کا موقعہ نہ ملے۔

اور پھر جب وہ صاحب کا شکریہ ادا کرکے سائیکل سے گھر کی طرف لوٹ رہا تھا وہ اپنے آپکو پوری طرح نارمل محسوس کر رہا تھا۔

••

ڈاکٹر بشیشر پردیپ
۱۸، گلستان کالونی، لکھنؤ۔

قرض

یہ ٹھیک ہے کہ لڑکی کی سگائی ہوئے اب چھ ماہ ہو رہے تھے اور لڑکے والے برابر شادی کی مانگ کر رہے تھے اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ آنے والے دسمبر میں اسکی بیٹی پورے چوبیس (۲۴) برس کی ہو جا رہی تھی اور اب مزید انتظار کی گنجائش نہ تھی لیکن جو بھی دیر ہو رہی تھی وہ اسکے بس کی بات نہ تھی —— جب تک اُسے یقین نہ ہو جائے کہ اپنی شان کو برقرار رکھنے کے لیے رُپیے کا خاطر خواہ انتظام ہو گیا ہے وہ اپنی بیٹی کی شادی کی تاریخ کیسے طے کر سکتا تھا؟! شادی میں آسے اپنے معیار کا بھی تو خیال رکھنا تھا!

جیونداس نے ہمیشہ اس بات کا خیال رکھا تھا کہ لوگوں کی نظروں میں اسکا معیار زندگی اونچا رہے۔ اپنے لئے، اپنے بیوی بچوں کے لیے وہ نفیس اور قیمتی کپڑے لایا کرتا۔ گھر کے رہن سہن کو اونچا رکھنے کی کوشش کرتا — فرنیچر، پردے، قالین، ریفریجریٹر، ٹیلی ویژن سب کچھ تھا۔ چھوٹے بچے انگریزی اسکول میں جاتے تھے۔ ایک نوکر گھر میں ہمیشہ رہتا تھا —— مکان کے آنگن میں لگے چھوٹے سے باغیچہ کے لیے ایک پارٹ ٹائم مالی بھی تھا —— اس نے اس بات کی کبھی پرواہ نہ کی تھی کہ اسکے اخراجات اس کی آمدنی کی حدوں کو چھوتے رہتے ہیں اور کئی بار پیسے کی تنگی کی وجہ سے کسی بیمار بچے کا خاطر خواہ علاج نہیں ہو پاتا۔ اسے فکر تھی تو اس بات کی تھی کہ لوگ اسکے ٹھاٹ باٹ کو دیکھ کر دنگ رہتے ہیں یا نہیں —؟ ہمیشہ ایسے دوست بنانے کی کوشش کرتا جن کے پاس کار ہو، بنگلہ ہو۔ ہر دوسرے تیسرے دن کوئی نہ کوئی کار اُسکے دروازے پر کھڑی ہوتی اور وہ اندر اس دوست کی خاطر مدارت میں لگا ہوتا۔

لڑکی کا رشتہ طے ہوا تو اسے یقین ہو گیا کہ یہ رشتہ اسکی شان اور اسکے معیار زندگی کی وجہ سے طے پا گیا ہے ورنہ آجکل کے زمانے میں ایسا اچھا لڑکا ملنا آسان نہیں —— اور یہ بات وہ اپنی بیوی کو کئی بار جتا چکا تھا۔

وہ اپنی بیوی کے ساتھ شادی کا بجٹ بنا رہا تھا۔ اسکے کلین شیو چکنے چہرے پر کچھ تشویش کے آثار تھے۔ وہ بار بار عینک کے شیشوں کے اوپر سے دیکھ رہا تھا۔ اُسے اپنی شان کے شایاں شادی کرنی تھی —— محلے کے رگھوبیر نے جس کا معیار زندگی کچھ بھی نہ تھا حال ہی میں لڑکی کی شادی کی تھی زیادہ نہیں تو پچیس ہزار روپے تو ضرور خرچ کر دئے ہونگے۔ کتنے ہی بلب تو بجلی کے لگے تھے۔ تمام گلی بقعہ نور تھی۔ اسکے دوست کرم چند نے صرف "ڈنر" ہی میں پانچ ہزار روپے خرچ کر دیئے تھے۔ لڑکے کے ماں باپ بہن بھائیوں کو تو دیا ہی تھا اسکے دور دور کے رشتہ داروں کو بھی کچھ نہ کچھ نقد دیا تھا۔ اگر وہ شادی میں ان لوگوں سے بڑھ چڑھ کر خرچ نہ کرے گا تو اسکے نام کو کتنا بڑا بٹہ لگے گا؟ رشتہ داروں کو باتیں کرنے کا موقع مل جائے گا۔ نہیں نہیں ——

بات ہو سے دیگا۔ وہ دکھا دے گا کہ جیونداس کوئی معمولی آدمی نہیں ہے!

دس ہزار برات، روشنی، سجاوٹ اور دیگر اخراجات کیلئے۔
تیس ہزار کا جہیز ۔۔ اور دس ہزار تلک کیلئے ۔۔ یعنی کل پچاس ہزار روپے ۔۔ سیتا! اپنے معیار کو دیکھتے ہوئے یہ کوئی زیادہ رقم نہیں ہے۔"
اس نے بیوی سے کہا۔ اسکی بیوی اپنے صوفے پر بیٹھی تھی۔ اس نے اپنے گرد شال لپیٹ رکھی تھی مگر اسکی چھوٹی لمبی تھی اور دبلے پتلے ہونے کے باوجود اُسے پوری طرح سے ڈھانپ نہیں رہی تھی۔ اس نے ذرا کھینچ کر اپنے پاؤں بھی اس میں لپیٹ لئے۔

"میں تو کہتی ہوں۔ انسان کو اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے چاہئیں
کہ زیادہ کھینچا گیا تو یقیناً پھٹ جائیگی۔
ہاں!"

اور اسی وقت " چھرر " کی آواز کے ساتھ اسکی شال پھٹ گئی
اور وہ گھبرا کر شال کے چیر کو دیکھنے لگی ۔۔ جیونداس کو جیسے دلیل سوجھ گئی
بولا ۔۔

"ارے! یہ اپنے بس کی بات کہاں ہے۔ چادر چاہے پھٹ جائے۔ انسان آپ کو ڈھانپنے کی کوشش کرتا ہی ہے ۔۔"
اور اسکی بیوی جھنجلا گئی ۔۔ اسکی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ آگے کیا کہے!
اپنی سہیلی زینت کے یہ الفاظ اُسے بار بار یاد آرہے تھے۔ "ایک جھوٹی شان دکھلاوے کے لیے بال بال قرض میں بندھ جانا کہاں کی عقلمندی ہے سیتا! تم چاہو تو بھائی صاحب کو ٹھیک راستے پر لاسکتی ہو۔"
لیکن وہ دیکھ رہی تھی کہ اپنے شوہر کو سمجھانا اسکے بس کی بات نہ تھی ۔۔
جہاں تک جہیز کا سوال ہے تو جیونداس نے ہمیشہ جہیز کے حق میں دلیل دی تھی ۔۔ جب کوئی اس سے کہتا ۔

"جیونداس جی! جہیز بہت سی سماجی برائیوں کی جڑ ہے۔ جہیز کالے دھندے کو فروغ دیتا ہے۔ رشوت لینے کے لیے اکساتا ہے۔ جہیز جٹانے کے لیے والدین کو کئی قسم کے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں ۔۔ اور ۔۔
اور جہیز کی وجہ سے کئی لڑکیاں کنواری رہ جاتی ہیں۔ کئی زندگیاں تباہ ہو جاتی ہیں۔"

تو وہ جواب دیتا ۔۔
"ارے صاحب! یہ جب ہوتا ہے جب انسان اپنی حیثیت سے بڑا گھر ڈھونڈھتا ہے ۔۔ اگر اپنی حیثیت سے کم حیثیت والا لڑکا ڈھونڈا جائے تو یہ خرابیاں نہ ہوں ۔۔"
اور اس وقت وہ بھول جاتا کہ خود اس نے اپنی حیثیت سے بڑھکر لڑکا ڈھونڈا ہے!۔
جب اسکی بیوی نے شادی کے بجٹ کو کم کرنے کی صلاح دی تو وہ بھڑک اٹھا
"تم تو چاہتی ہو میں اپنی عزت مٹی میں ملا دوں ۔ وقت گذر جاتا ہے سیتا! لیکن بات رہ جاتی ہے۔ جیونداس اسی رئیس اعظم نقیر چند کا بیٹا ہے جس نے اپنی بیٹی کی شادی میں صرف برات ہی کیلئے دس نواڑی پلنگ بنوا ڈالے تھے ۔۔ پورے پانچ روز برات کو ٹھہرایا تھا ۔۔ اور ہر چیز صبح کھانے میں دی تھی شام کو اس چیز کے نام ہی کو براتیوں کے ذہن سے کھرچ ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ ہر بار کھانے میں پہلے سے کچھ زیادہ چیزیں تھیں۔ پکوانوں کے نام گنتے گنتے لوگ تھک جاتے تھے ۔۔ تم یا تمہاری سہیلی زینت نے ایسی شادیاں کہاں دیکھی ہونگی! ہونہہ!"
اور اس آخری جملے سے اسکی بیوی تلملا گئی ۔۔
"جی ہاں ۔۔ ہم نے کاہے کو دیکھی ہونگی ایسی شادیاں
ہم نے تو یہ سنا ہے کہ دیوالیہ بھی انہی رئیس اعظم صاحب نے نکالا تھا
۔۔ ہاں ۔۔"
"اجی! وہ تو ایک چال تھی اُن کی ۔۔ بیوپار کا ایک گُر تھا تم کیا جانو یہ سب باتیں ۔۔"
اور جیونداس نے غصہ میں آکر شادی کی خرچ والی کاپی بند کر کے رکھ دی۔ اور اٹھ کھڑا ہوا۔
اپنی شان کے شایان شادی کرنا تھی تو اسکے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ جیونداس پچیس ہزار روپے کا قرض کا انتظام کرتا۔ اب سوچنا یہ تھا کہ وہ

قرض کہاں سے لے؟ — دفتر سے پروویڈنٹ فنڈ سے اسے مزید قرض نہیں مل سکتا تھا کیونکہ اس میں اتنا بیلنس ہی نہ تھا۔ وہ تھوڑے ہی دن پہلے لڑکے کی بیماری کے وقت پروویڈنٹ فنڈ میں سے قرض لے چکا تھا۔ انشورنس پالیسی کے ملنے والے روپے وہ پہلے ہی بجٹ میں شامل کر چکا تھا۔ مکان اسکا اپنا نہ تھا کہ جس کو گروی رکھ کر وہ قرض لے لیتا۔ اب صرف ایک ہی طریقہ تھا کہ تین چار دوستوں سے پرونوٹ لکھ کر قرض لے لے۔ لیکن اسکی بیوی اسکی اس تجویز سے متفق نہ تھی — وہ قرض کے خلاف تھی اور یہ بات جیونداس کو بے چین کئے ہوئے تھی۔

اور ایک دن اسکی بیوی قرضہ مانگنے کی تجویز میں اسکے ساتھ متفق ہوگئی —— وہ بیوی کو ساتھ لیکر اُن دوستوں کے ہاں گیا، جہاں سے کہ قرضہ مل سکتا تھا — اُسکی بیوی اب پوری طرح اسکا ساتھ دے رہی تھی اور اسکی سہیلی زینت نے بھی اب کہنا سننا چھوڑ دیا تھا — جیونداس نے یہ دیکھ کر اُن دونوں کو ہدایات دے دیں کہ حسب ضرورت اُن دوستوں کے ہاں سے روپے لے لیا کریں۔ اور اس مقصد کے لیے اس نے تین دوستوں کے نام دس دس ہزار کے تین پرونوٹ لکھ کر اپنی بیوی کو دے دئے۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ جب وہ روپے لے آتیں تو جیونداس کو بتا دیتیں اور جیونداس اپنی نوٹ بک میں رقم درج کر لیتا۔ پہلے کچھ دن تو قرضے کی رقم درج کرتے وقت اسے کچھ احساس ہی نہ ہوا۔ لیکن جب رقم ذرا بڑھی تو اُسے گھبراہٹ محسوس ہونے لگی۔ اور پھر جیسے جیسے یہ رقم پچیس[25] ہزار کے قریب ہوتی جا رہی تھی — پچیس[25] ہزار روپے! یہ قرضہ اب اترتا اترے گا۔ شادی کا وقت گذر جائے گا لیکن اسکا اثر اس پر کتنے ہی عرصہ تک رہے گا۔ اور — اور دوسری بیٹی بھی تیار کھڑی ہے۔ لیکن اب وہ کر بھی کیا سکتا تھا —؟! یہ سوچ کر اسکی روح کانپ جاتی۔

"لیجئے کھنہ صاحب کے تو دس ہزار پورے ہوگئے — وہ بچارے تو کہہ رہے تھے اگر اور روپے کی ضرورت ہو تو لے لیجئے گا —"

"اچھا —؟ — ارے نہیں —— اب اُن سے اور لیکر کیا کرنا ہے۔ کیوں —؟"

"جیسے آپ کی مرضی —"

بیوی میں اس تبدیلی کو دیکھ کر کہ اسے قرض سے اب نفرت ہی نہ رہی تھی — وہ خود ہی قرضہ بڑھانے کی فکر میں تھی جیونداس کو حیرت کم اور غصہ زیادہ آیا —— وہ اندر کھول کر رہ گیا۔

تلک دیا گیا تو عجب بات یہ ہوئی کہ رواج کے برعکس کسی کو دکھایا ہی نہ گیا۔ جیونداس کو بعد میں پتہ چلا کہ اسکی بیوی اور اسکی سہیلی زینت لڑکے والوں کے ہاں تلک دے آئی ہیں۔ اسے بہت غصہ آیا اُن دونوں پر۔ اس نے اتنا کچھ تلک میں دے دیا اور لوگوں کو پتہ ہی نہ چلا — پورے پانچ ہزار کا سامان خرید لائی تھی اور تین ہزار نقد بھی اس نے تلک کی فہرست میں لکھوائے تھے۔ یوں کہنے ہی لگا تھا کہ بیوی بولی۔

"بہت خوش ہیں لڑکے والے — خوب تعریف ہوئی ہے آپکی۔"

"مگر یہاں بھی تو سب کو دکھانا تھا —"

"اجی کیا فرق پڑتا ہے اس سے —؟ دراصل تلک دکھانے کا وقت ہی نہ تھا۔ اور بھی کتنے کام پڑے ہیں۔"

اور جیونداس خاموش ہوگیا۔

تلک کے دو دن بعد شادی تھی — جیونداس نے شادی کے بجٹ میں پانچ ہزار روپے روشنی، سجاوٹ، شامیانے اور کرسیاں وغیرہ کیلئے رکھا ہوا تھا اور تقریباً اتنی ہی رقم اسکی بیوی نے ان چیزوں کے بک کرانے کے بعد لکھائی تھی — رقم لکھتے وقت اسکے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی تھی لیکن اسکے سوا چارہ بھی کیا تھا۔ اسکی شان کا تقاضہ یہی تھا — اس نے دل کی دھڑکن پر قابو پالیا تھا — لیکن یہ کیا —؟ یہ روشنی، یہ سجاوٹ، یہ شامیانے یہ سب یقیناً اتنی رقم کے نہ تھے؟! یہ سب ہزار بارہ سو سے زیادہ کا سامان نہ تھا — یقیناً نہیں تھا — اُف! اس سے کتنی بڑی بھول ہوگئی جو خود نہ گیا ان چیزوں کا آرڈر دینے کے لیے۔ اور ان عورتوں کو بھیج دیا۔ یہ دونوں ضرور ٹھگ گئیں — اتنا بڑا نقصان! اسے اپنی بیوی پر تو غصہ آیا

ہی، زینت پر بھی بہت غصہ آیا — لیکن اس وقت، جب کہ شام کو بارات آرہی تھی — وہ ایسی باتیں کرکے بکھیڑا نہیں کھڑا کرنا چاہتا تھا۔ دانت پیس کر رہ گیا۔ غصہ کی وجہ سے اس نے اس بات پر بھی دھیان نہ دیا کہ لوگ باگ کیا کہہ رہے ہیں۔ کچھ کہہ بھی رہے ہیں یا نہیں — ؟!

لیکن جب اُسے اچانک پتہ چلا کہ اسکی بیوی رواج کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جہیز بھی "بند" دے رہی ہے تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی — برادری یا محلے والوں کو دکھلانے کے لیے جہیز نہایت سلیقہ سے سجایا جاتا ہے۔ اور یہ کام عام طور پر عورتیں ہی کرتی ہیں — چنانچہ جیونداس نے بھی یہ کام بیوی کو سونپ دیا تھا۔ اس نے اس طرف دھیان ہی نہ دیا تھا — اُسے جب پتہ چلا جب جہیز کا ٹرنک اٹھوایا جانے لگا۔ ایک ہی ٹرنک! کیا تمام جہیز ایک ہی ٹرنک میں سما گیا — ؟! یہ اتنی لمبی فہرست جو اسکی بیوی نے بنائی تھی اور سامان خریدنے کے بعد "ٹک مارک" بھی کرواتی رہی تھی، کیا ہوئی؟ کیا وہ اس سارے سامان کو گھر میں رکھے گی — ؟!

عجیب پاگل عورت ہے!

کہیں یہ زینت کی کارستانی تو نہیں —؟!

اس نے دیکھا کہ اسکی بیوی اور بیوی کی سہیلی زینت، دونوں ہی اسکے سامنے آنے سے کترا رہی تھیں —

یہ زینت ضرور کوئی دھوکے باز عورت ہے!

اس نے ضرور رقم کا گول مال کر دیا ہے

خوب اُلّو بنایا ہے ہم کو —

بدمعاش! ٹھگ!!

شادی ہو چکی تھی — ڈولی جا چکی تھی — بیوی رشتہ داروں کو رخصت کر رہی تھی اور جیونداس اندر کمرے میں بیٹھا سگریٹ پر سگریٹ پھونک رہا تھا۔ وہ اس موقع کی انتظار میں تھا کہ کب تخلیہ ہو اور وہ بیوی سے ایک ایک پائی کا حساب مانگے — کیا کیا ہے اُن دونوں نے —؟ پورے پچاس ہزار خرچ ہو گئے! — پچیس ہزار میرے اوپر قرض چڑھ گیا — کہاں خرچ ہو گئے؟ — میں لٹ گیا — میں لٹ گیا — میں لٹ گیا — لوگو — میں لٹ گیا — یہ الفاظ اسکے حلق تک آتے آتے رُک جاتے — وہ کہنا چاہتا تھا لیکن کہہ نہ سکتا تھا — زور زور سے چیخنا چاہتا تھا لیکن چیخ نہ سکتا تھا۔

یہ سب کیا ہو رہا ہے — ؟ کیا ہوا ہے یہ سب —؟!" بیوی کو اسکی سہیلی کے ساتھ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ کر وہ گرجا۔ اور وہ دونوں مسکرا دیں —

"میں پوچھتا ہوں۔ یہ اتنی رقم کیا ہوئی —؟ پچاس ہزار روپے کہاں خرچ کر دیے تم لوگوں نے — ؟"

اور وہ دونوں پھر مسکرا دیں —

" سیتا! سنتی نہیں ہو تم —! یہ سب تمہاری اس سہیلی کی ......"

" جی نہیں — یہ کارستانی لڑکے اور لڑکی دونوں کی ہے — انہوں نے یہ عہد کر رکھا تھا کہ وہ شادی جب ہی کریں گے جب اس میں جہیز کا لین دین نہ ہوگا — یہ لیجئے آپ کے تینوں پر دونٹ — ہم نے کسی سے بھی قرض نہیں لیا —"

" ہیں —؟! سچ —؟!

— کیا سچ —؟! — ادھورا"

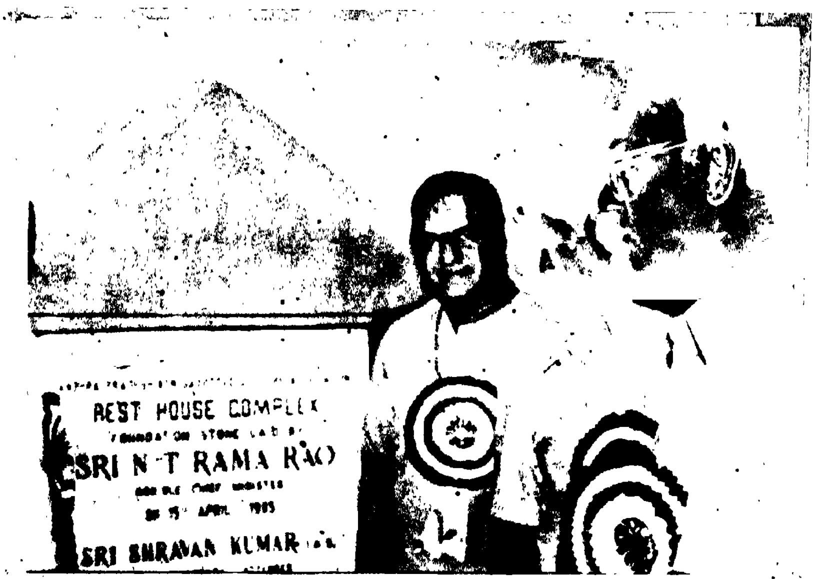
●●

قارئین سے

ہماری یہ کوشش ہے کہ اپنے قارئین کو مختلف سرکاری پالیسیوں اور سرگرمیوں سے پوری طرح باخبر رکھیں۔ تاہم قارئین کو اس میں کچھ نہ کچھ کمی کا احساس ہو سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں سرکاری پالیسیوں، پروگراموں اور سرگرمیوں سے متعلق آپکے مشورے بخوشی قبول کئے جائیں گے۔

" ایڈیٹر "

خبریں تصویروں میں



چیف منسٹر این ٹی راما راؤ نے گن فاؤنڈری حیدرآباد اے۔پی۔ این جی اوز ہوم کے علاقے میں ریسٹ ہاؤس کا مپلکس کا سنگِ بنیاد رکھا۔



چیف منسٹر آندھرا پردیش مسٹر این ٹی راما راؤ نے آسوامی ہاسپٹل تردملا میں خون کے بینک کا افتتاح کیا



چیف منسٹر مسٹر این ٹی راما راؤ ۲۷ اپریل کو حیدرآباد میں ضلع مغربی گوداوری کے اراکین اسمبلی کو مخاطب کر رہے ہیں ۔



چیف منسٹر مسٹر این ٹی راما راؤ نے ۲۷ اپریل کو حیدرآباد میں ضلع مشرقی گوداوری کے اراکین اسمبلی کو مخاطب کیا



چیف منسٹر مسٹر این ٹی راما راؤ سے قلی قطب شاہ اربن ڈیولپمنٹ اتھاریٹی کے ممبروں کو مخاطب کر رہے ہیں۔



چیف منسٹر مسٹر این ٹی راماراؤ ۲۶ اپریل ۸۵ء کو حیدرآباد میں سریکاکلم ضلع کے اراکین اسمبلی کو مخاطب کرتے ہوئے ۔



چیف منسٹر مسٹر این ٹی راماراؤ نے ۲۶ اپریل ۸۵ء کو حیدرآباد میں ضلع وجیانگرم کے اراکین اسمبلی سے خطاب کیا ۔



چیف منسٹر مسٹر این ٹی راما راؤ ۲۷ ر اپریل ۱۹۸۵ء کو حیدرآباد میں ضلع کرشنا کے اراکین اسمبلی کو مخاطب کرتے ہوئے۔



مسٹر ایس۔ راجندرا ریڈی وزیر اسمال اسکیل انڈسٹریز نے جیڈی میٹلا حیدرآباد میں اے۔ پی۔ اسٹیٹ ٹیکسٹائل ڈیولپمنٹ کارپوریشن کے شوروم کا افتتاح کیا۔

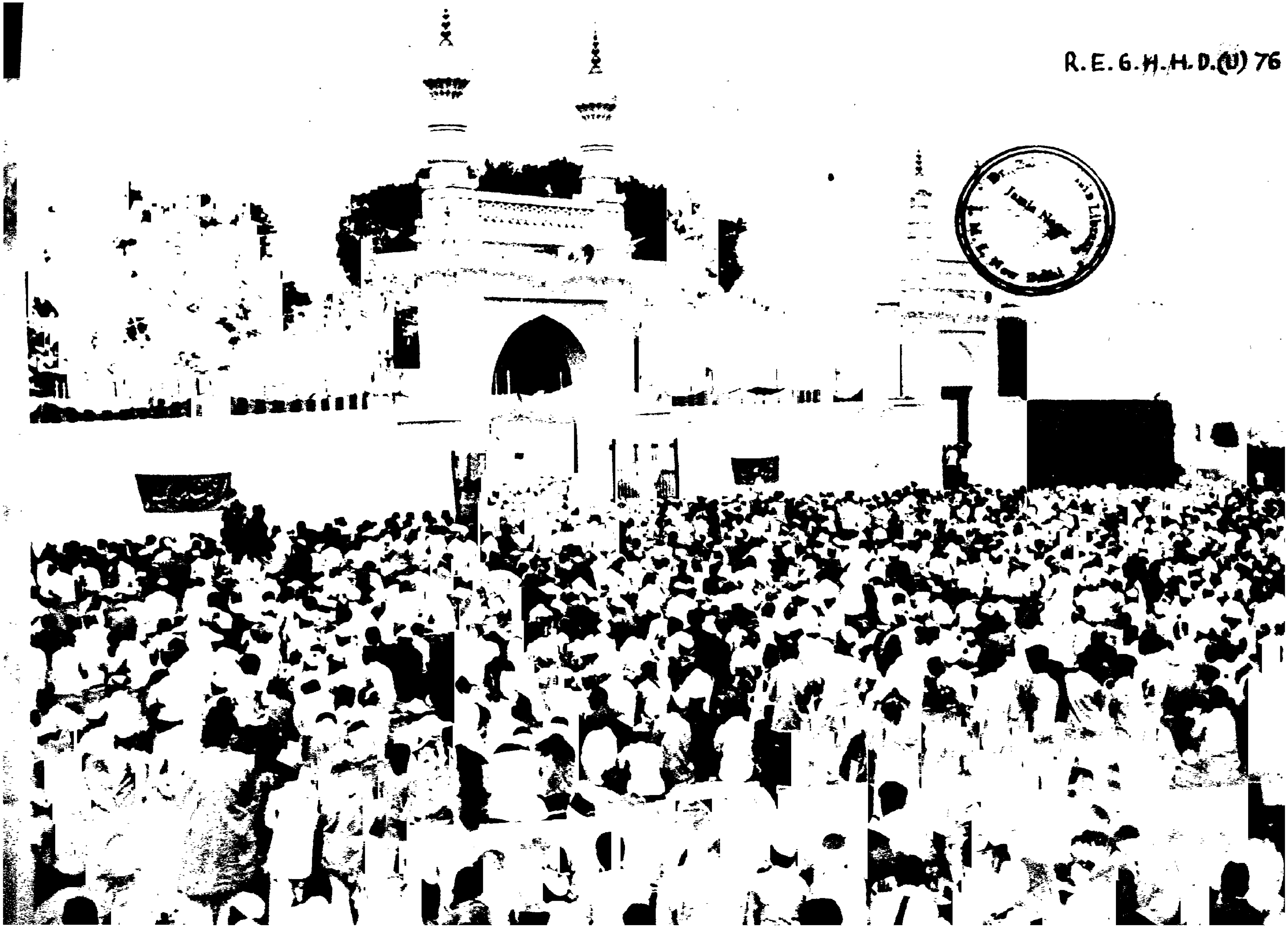


گورنر آندھرا پردیش
ڈاکٹر شنکر دیال شرما
جوبلی ہال حیدرآباد
میں منعقدہ یونائیٹیڈ
ہندو مسلم فرنٹ
کے یونٹی ایوارڈز تقریب
میں پولیو کے علاج کے ماہر
ڈاکٹر سید غوث الدین کو
انکی بہترین طبی خدمات کے صلہ
میں یونٹی ایوارڈ پیش کر رہے ہیں



مسٹر ٹی ۔ چٹر جی ڈسٹرکٹ کلکٹر حیدرآباد نے ۱۲ اپریل کو پرانے شہر کے کمزور طبقات میں
سیکل رکشا تقسیم کئے۔





آندھرا پردیش

جولائی ۱۹۸۵ء

قیمت [illegible] روپے



آندھرا پردیش - اعداد و شمار بہ یک نظر

رقبہ (۱۹۸۱ء) مردم شماری	(مربع کیلومیٹر)	۲۷۵٫۶۱	
اضلاع		۲۳	
ریونیو منڈل		۱۱۰۴	
پنچایت سمیتیاں		۳۳۰	
آبادی (۱۹۸۱ء) مردم شماری		۵۳۵٫۵۰	(لاکھ میں)
مرد		۲۷۱٫۰۹	〃
عورتیں		۲۶۴٫۴۱	〃
درج فہرست اقوام کی تعداد		۷۹٫۶۲	〃
درج فہرست قبائل کی تعداد		۳۱٫۷۶	〃
محنت کش افراد کی تعداد		۲۲۵٫۰۶	〃
اراکین لوک سبھا		۴۲	
اراکین راجیہ سبھا		۱۸	
اراکین اسمبلی		۲۹۵	
دواخانے (آلوپیتھک)		۲۹۵	
خصوصی امراض کے دواخانے		۴۵	
بستروں کی تعداد		۲۶,۹۳۸	
یونیورسٹیوں کی تعداد		۱۰	
جملہ آبپاشی سے سیراب کیا جانے والا رقبہ		۵۰٫۵۸	لاکھ ہکٹر
کوئلہ کی پیداوار		۱۰۰٫۸۳	لاکھ ٹن

ماھنامہ آندھرا پردیش حیدرآباد

جولائی ۱۹۸۵ء • جلد : ۳۰ • شمارہ : ۷ • JULY 1985 • سنہ

فہرست

چیف ایڈیٹر

سی ۔ وی ۔ نرسمہا ریڈی ایم اے

ایڈیٹر

ارشاد حسین خاں ایم اے

قیمت فی شمارہ : ۵۰ پیسے

- اس شمارہ میں اہل قلم حضرات نے انفرادی طور پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے اُن سے لازمی طور پر حکومت کا متفق ہونا ضروری نہیں
- زر سالانہ : ۶ روپے • فی پرچہ ۵۰ پیسے
- زر سالانہ ذریعہ منی آرڈر روانہ کیجئے
- منی آرڈر ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ کے نام روانہ کیجئے۔
- مضامین روانہ کرنے کا پتہ ماہنامہ "آندھرا پردیش" (اردو) محکمۂ اطلاعات و تعلقات عامہ گرہا کلپا مکرم جاہی روڈ حیدرآباد
- طباعت گورنمنٹ سنٹرل پریس چنچل گوڑہ حیدرآباد • کتابت : ایس کے حمید

ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ حکومت آندھرا پردیش نے شائع کیا ۔

ضلع وزیانگرم

ضلع وزیانگرم کی تشکیل سال ۱۹۷۹ء میں عمل میں آئی اور اسی سال ماہ جون میں یہ ضلع عالم وجود میں آیا۔ یہ ضلع تعلقہ جات والم پیٹھ۔ سرنگ وارا پوکوٹہ، بھوگا پورم، وزیانگرم۔ گجاپتی نگرم۔ نلی مرلا۔ چیپرو پلی۔ سالورو۔ تھرلم۔ بابلی۔ پارونی پورم اور کروپم پر مشتمل ہے۔ ضلع کا مستقر مقام وزیانگرم ہے۔

تاریخ

یہ آندھرا پردیش کا ۲۳ واں ضلع ہے۔ مقامات جامی۔ اندوا اور راملی میں آثار قدیمہ کی کھدائیوں سے یہاں (۹۰۰) قبل مسیح تا ۳۰۰ عیسوی کے دور سے تعلق رکھنے والی ماقبل تاریخ بستیوں کا پتہ چلا ہے۔ یہ علاقہ "کلنگا" کا ایک حصہ تھا جس پر ایک طویل عرصہ تک مشرقی گنگاؤں کی حکومت رہی۔ ان راجاؤں کے چولا خاندان سے سیاسی تعلقات اور شادی بیاہ کے رشتے تھے۔ ۱۷ ویں صدی کے دوران میں یہ علاقہ سلطنت گولکنڈہ کے زیرنگیں آیا۔ بعد میں سنہ ۱۶۵۲ء اور سنہ ۱۶۸۱ء کے درمیان یہاں گولکنڈہ کے فوج داروں کا انتظامی عمل دخل تھا۔ سنہ ۱۶۸۱ء سے سنہ ۱۷۲۴ء تک یہ علاقہ چکاکول یا سری کاکلم میں متعین مغلیہ فوجداروں کی عمل داری میں تھا۔ کچھ عرصہ نظام حیدرآباد اس علاقہ پر خودمختارانہ طور پر حاکم رہے بعد میں سنہ ۱۷۵۳-۵۸ء کے دوران صلابت جنگ کے ایک فرمان کی بناء پر یہ فرانسیسیوں کے تحت چلا گیا۔ بالآخر ایسٹ انڈیا کمپنی نے اسے ... اور نتیجتاً وزیانگرم اور بابلی کی زمینداریاں قائم ہوئیں۔ سنہ ۱۹۴۹ء میں ایک قانون کے باعث ان زمینداریوں کا خاتمہ ہو گیا۔

محل وقوع

یہ ضلع مشرق میں ضلع سریکاکلم۔ جنوب مشرق میں خلیج ... مغرب میں ضلع وشاکھاپٹنم اور شمال مغرب میں ریاست اڑیسہ کے محیط ہے۔ اس کے دو مالگزاری ڈویژن پاروتی پورم اور وزیانگرم ہیں جو تعلقہ جات یہ ہیں۔ کروپم۔ پاروتی پورم، بابلی۔ تھرلم۔ سالو... نگرم۔ چیپرو پلی۔ نلی مرلا۔ وزیانگرم۔ بھوگا پورم۔ سرنگوارا پوکوٹہ ان میں سے پہلے پانچ تعلقے پاروتی پورم سے اور ماباقی وزیانگرم ڈویژن متعلق ہیں۔

ضلع کی اہم ندیاں یہہ ہیں۔ چمپاوتی - گوستھانی - ساردا - ناگاولی - جھنجھاوتی اور دوسٹے گدا -

آب وہوا اور بارش

اپریل اور جون گرم ترین مہینے ہیں۔ ضلع کو بارش جنوب مغربی مانسون سے حاصل ہوتی ہے۔ موسم گرما میں بہت گرمی اور سرما میں بہت سردی ہوتی ہے۔ نارمل بارش کی مقدار ۱۱۲۳٫۱ ملی میٹر ہے۔

رقبہ اور آبادی

ضلع کی آبادی سنہ ۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق ۱۸۰۴۷۹۶ نفوس ہے جس میں سے ۱۵۱۹۷۰۹ نفوس ۱۵۴۵ مواضعات میں بستے ہیں اور باقی کی آبادی دس شہروں میں آباد ہے۔

ضلع کا رقبہ ۶۵۳۹ کیلو میٹر ہے۔ جملہ ۶۳۰۰۳۸ ہیکٹر رقبے میں سے ۱۱۷۲۴۵ ہیکٹر پر جنگلات واقع ہیں۔ بنجر اور نا قابلِ کاشت زمین ۷۶۵۲۳ ہیکٹر ہے اور حقیقی زیر کاشت زمین کا رقبہ ۱۷۶۷۳۰ ہیکٹر ہے -

ادارہ جات حکومت مقامی

اس ضلع میں چار میونسپلٹیاں ہیں جو یہہ ہیں۔

پاروتی پورم - بابلی - سالورو اور وزیانگرم

گرام پنچایتوں کی تعداد ۸۸۱ ہے جبکہ ۱۴ پنچایت سمیتیاں ہیں جن کے نام یہہ ہیں - گوملاکاشی پورم - کردیم - پاروتی پورم - بابلی - بادنگی - سالورو - پاچی پینٹا - چیپوروپلی - نلی مرلا - گجاپتی نگرم - بھوگاپورم - گنٹیاڈا - سرنگا دارا پورم اور وجیم پیٹھا

زراعت

اس ضلع کے عوام کا اہم پیشہ زراعت ہے۔ اہم فصلیں، دھان راگی، مونگ پھلی اور دالیں وغیرہ ہیں۔ دھان کی پیداوار فی ہیکٹر ۱۲۱۳ کلو گرام ہے کسانوں کی مدد کے لیے ضلع میں حسب ذیل تحقیقاتی مراکز قائم کئے گئے ہیں - وجیانگرم میں تحقیقاتی مرکز برائے باجرا - بابلی میں نیشکر کا تحقیقاتی مرکز جو ۱۹۵۷ء میں شروع ہوا، رستھاکنٹو بائی میں کریشی کرستی کیندرا جو بھدراگیری قبائلی سمیتی میں واقع ہے -

افزائش مویشیاں

ضلع میں ۹ حیوانات کے دواخانے - ۳۰ لائیو اسٹاک سوپروائزر یونٹس اور ۸۲ لائیو اسٹاک یونٹس ہیں علاوہ ازیں ۱۴ توسیعی مراکز ۳۹ حیواناتی ادارے گریجویٹ ڈاکٹروں کے تحت ہیں اور ۲۸ ادارے نان گریجویٹ ڈاکٹروں کے تحت جانوروں کی دیکھ بھال کا کام کرتے ہیں۔ ضلع میں ۹٫۶۱ لاکھ مویشی ہیں جن میں ۳٫۵۸ لاکھ گائیں، ۲٫۱۸ لاکھ بھینسیں اور ۳٫۱۷ لاکھ بھیڑیں اور بکریاں ہیں، مرغیوں کی تعداد ۸٫۲۱ لاکھ ہے۔

رسل ورسائل

ضلع میں موجود ذرائع رسل ورسائل کی تفصیلات حسب ذیل ہیں۔

محکمہ شوارع و عمارات کی سڑکیں ۲۳۲ کلومیٹر - پنچایت سمیتی کی سڑکیں ۸۰۰٫۴ کلومیٹر - ضلع پریشد سڑکیں ۹۶۸٫۹ کلومیٹر - ریلوے ٹریک ۶۰ا کلومیٹر ہیڈ پوسٹ آفس ۳ - سب پوسٹ آفس ۱۴۹ - برانچ پوسٹ آفس ۴۲۳ ٹیلی گراف آفس ۱۱۰، ٹیلی فون ایکسچینج ۳۹ - اور فون کنکشن ۴۴۵۸۔

صنعتیں

ضلع کے ۲ مقامات بابلی اور سیتا نگرم میں ۲ شکر کے کارخانے ہیں جن کی صلاحیت فی کارخانہ ۵۰۰ ٹن ہے۔ اور بھیماسنگی میں ۵۰۰ ٹن صلاحیت والا ایک امداد باہمی شکر کا کارخانہ ہے - گیارہ اوسط اور بڑی صنعتیں ہیں جن میں پٹ سن کی سُتلی اور تھیلے، شکر، دھاگے، خوردنی تیل، اور فیرو مینگانیز وغیرہ کی

پیداوار ہوتی ہے۔ ۸۰۲ چھوٹی صنعتی یونٹس ہیں جن میں ۱۹ ۶ ۵ کروڑ روپیوں کا سرمایہ مصروف ہے اور ۳۲ ۹۶۵ افراد کام کرتے ہیں۔ یہ صنعتیں چاول کی گرنی، تیل، دالوں، پٹ سن، گڑ سازی، باغت، کھنڈساری شکر اور چمڑے کی اشیاء سے تعلق رکھتی ہیں۔ تعلقہ بابلی میں ستار بنانے کی صنعت اور دوسرے تعلقوں میں برتن سازی گھریلو صنعت کی حیثیت رکھتی ہیں۔

تعلیم

خواندگی کے اعتبار سے آندھرا پردیش کے اضلاع میں اس ضلع کا مقام ۱۶ واں ہے۔ ضلع میں ۱۸۲۸ پرائمری اسکول، ۱۳۸ اپر پرائمری اسکول، ۱۳۰ ہائی اسکول، ۱۳ جونیر کالج، ۶ ڈگری کالج، ایک اورینٹل کالج اور دو آئی ٹی آئی ادارے موجود ہیں۔ وزیانگرم میں قائم کالج آف ایجوکیشن (بی ایڈ) میوزک کالج اور سنسکرت کالج سے شمالی ساحلی آندھرا کے عوام مستفید ہو رہے ہیں۔

آبپاشی

ضلع میں ۴۸ چھوٹی آبپاشی تالاب ہیں جن کا آیاکٹ ۳۰۶ ۴،۷،۱ ایکڑ ہے۔ بہ حالت موجودہ ۱۱۱،۴۹ ایکڑ اراضی تو تاپلی، اینی کٹ اسکیم، ددولی گڈہ، خزانہ آب، پاراوی اینی کٹ اسکیم تھاتی پوڈی خزانہ آب اور دینکاڈا اسکیم کے تحت سیراب ہوتی ہے۔

تعلقہ سالور میں دینگلا مایا ساگر (سیراب شدنی رقبہ ۲۴۷۰۰ ایکڑ)، تعلقہ پاروتی پورم میں جھنجاوتی ندی پراجکٹ (سیراب شدنی رقبہ ۲۴۶۴۰ ایکڑ) تعلقہ بابلی میں پداکلم اینی کٹ اسکیم (سیراب شدنی رقبہ ۸۷۰۴ ایکڑ) اور اندرا خزانہ آب (سیراب شدنی رقبہ ۹۴۰۰ ایکڑ) کی تعمیر کا کام جاری ہے۔

برقی

برقی کی سربراہی اور برقراری کے انتظامات کے لیے وزیانگرم اور بابلی میں دو ڈویژن قائم ہیں۔ ضلع کے ۱۴۹۵ آباد مواضعات میں سے ۹۴۸ مواضعات کو برقی فراہم کی گئی ہے اور مارچ سنہ ۱۹۸۳ء کے ختم تک ۲۴۱۱ زرعی اراضیات کو برقی کنکشن دیئے گئے۔ سنہ ۱۹۸۱ء میں چیپروپلی رورل الکٹرک کوآپریٹیو سوسائٹی کی رجسٹری عمل میں آئی تاکہ چیپروپلی تعلقے کے ۱۱۵ مواضعات اور ۴۰ چھوٹے قصبات کو برقی سربراہ کی جائے۔ اس سوسائٹی میں علاقائی معیشت کی ترقی کے لیے ۱۵۸ لاکھ روپیوں کا سرمایہ مصروف کیا گیا ہے۔

امداد باہمی

ضلع میں مختلف نوعیت کی ۴۷۴ امداد باہمی انجمنیں ہیں جن کی جملہ تعداد اراکین ۹۶۹ ۳۰۳ ہے اور ادا شدہ سرمایہ حصص کی مقدار ۲۳۶ لاکھ روپے ہے۔

طبی سہولتیں

گورنمنٹ ہیڈکوارٹرس ہاسپٹل وزیانگرم میں مریضوں کے لیے بستروں کی تعداد ایک سوا ہے۔ یہ دواخانہ اپنی ملحقہ یونٹوں جیسے ای این ٹی کلینک۔ ڈنٹل کلینک۔ ٹی بی برانچ۔ آرتھوپیڈک کلینک اور فیملی پلاننگ ونگ کے ساتھ عوامی خدمات انجام دیتا ہے۔ ضلع میں مزید ۹ ہاسپٹل، ۵۳ پرائمری ہیلتھ سنٹرس اور ۲۳ ایلوپیتھک کلینکس قائم ہیں جن میں بستروں کی جملہ تعداد ۳۲۰ ہے۔ ان کے علاوہ ۲۳ آیورویدک اور ہومیوپیتھک دواخانے ہیں۔ سالور میں جذامیوں کے لیے ایک قیام گاہ بھی ہے۔

سماجی بہبود

ضلع میں ۴۵ سرکاری ہاسٹلس قائم ہیں جن میں سے ۳۶ لڑکوں کے لیے اور ۹ لڑکیوں کے لئے ہیں۔ قبائلی لڑکوں کے ہاسٹل کی تعداد ۱۷، اور قبائلی لڑکیوں کے ہاسٹل کی تعداد ۳ ہے۔ ضلع میں دو اقامتی مدارس بھی موجود ہیں۔

بہبودی خواتین و اطفال

ضلع میں بہبودی خواتین کے دو مراکز ہیں جن میں سے ایک

یاچی پینٹ سمیتی کے مقام مامیڈی پلی میں اور دوسرا پاروتی پورم میں قائم ہے۔ یہ مراکز بچوں کو ماقبل اسکول تعلیم دیتے ہیں۔ اور خواتین کو پارچہ تراشی، سلائی اور دستکاری کی تربیت اُن کی معاشی حالت کے سدھار کے لیے فراہم کرتے ہیں۔

یاپلی میں بچوں کی قیام گاہ موجود ہے جو بالکلیہ طور پر جذامی والدین کے صحت مند بچوں کے لیے ہیں۔ اس قیام گاہ میں ۵ تا ۱۰ سال کی عمر کے بچوں کو شریک کیا جاتا ہے۔ اور اس میں جملہ ۲۰ بچوں کی شرکت کے لیے گنجائش ہے وزیانگرم اور باپلی میں دو بال واڑیں اور بچوں کی دیکھ بھال کے تین امدادی مراکز بھی موجود ہیں۔ اُن کے علاوہ تین بالواڑیاں اور ایک حرفتی تربیتی مرکز بھی قائم ہے۔

عوامی نمائندے

اس ضلع کی نمائندگی کرنے والے لیجسلیٹو اسمبلی میں ۱۱ ارکین اور لوک سبھا میں دو ارکین ہیں۔

امتیازی خصوصیات

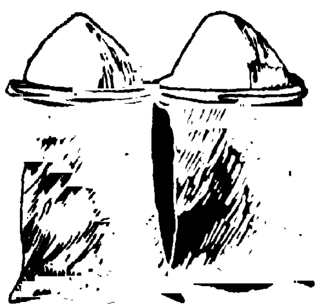
باپلی میں ایک یادگاری ستون جو فرانسیسی اور باپلی کے راجہ کی فوجوں کے درمیان سنہ ۱۷۵۷ میں لڑی ہوئی جنگ کی یاد میں سنہ ۱۸۹۱ء میں نصب کیا گیا۔

کورو کنڈہ میں سینک اسکول ہے جو چھٹویں تا دسویں کلاس کے بچوں کو نیشنل ڈیفنس اکیڈمی میں داخلے کے لیے تربیت دیتا ہے۔

مہاراجہ میوزک کالج ریاست بھر میں اپنی طرز کا واحد ادارہ ہے۔

نلد ڈلفیا ہاسپٹل یالورو ہماری ریاست کا واحد ہسپتال ہے جہاں مرض جذام کی تحقیق و علاج اور مریضوں کی تربیت کے انتظامات ہیں۔ یہ ہسپتال ۸۰ سال پہلے قائم کیا گیا تھا۔

گرا جاڈا اپا راؤ جدید تلگو ادب کے خالق اور مشہور وائلن نواز دوارم وینکٹا سوامی نائیڈو کی ولادت ضلع وزیانگرم میں ہی ہوئی تھی اور یہ



چاول دو روپے کیلو

چاول جو یہاں کے عوام کی اہم غذا ہے دو روپے فی کیلو ان تمام لوگوں کو سربراہ کئے جارہے ہیں جن کی سالانہ آمدنی چھ ہزار روپے سے کم ہے۔

ضلع اُن دونوں کا وطن ہے۔ وزیانگرم گُڑ، مچھلی، اور مستا کی تھوک خرید و فروخت کا ایک بڑا مارکٹ بن گیا ہے۔ ریاست کی جملہ ۸ فیکٹریوں کے لیے درکار مستا کی مقدار یہیں سے خریدی جاتی ہے۔ یہاں سے سالانہ ۱ کروڑ روپے مالیت کے آم سڑک اور ریل دونوں ذرائع سے برآمد کئے جاتے ہیں۔

نفع بخش پولٹری کامپلکس

کاولی ٹاون کے مضافات کاولی اودیاگری روڈ پر پولٹری کامپلکس ہے جو خود روزگار پروگرام کے تحت چلایا جارہا ہے۔ مواضعات موسونور، چینچو گنانی پالم ۔ رودراکوٹہ ۔ تالاپالم ۔ ناگولادرم ۔ بوڈماگنٹہ ۔ یوالا دینہ اور انادرم تعلقہ کاولی ضلع نیلور سے تعلق رکھنے والے درج فہرست اقوام کے ۱۵ خاندانوں کی معاشی حالت کی بہتری کے لیے یہاں پولٹری یونٹ فراہم کیے گئے۔ اس وقت تک یہ خاندان زرعی مزدوروں کی حیثیت سے حقیر آمدنی پہ گذر بسر کررہے تھے۔ معاشی تنگی کی وجہ سے کبھی یہ خاندان غیر یقینی مستقبل سے دوچار ہوگئے۔ ڈسٹرکٹ رورل ڈیولپمنٹ ایجنسی نے انہیں صحیح راہ دکھائی۔ انہیں مرغبانی کی ایک ماہ کی ٹریننگ دی گئی۔

بعدازاں پولٹری یونٹوں کے قیام کے لیے فی خاندان ۳۰ ہزار روپے بطور امداد منظور کیے گئے۔ اس رقم میں ۳ ہزار روپے ڈسٹرکٹ رورل ڈیولپمنٹ ایجنسی نے بطور امداد دی ہے۔ شیڈولڈ کاسٹ فینانس کارپوریشن نے ۵ ہزار روپے بطور حاشیائی رقم کے فراہم کیے اور مابقی ۲۲ ہزار روپے آندھرا بینک جلاڈنکی برانچ کی جانب سے بطور قرض فراہم کیے گئے۔

۱۵ یونٹوں کے ساتھ ۹ر اپریل ۱۹۸۳ء سے پولٹری کامپلکس کا قیام عمل میں آیا۔ ۷ ہزار روپے فی یونٹ کے حساب سے منگلور ٹائیل کے سائبان تعمیر کیے گئے۔ بابکاک مرغیوں کے ایک دن کے ۵۲۵ بچے خریدے گئے۔ دوائیں اور غذا پولٹری مارکٹنگ کارپوریشن کی جانب سے مہیا کی گئی۔ انڈوں کی نکاسی بھی پولٹری مارکٹنگ کارپوریشن کے ذریعے کی گئی۔ ان لوگوں کی سخت محنت نے انہیں کافی نفع پہنچایا۔ مرغیوں کی کھیپ کے اختتام تک ہر خاندان کو ۷ تا ۸ ہزار روپے کا نفع ہوا۔ پولٹری یونٹ سے ۱۴,۵۰۰ تا ۱۵,۰۰۰ انڈے حاصل ہوئے جن کی قیمت ۶۰ ہزار روپے ہے۔ اس کے علاوہ مستفیضین کو روزمرہ کھانے کے خرچ کے طور پر بینک نے ۱۸ ماہ تک ۲۵۰ روپے ماہانہ کے حساب سے رقم دی۔

ان کے موجودہ معاشی حالات کے بارے میں دریافت کرنے پر مسٹر چکیٹی نرسمہا نے جو ان ہی میں کا ایک آدمی ہے کہا کہ اب تو ہماری زندگی میں ایک نئی روشنی آگئی ہے۔

انڈوں کو محفوظ رکھنے کے لیے حال میں ایک ۲۰ ہزار روپے کی لاگت سے ایک اسٹور روم تعمیر کیا گیا اور مرغیوں کی نگرانی کے لیے ہر یونٹ کے قریب ۲۵ سینٹ رہائشی زمین انہیں دی گئی اور اس زمین پر سائبان کی تعمیر کیلئے ہر یونٹ کے تحت ایک کھلا کنواں بھی فراہم کیا گیا ہے۔

مزدور مالک بن گیا

گرامودیا اسکیم تعلیم یافتہ بے روزگار نوجوانوں کے فایدے کیلئے درج کی گئی ہے۔ اس اسکیم کی بدولت نوجوانوں کو روزگار کی تلاش شفقت کے بغیر معاشی امداد فراہم کی جاتی ہے۔ مسٹر نارائن راؤ ساکن چیپوادیلی ضلع وزیانگرم کو اس اسکیم سے فائدہ اٹھانے والے مثال کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔

مسٹر نارائن راؤ نے انٹرتک تعلیم پانے کے بعد ۱۹۸۳ء میں ویلڈنگ پیشے میں آئی۔ ٹی۔ آئی کی ٹریننگ حاصل کی۔ اس کے بعد وہ اپنے والد کے راہ چیپورویلی کی ایک خانگی ورکشاپ میں کام کرنے لگے۔ ان کے سات زاد خاندان کی گزر بسر کا انحصار انکی اور انکے والد کی حقیر آمدنی پر تھا۔

ایکسٹینشن افسر (انڈسٹریز) چیپورویلی پنچایت سمیتی نے جو کبھی کبھی اس ورکشاپ کو جاتے تھے جہاں مسٹر نارائن راؤ کام کرتے تھے۔ گرامودیا کے تحت نارائن راؤ کو اپنی ذاتی ورکشاپ قائم کرنے کی ہمت افزائی کی۔ چنانچہ انکے مشورے کے مطابق مسٹر نارائن راؤ گرامودیا اسکیم کے تحت امداد حاصل کرنے کے لیے ڈسٹرکٹ انڈسٹریز سنٹر پہنچے۔ انڈسٹریز سنٹر نے ان کا انتخاب کیا اور انکی درخواست کو قرضے کے لیے اسٹیٹ بینک آف انڈیا چیپورویلی بھیج دیا۔ بینک کی جانب سے انہیں ۲۰ ہزار روپے کا قرض مشنری کی خریدی کے لیے مارچ ۱۹۸۴ء میں منظور کیا گیا۔

مسٹر نارائن راؤ نے اپنی زمین پر ایک ورکشاپ تعمیر کیا۔ اور مشنری نصب کروائی وہ اب مکانات کے لیے لوہے کے چوکھٹے تیار کرتے ہیں اور موٹروں وغیرہ کی باڈی تیار کرنے میں بھی چھوٹا چھوٹا کام کرتے ہیں۔

ان کے والد اور بھائی بھی اب ان کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ اب تک بینک کے قرض کا کچھ حصہ مدت مقررہ سے قبل ہی ادا کرچکے ہیں اور مابقی رقم کی ادائی کے لیے سخت محنت میں لگے ہوئے ہیں۔

انہوں نے بتایا کہ روزانہ اخراجات کے علاوہ انہیں ۳۰ روپے یومیہ آمدنی ہو رہی ہے۔ اپنے پیر پر کھڑے ہونے سے انہیں بے پناہ مسرت ہوئی مسٹر نارائن راؤ نے کہا ہے کہ گرامودیا پروگرام تعلیم یافتہ بیروزگاروں کے لیے ایک نعمت ہے۔

اس طرح گرامودیا پروگرام کی بدولت ایک نوجوان کم یافتہ مزدور ورکشاپ کا مالک بن گیا۔

▲▲

"قارئین کے لئے ضروری اعلان"

ہماری یہ کوشش ہیکہ اپنے قارئین کو مختلف سرکاری پالیسیوں اور سرگرمیوں سے پوری طرح باخبر رکھیں۔ تاہم قارئین کو اس میں کچھ نہ کچھ کمی کا احساس ہوسکتا ہے۔ اس سلسلہ میں سرکاری پالیسیوں، پروگراموں اور سرگرمیوں سے متعلق آپکے مشورے بخوشی قبول کئے جائیں گے "ایڈیٹر"

زندگی میں بہار

قدیم کہاوت ہے کہ گائے خوشحالی اور دولتمندی کا ذریعہ ہے۔ ایک ہریجن مسٹر ستاری وینکیا ساکن نیڈ وموسلی ضلع نیلور پر یہ کہاوت صادق آتی ہے۔

مسٹر وینکیا کو چند سال قبل ریاستی حکومت نے ایک ایکڑ زمین دی تھی۔ لیکن وہ اس زمین سے اپنی غربت کی وجہ کچھ بھی فائدہ اٹھانے کے موقف میں نہیں تھا۔ اپنی زندگی کی گزر بسر کے لیے اسے مجبوراً دوسروں کے کھیت میں کام کرنا پڑتا تھا درج فہرست اقوام اور پسماندہ طبقات کے معاشی حالات کو بہتر بنانے کے لیے ریاستی حکومت کی جانب سے شروع کردہ معاشی امدادی اسکیم کا احسان ہے کہ دودھ دینے والے مویشیوں کی تقسیم کی اسکیم میں مسٹر وینکیا کو شامل کیا گیا۔ اس کے ساتھ تین اور اشخاص کو بھی شامل کیا گیا تھا۔ یہ اسکیم ۸۴-۱۹۸۳ء میں شروع کی گئی تھی۔

پینا کیتی گرامینا بینک کی شاخ جگدیری پیٹو کی جانب سے وینکیا کو جرسی گائے خریدنے کے لیے ۴ ہزار روپے کی مالی امداد دی گئی۔

پونگا نور ضلع چتور سے وینکیا نے ۳۴۱۰ روپے میں ایک گائے خریدی۔ مابقی رقم اس گائے کو لانے اور ۱۵ سینٹ زمین میں چارہ کا انتظام کرنے پر خرچ کی۔

وینکیا نے کوآپریٹیو ملک سوسائٹی نیڈوموسلی کی ممبرشپ حاصل کر لی۔ یہ سوسائٹی ڈیری ڈیولپمنٹ کارپوریشن سے وابستہ ہے۔

اس کی گائے روزانہ ۸ تا ۱۰ لیٹر دودھ دیتی ہے اب اسے چارے کے ماہانہ ۲۰۰ روپے خرچ کے بعد ۴۵۰ تا ۵۰۰ روپے آمدنی ہوتی ہے۔ اور قرض کے ایک ہزار روپے تک وہ بینک کو ادا کر چکا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ اس سال کے ختم سے پہلے مابقی قرض کی رقم ادا کر دے گا۔

ڈاکٹر سید غوث الدین

22-4-706 اندرون یاقوت پورہ حیدرآباد

قومی یکجہتی اور آندھرا پردیش

قومی یکجہتی ہندوستانی قوم کا تہذیبی اور قومی ورثہ ہے۔ صدیوں سے ہم نے اس عظیم ورثہ کے تحفظ کے ذریعہ ملک کو استحکام، اتحاد اور کامیابی کی منزلوں سے ہمکنار کیا ہے۔ دنیا کے ملکوں کی فہرست میں ہندوستان کو یہ انفرادیت حاصل رہی ہے کہ یہاں مختلف مذاہب، ذات پات، زبان اور علاقائی تہذیبوں کے لوگ رہتے بستے رہے۔ کثرت میں وحدت کا یہ تصور ہی دراصل ہماری قومیت کی اساس ہے۔ شاہوں کے درباروں، خانقاہوں اور بازاروں میں قومی یکجہتی کو استحکام اور عروج حاصل ہوا۔ ہم نے آزادی کی تحریک اسی قومی یکتا کے ذریعہ منظم و متحد کی۔ قومی اتحاد ہی وہ ہتھیار تھا جس نے انگریز سامراج کو اس وسیع و عریض ملک کو چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ ہندو مسلم سکھ پارسی اور عیسائی سب ہی نے اس ملک کی آزادی کے لیے قربانیاں دی ہیں اسلئے آزادی کے بعد جب دستور مرتب ہوا تو اس میں اسی تہذیبی پس منظر کو پیش نظر رکھا گیا۔ اور ملک کے لیے سیکولرازم کا راستہ انتخاب کیا گیا۔ مذہبی آزادی اور یکساں حقوق کے ذریعے ہر ہندوستانی میں یہ احساس اور اعتماد پیدا کرنے کی کوشش کی گئی کہ اسے مذہب، ذات پات، علاقہ یا رنگ و نسل کے اعتبار سے کوئی برتری یا کمی نہیں ہوگی۔ چنانچہ حکومت کی پالیسیوں اور پروگراموں میں بھی اس اسپرٹ کو روا رکھا گیا کیونکہ قومی یکجہتی کے بغیر ہمارا قومی ڈھانچہ مستحکم و مضبوط نہیں ہو سکتا۔

ریاست آندھرا پردیش کی تشکیل یکم نومبر ۱۹۵۶ء کو عمل میں آئی اور ریاست کی تشکیل کے بعد ان (۲۹) برسوں میں قومی یکجہتی کے لیے موثر اقدامات کئے گئے۔ اس سے قبل ریاست حیدرآباد بھی فرقہ وارانہ ہم آہنگی کیلئے اپنی مثال آپ تھی۔ ہماری ریاست کی دو بڑی زبانوں تلگو اور اردو پر دیگر زبانوں کے اثرات اسی باہمی یکجہتی کا نتیجہ ہیں۔ اردو اور تلگو میں مرہٹی، پنجابی، فارسی اور ہندی کے اثرات دراصل ہمارے مشترکہ کلچر کے آئینہ دار ہیں۔ اسی طرح رہن سہن، لب و لہجہ اور رسومات میں بھی ایک دوسرے کے کلچر کے اثرات نمایاں اور واضح ہیں۔ حیدرآباد شہر کی بنیاد ہی ہندو مسلم اتحاد کی رہین منت ہے۔ قلی قطب شاہ اور بھاگ متی کی محبت دراصل اتحاد کی اٹوٹ اور ناقابل فراموش مثالوں سے ہمارا سماجی نظام گوندھا گیا ہے۔ مسلم بادشاہوں کی رواداری کے کتنے ہی لافانی نقوش نے اس شہر جنت کے حسن کو چار چاند لگانے کا باعث بنے۔ آصف جاہ نے ہندو اور مسلمانوں کو اپنی "دو آنکھیں" قرار دیا۔ اور ان کے دور میں ہندو اور مسلمان شیر و شکر کی طرح زندگی گذارتے رہے۔ اسکے بعد جمہوری دور کا آغاز ہوا اور سیاسی کروٹ کے باوجود ہمارے تہذیبی رشتے قائم و دائم رہے۔ اسی بناء پر حیدرآباد کو ایک کاسمو پولیٹین شہر کی حیثیت حاصل رہی۔ اتر پردیش، پنجاب، مہاراشٹرا، مدراس اور کرناٹک کے لوگ یہاں آئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ اس طرح ہندوستان کا ملا جلا کلچر اس ریاست کی ایک لازوال دولت بنا رہا۔

آندھرا پردیش کی تشکیل کے بعد سے آج تک ہماری ریاستی حکومتوں نے اپنی پالیسیوں اور پروگراموں کو فرقہ پرستی اور لسانی تعصب سے دور رکھا لیکن افسوس کی بات ہے کہ ادھر چند برسوں سے سارے ملک میں اور خود ہمارے شہر میں فرقہ پرست طاقتیں سر ابھارنے لگی ہیں۔ کچھ مفاد پرست عناصر اس بات

کے خواہاں ہیں کہ ہمارا ملک اور ہماری ریاست کمزور ہوجائے اسلئے وہ اس گلدستہ کو منتشر کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ ان مٹھی بھر افراد کو اپنے ذاتی مفادات عزیز ہیں۔ اسلئے وہ معصوم عوام کے درمیان مذہب، زبان اور علاقہ کی دیواریں کھڑی کرنا چاہتے ہیں تاکہ ہماری ریاست پسماندہ ہوجائے یہ عناصر جانتے ہیں کہ قومی انتشار ہی وہ واحد طریقہ ہے جس سے ترقی اور خوشحالی کو دور کیا جاسکتا ہے۔ ہمیں ان فرقہ پرست قوتوں کا بھرپور مقابلہ کرنا ہے۔ اور اسکے لئے حکومت کے ساتھ ساتھ عوام کے سنجیدہ اور صاف ذہن افراد کو آگے آنا چاہیئے۔ وزیراعظم شری راجیو گاندھی نے بھی متعدد بار یہ واضح اعلان کیا ہے کہ اس ملک میں فرقہ پرستی کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔

چیف منسٹر آندھرا پردیش مسٹر این ٹی راما راؤ بھی اس بات کے خواہاں ہیں کہ یہ ریاست فرقہ وارانہ اتحاد کی اپنی اعلیٰ روایتوں کی پاسبانی کرتی رہے۔ آج ایک دوسرے کے مذہب کا مطالعہ، شخصی تعلقات، شہری کمیٹیوں کی تشکیل، محلہ داری اساس پر تہذیبی سرگرمیاں اور قومی یکجہتی کے لیے کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کے ذریعہ رائے عامہ کو ہموار کیا جاسکتا ہے۔ ریاست میں مختلف تنظیمیں اور ادارے اس سلسلہ میں متحرک ہیں۔ مرکزی حکومت کی تشکیل کردہ قومی یکجہتی کونسل کی سفارشات کو روبہ عمل لانے کے لیے رضاکارانہ ادارے سرگرم عمل ہیں۔ یہ لائق ستائش اقدام ہے کہ ان ہی اداروں میں یونائیٹیڈ ہندو مسلم فرنٹ کا نام بھی آتا ہے۔ جس نے گذشتہ ۲۰ برسوں سے ہندو مسلم اتحاد کی سرگرمیوں کو جاری رکھا ہے۔ ہرسال یونٹی ایوارڈس کے ذریعہ ان شخصیتوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے جنہوں نے مختلف شعبوں میں اس بنیادی تصور کو عام کرنے کا بیڑہ اٹھایا ہے اور انہیں کامیابی بھی ہوئی ہے چنانچہ ۱۹۶۶ء سے ہرسال یہ ایوارڈ باقاعدہ دیئے جاتے ہیں۔ چنانچہ اب تک متعدد ممتاز اور سرکردہ شہریوں کو یہ ایوارڈس عطا کئے جاچکے ہیں۔ شریمتی بی سروجنی پلا ریڈی سابق ریاستی وزیر کو ۱۹۶۶ء میں سابق چیف منسٹر مسٹر کے برہما نند ریڈی کو ۱۹۶۷ء میں اور سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خاں کو ۱۹۷۰ء میں یہ ایوارڈ دیا گیا۔ ۱۹۷۱ء میں یہ ممتاز یونٹی ایوارڈ آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی کو پیش کیا گیا۔ ۷۴-۱۹۷۲ء میں مسٹر ہیم وتی نندن بہوگنا سابق چیف منسٹر اترپردیش کو، مسٹر جے وینگل راؤ سابق چیف منسٹر آندھرا پردیش اور مسٹر دیوراج ارس سابق چیف منسٹر کرناٹک کے علاوہ ڈاکٹر ایم چنا ریڈی سابق چیف منسٹر مسٹر سیھدرا جوشی ایم پی اور پروفیسر علی محمد خسرو کو بھی یہ یونٹی ایوارڈ دیئے گئے۔ علاوہ ازیں سال ۱۹۷۵ء کے لیے یونٹی ایوارڈ مسٹر ایس بی چوہان سابق چیف منسٹر مہاراشٹرا موجودہ مرکزی وزیر داخلہ، مسٹر پی جگن موہن ریڈی سابق جج سپریم کورٹ کو قومی یکجہتی اور تعلیم کے میدان میں ان کے گرانقدر خدمات کے صلہ میں عطا کئے گئے۔

جناب عارف الدین سلیم جنرل سکریٹری فرنٹ و ایڈیٹر نیوز ٹرسٹ آف انڈیا ابتدا سے آج تک فرنٹ کی ترقی کے لیے اپنی بھرپور خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اتحاد اور یکجہتی کے لیے اور فرنٹ کی سرگرمیوں کو بامقصد بنانے کے لیے تمام شعبہ حیات سے تعلق رکھنے والے ممتاز اصحاب و خواتین کو ان کے اعتراف خدمات کے صلہ میں یونٹی آنرس دیئے جاتے ہیں۔

شری بجرنگ پرشاد اس فرنٹ کے پہلے صدر رہ چکے ہیں۔ ان دنوں جناب ایس احمدی اس فرنٹ کے صدر ہیں۔ اس فرنٹ کا افتتاح ۱۹۶۵ء میں شہرآفاق فلمی کیریکٹر ایکٹر پرتھوی راج کپور کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ اس افتتاحی تقریب کی صدارت نامور ادیب جناب خواجہ احمد عباس نے کی۔

۱۹۸۴ء کے لیے یونٹی ایوارڈس ۱۳ اپریل کو جوبلی ہال میں ریاستی گورنر ڈاکٹر شنکر دیال شرما کے ہاتھوں دیئے گئے۔ جن شخصیتوں کو ایوارڈ کے لیے منتخب کیا گیا ان میں محترمہ محسنہ قدوائی مرکزی وزیر صحت، ملک کے سرکردہ صحافی جناب عابد علی خاں ایڈیٹر روزنامہ سیاست ہیں۔ ان کے علاوہ ہند عرب تعلقات کو صحافت کے ذریعہ استوار کرنے کے سلسلہ میں روزنامہ رہنمائے دکن کے چیف ایڈیٹر جناب سید وقار الدین کو یاسر عرفات ایوارڈ، کرکٹ کھلاڑی محمد اظہرالدین کو معین الدولہ ایوارڈ دیئے گئے اس کے علاوہ زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے اہم حضرات و خواتین کو یونٹی ایوارڈز پیش کئے گئے جن میں چند قابل ذکر شخصیتیں یہ ہیں۔ شری پی وی آر کے پرشاد آئی اے ایس سابق کمشنر اطلاعات، جناب عابد صدیقی اسسٹنٹ انفارمیشن آفیسر پی آئی بی، ڈاکٹر سید علی ماہر کینسر، ڈاکٹر سید غوث الدین ماہر علاج پولیو، جناب صلاح الدین نیر، مسٹر شتندر شرما، ممتاز آرٹسٹ شاہ علی، مشہور فوٹوگرافر ایم اے رحیم، جناب وسیم احمد ایڈوکیٹ اور محترمہ طیبہ بیگم وغیرہ ▲▲

عابد صدیقی

اقبال کی شاعری میں حب الوطنی اور ہندی تہذیب

اقبال ملک ہند کے عظیم المرتبت شاعر تھے ان کی شاعری اور فلسفیانہ تصورات میں ہندستانی تہذیب و تمدن کے عناصر اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ وہ ہندستان میں پیدا ہوئے اور اپنے وطن کے ذرہ ذرہ سے انہوں نے بے پناہ محبت کی ہے اس کا ثبوت ان کی شاعری اور ان کے افکار سے ملتا ہے۔ وطن سے محبت ایک فطری جذبہ ہے اور اقبال کے نزدیک یہ ایک شریفانہ انسانی جذبہ ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ وطن سے ان کی وابستگی ہر دور میں قائم رہی چنانچہ زندگی کے آخری ایام میں بھی وطن کی محبت نے انہیں غافل نہیں رکھا چنانچہ مولانا حسین احمد مدنی کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ "ہم سب ہند کے ہیں اور ہندی کہلاتے ہیں کیونکہ ہم کرۂ ارض کے اس حصے میں بود و باش رکھتے ہیں جو ہند کے نام سے موسوم ہے۔ ہر انسان فطرۃً اپنی جنم بھومی سے محبت کرتا ہے اور بقدر اپنی بساط کے اس کے لیے قربانی کرنے کو تیار رہتا ہے۔ وطن کی محبت انسان کا ایک فطری جذبہ ہے جس کی پرورش کے لیے اثرات کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔"

اقبال کو اپنے وطن عزیز سے ایک سچے محب وطن کی طرح پیار تھا۔ ان کے نزدیک وطن اور حب وطن کی حیثیت زمین اور درخت کی نہیں تھی کیونکہ درخت زمین میں پیوست رہتا ہے اور زمین سے لگا ہوا رہتا ہے اقبال کے نزدیک وطن اور اس کے باشندے کی حیثیت مشرق اور آفتاب کی ہے آفتاب مشرق سے طلوع ہوتا ہے اس کو مشرق سے ربط و نسبت ہے یعنی مشرق اس کا وطن ہوا لیکن وہ اپنے وطن کا ہو کر نہیں رہتا بلکہ افق در افق ساری دنیا میں نور پھیلاتا ہے۔ اس بات سے واضح ہوا کہ اقبال کی وطنیت ان کے آفاقی تصور کی ضد نہیں تھی بلکہ اس کی ترقی یافتہ صورت تھی اکثر یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ اقبال بعد میں وطنیت کے خلاف ہو گئے تھے ایسا نہیں ہے اور نہ ہی اس سے ان کی وطن پرستی پر شبہ کیا جا سکتا ہے۔ جواہر لال نہرو کی وطن پرستی ہر طرح کے شبہ سے بالاتر ہے لیکن انہوں نے بین الاقوامیت کے تصور کو بڑھاوا دینے کے سلسلے میں جو نمایاں کارنامے انجام دیئے — کیا ان سے ان کی وطن پرستی پر کوئی حرف آ سکتا ہے!

سنہ ۱۹۰۵ء میں ابھی کانگریس کے سرکردہ قائدین قومی تحریک کا پہلو کر رہے تھے جب کہ اقبال کے قومی تصورات کی روشنی پہلے ہی ملک بھر میں پھیل چکی تھی۔ یہ دور مادر وطن سے ان کی شدید وابستگی کا آئینہ دار ہے انہوں نے حب الوطنی اور قومی اتحاد و یکجہتی کے تصورات کو انتہائی موثر اور دلنشین پیرایہ میں بیان کیا جس سے ہر ذی شعور ہندستانی کے دل میں وطن سے محبت کے ایک شدید جذبہ کی کسک جاگ اٹھتی ہے اس طرح اقبال کو ہندستان کی آزادی اور آبرو کا اتنا ہی خیال تھا جتنا کہ اتحاد کے بڑے بڑے علمبرداروں کو ہو سکتا تھا۔

انہیں غیرت دلانے اور خودی کا جام پلانے میں اقبال کا اصل مقصد یہ تھا کہ وہ اپنی اور اپنے دیس والوں کی فکر میں ہندوستان کو آزاد کرائیں۔

ان کی مشہور نظمیں "ہمالہ" پرندے کی فریاد، نیا شوالہ، ہندوستانی بچوں کا قومی گیت، صدائے درد، ترانہ ہندی اور تصویرِ درد اسی عہد کی دین ہیں۔

انہوں نے اپنے پہلے مجموعہ کلام "بانگ درا" کا آغاز "ہمالہ" سے کیا ہے۔ ہمالہ ہندوستانی تہذیب و تمدن کی عظمت اور رفعت کی علامت ہے یہ عظیم سلسلہ ہائے کوہ ہماری شاندار روایتوں تہذیبی قدروں اور عظمت رفتہ کا امین ہے۔ آسمانوں کو چھوتی ہوئی سدھانیت ہمالیہ کے روپ میں اس کی عظمت کے نقوش کو مرتسم کرتی ہے ؎

اے ہمالہ اے فصیل کشور ہندوستاں
چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں

حب الوطنی کے جذبہ سے سرشار ہو کر اقبال نے ہمالہ کو کوہ سینا سے برتر موقف دیا ہے وہ کہتے ہیں ؎

ایک جلوہ تھا کلیم طور سینا کے لیے
تو تجلی ہے سراپا چشم بینا کے لیے

ایک اور شعر میں انہوں نے ہندوستان کی جغرافیائی وحدت کو متعین کیا ہے ؎

امتحان دیدہ ظاہر میں کوہستاں ہے تو
پاسباں اپنا ہے تو دیوار ہندوستاں ہے تو

اس بند کے ایک اور شعر میں اقبال ہمالیہ کی چوٹیوں پر جمی برف کی دستارِ فضیلت سے تعبیر کرتے ہیں جو ایک طرح سے مادر وطن کی قدیم علمی فضیلت کا اعتراف ہے۔ انہوں نے ہمالیہ کے ذریعہ ہندوستان کی قدیم تہذیبی و تاریخی قدروں روحانی عظمت اور قدامت پسندی کو اپنے مخصوص شاعرانہ لب و لہجہ میں سمجھانے کی کوشش کی ہے ؎

اے ہمالہ داستاں اس وقت کی کوئی سنا
مسکن آبائے انساں جب بنا دامن تیرا

کچھ بتا اس سیدھی سادھی زندگی کا ماجرا
داغ جس پر غازہ رنگ تکلف کا نہ تھا
ہاں دکھا دے اے تصور پھر وہ صبح شام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

جب انگریزوں نے ہندوستان پر اپنا تسلط جمایا اور سارا ملک غلامی اور محکومی کی زنجیروں میں سسکنے لگا تھا ایسے وقت ضرورت اس بات کی تھی کہ اس تسلط اور ظلم و جبر کے خلاف آواز اٹھائی جائے اور جذبۂ آزادی ہر دل کی دھڑکن بن جائے چنانچہ اقبال نے بھی آزادی کا خواب دیکھا تھا۔ غلامی سے نفرت اور آزادی کی ایک بے چین آرزو نے ان سے پرندے کی فریاد، لکھوائی جس میں آزادی کے اسی شدید جذبے کی پرچھائیاں ملتی ہیں۔ پرندے کی تمثیل کے ذریعہ اقبال ایک محکوم قوم کی حالتِ زار بیان کر رہے ہیں جسے ظالم صیاد یعنی انگریزوں نے آزادی کی نعمت سے محروم کر دیا ہے پھر وہ ان آزاد قوموں سے اپنا مقابلہ کرتے ہیں جو آزادی کی لذتوں سے بہرہ ور ہیں۔ اس نظم میں ALLEGARY کا رنگ موجود ہے لیکن غلامی و آزادی کا ایک واضح تصور بھی ابھرتا ہے۔ ہندوستانی قوم کے احساسات کو پرندہ کی زبان دی گئی ہے ان کی یہ نظم بڑی حد تک تحریک آزادی کے اس ابتدائی دور کی عکاسی کرتی ہے جو دعاؤں اور التجاؤں کا دور سمجھا جاتا تھا۔ اقبال کی اس نظم کو ہندوستان کی تحریک آزادی کی علامت قرار دیا جا سکتا ہے۔ فنی اعتبار سے بھی یہ بڑی خوبصورت نظم ہے۔ اس کے علاوہ اقبال نے ساقی نامہ میں اشاراتی پیرایہ میں ہندوستانی قوم کی بیداری اور آزادی کے حصول کے لیے ان کی جدوجہد کو بیان کیا ہے۔

سن ۱۹۱۹ء میں جلیان والا باغ کے دردناک منظر سے اقبال تڑپ اٹھے انہوں نے ہندوستانی عوام کو سامراج کے ہتھکنڈوں اور ظلم و جبر سے خبردار کرتے ہوئے شہیدوں کو منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔

ہر زائرِ چمن سے یہ کہتی ہے خاکِ باغ
غافل نہ رہ جہاں میں گردوں کی چال سے

سینچا گیا ہے خونِ شہیداں سے اس کا تخم

تو آنسوؤں کا بخل نہ کر اس نہال سے

ب گاندھی جی حکیم اجمل خاں وغیرہ جیسی عظیم شخصیتوں نے وطن کی آزادی
ے لیے جیل کی صعوبتوں کو برداشت کرنے پر خوشنودی ظاہر کی تو اقبال
س جذبہ سے بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے وطن کے ان عظیم سپوتوں کو
س طرح اپنا نذرانہ عقیدت پیش کیا کہ ؎

ہر کسی کی تربیت کرتی نہیں قدرت مگر

کم ہیں وہ طائر کہ ہیں دام و قفس سے بہرہ مند

شہپر زاغ و زغن در بند قید و صید نیست

این سعادت قسمت شہباز و شاہین کردہ اند

اقبال نے اس ملک کے ذرہ ذرہ سے پیار کیا ہے اور جہاں
ہیں عظمت رفعت اور حسن جلیل و حسن جمیل کی پرچھائیاں نظر آئیں وہاں ان
ا دل فرط مسرت اور وفور محبت سے جھوم اٹھا چنانچہ ان کی نظر میں خاک
طن کا ہر ذرہ دیوتا ہے اور ہند کی ماہ سماوں والی بات انہیں یورپ میں
ی نظر آئی۔ اسی طرح جغرافیائی وطنیت کے جذبہ کی شدت اور ان کے والہانہ
نداز کی کارفرمائی ہمیں ترانہ ہندی میں ملتی ہے۔ اس ترانہ نے سرفروشانِ
زادی کے حوصلوں کو آہنی طاقت بخشی تھی اور دلوں کو گرمانے کا کام کیا تھا۔
شتر نقادوں کا خیال ہے کہ ہندوستان کی کسی بھی زبان میں اس درجہ قومی
حساس کی حامل نظم نہیں لکھی گئی۔ یہی خصوصیت تھی کہ اقبال کا یہ ترانہ ہماری
ومی شاعری کے اعلیٰ ترین نمونوں میں شامل کیا گیا ہے۔ وطن سے اس درجہ
عقیدت اور وابستگی کا یہ احساس اقبال کی ہندوستانیت پسندی کا مظہر ہے
وہ لکھتے ہیں۔

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

بلبل کو گلستاں سے جو نسبت ہے وہ کسی توضیح کی محتاج نہیں ہے ہندوستان
کے لیے گلستاں اور ہندوستانیوں کے لیے بلبل کا استعارہ اقبال کی شاعرانہ
عظمت کی دلیل ہے اس نظم کا ہر شعر مادر ہند سے ان کی گہری اور اٹوٹ نسبت
کی عکاسی کرتا ہے وہ کہتے ہیں کہ یونان روم اور مصر کی ساری قدیم تہذیبیں
مٹ چکی ہیں لیکن ہندوستانی تہذیب کی عظمت اور اس کی بلندی کا نام و نشان
ابھی تک باقی ہے۔

اقبال ہند کی گنگا جمنی تہذیب کے پرستار تھے انہوں نے مذہب
کو ایک عظیم قوت سے موسوم کیا ہے جو اختلافات اور نفاق نہیں بلکہ محبت
اور یکجہتی کا درس دیتا ہے۔ ہمارا مذہب خواہ کچھ ہو لیکن یہاں ہماری ہندوستانیت
ہمیں ایک دھاگے میں پروئے رکھتی ہے اسلئے ہر شہری کے دل میں یہ احساس
جاگزیں رہے کہ ہم ہندی ہیں اور ہمارا وطن ہندوستان ہے۔ اقبال کا یہ شعر
سیکولرازم کے تصور کی بنیاد قرار دیا جا سکتا ہے کہ ؎

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا

ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

اقبال نے وطن کی ہر عظمت کو سلام کیا ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں وطن کے
ہر ہر پیکر کو سمو دیا ہے اور پھر ان کی یہ محبت بے وجہ نہیں ہے۔ وہ ایک باشعور انسان
ہیں جن کی وابستگیاں جذبات کی بنیاد پر نہیں بلکہ اس وطن کی وہ خصوصیات
اور اعلیٰ قدریں ہیں جو اس وابستگی کے لیے بنیاد بنتی ہیں۔ ہندوستانی بچوں
کے قومی گیت میں وطن سے وابستگی کا جواز استدلالی انداز میں مل جاتا ہے کہ حضرت محمد
صلی اللہ علیہ وسلم نے جس ملک کی جانب سے ٹھنڈی ہوا آتی ہوئی محسوس کی تھی
جہاں حضرت [illegible] نے ہمارا کا پیغام سنایا تھا اور جس ملک
میں گرونانک نے وحدت الٰہی کو عام کیا تھا [illegible] شاعر کا وطن 'ہندوستان'
ہے۔ اس ملک نے دنیا کو اپنے علم و ہنر سے اس قدر فیض یاب کیا کہ یونانی بھی
ہندوستان کی علمی برتری پر حیران و ششدر رہ گئے۔ اس نظم میں اقبال نے ہندوستان
کی حقیقی تصویر کو شاعرانہ لب و لہجہ عطا کیا ہے اور آخر میں جس خوبی سے انہوں
نے اپنے وطن کی محبت کو ایک [illegible] ظاہر کیا ہے کہ اس کی مثال نہیں ملتی' وہ
کہتے ہیں۔

جنت کی زندگی ہے جس کی فضا میں جینا

اسی طرح نیا شوالہ، صدائے درد اور تصویرِ درد بھی مادرِ وطن سے ان کی والہانہ محبت کی مثالیں ہیں جس میں ہندوستانی تمدن کی جھلکیاں اور ہمارے عظیم قومی و مذہبی روایات کی تجلیاں ملتی ہیں اس بیش قیمت تہذیبی ورثہ سے اقبال کی وابستگی ان کے عظمت کردار کا زندہ جاوید ثبوت ہے۔

اقبال نے ہندوستان کو قومیتِ اسلام کے لیے فارس و شام پر ترجیح دی ہے اور دہلی کو خانقاہِ عظمت اسلام سے موسوم کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

سرزمین دلی کی مسجودِ دلِ غم دیدہ ہے
ذرہ ذرہ میں لہو اسلاف کا خوابیدہ ہے
پاک اس اجڑے گلستاں کی نہ ہو کیونکر زمیں
خانقاہِ عظمتِ اسلام ہے یہ سرزمین
ہے اگر قومیتِ اسلام پابندِ مقام
ہند ہی بنیاد ہے اس کی نہ فارس ہے نہ شام

۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء کے دوران اقبال یورپ میں مقیم رہے لیکن وطن کی یاد سے بیگانہ نہیں رہے دِلّی کو یاد کرتے ہیں کہ ؎

سوادِ رومۃ الکبریٰ میں دِلّی یاد آتی ہے
وہی عبرت، وہی عظمت وہی شانِ دلآویزی

دہلی کے علاوہ اقبال نے کشمیر کو بھی اپنا خراجِ تحسین ادا کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

تنم گلے زخیابانِ جنتِ کشمیر
دلی از حریمِ حجاز و نوا ز شیراز است
مرا بنگر کہ در ہندوستاں دیگر نمی بینی
برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریز است

لیکن انہوں نے کشمیر کی مفلسی اور غربت پر آنسو بھی بہائے ہیں۔

آج جو کشمیر ہے مجبور و محکوم و فقیر
کل جسے اہلِ نظر کہتے تھے ایرانِ صغیر

یہ بات کافی دلچسپ ہے کہ کشمیر کی سیاسی زندگی پر اقبال کی شخصیت کا بھی کافی اثر ہوا ہے۔ نیشنل کانفرنس کی تشکیل میں اقبال کے مشورے شامل تھے

چنانچہ ابتدا میں کشمیر کی سیاسی تنظیم صرف مسلمانوں تک محدود رہی اور اس کا نام مسلم کانفرنس رکھا گیا لیکن اقبال نے شیخ عبداللہ مرحوم کو مشورہ دیا تھا کہ تاوقتیکہ دوسرے طبقے بھی ان کی تحریک سے وابستہ نہ ہو جائیں اس کی کامیابی کے امکانات موہوم رہیں گے اور اس کے بعد ہی مسلم کانفرنس کا نام تبدیل کر کے نیشنل کانفرنس رکھا گیا پھر کشمیر کے ہندو مسلم عوام نے مل کر جاگیردارانہ نظام اور سامراجیت کی ریشہ دوانیوں کے خلاف آواز اٹھائی اس جدوجہد نے اقبال کے اشعار سے وجدان حاصل کیا تھا۔ ۱۹۴۶ء میں برطانوی وزارتی مشن سے بات چیت کے سلسلہ میں یہ تجویز رکھی گئی تھی کہ نواب یار جنگ کے بجائے کانفرنس کے نمائندے اس بات چیت میں حصہ لینگے۔ اس وقت بعض گوشوں سے اختلاف کیا گیا تھا لیکن عبداللہ کی قیادت میں کانفرنس نے "کشمیر چھوڑ دو" کا نعرہ بلند کیا تھا یہ نعرہ دراصل اقبال کے ان اشعار سے اخذ کیا گیا تھا جس میں اقبال نے لیگ آف نیشنز سے خطاب کیا تھا۔

اقبال نے ہندوستانی عوام میں آزادی کی لگن پیدا کی ہندوستانیوں کی جہالت، پسماندگی، محنت سے گریز توہم پرستی، تقلیدی رجحانات اور تنگ نظری انہیں خون کے آنسو رلاتی تھی انہوں نے اپنی نظم "شعاعِ امید" میں انتہائی ایمائی انداز اختیار کرتے ہوئے ملک کی حقیقی تصویر پیش کی ہے مذہبی قایدین کی غفلت اور فرائضِ منصبی سے گریز، غرض کئی خامیوں کی اس نظم میں نشاندہی کی گئی ہے۔

اک شوخ، کرن شوخ مثالِ نگہِ حور
آرام سے فارغ، صفتِ جوہرِ سیماب
بولی کہ مجھے رخصتِ تنویر عطا ہو
جب تک نہ ہو مشرق کا ہر اک ذرہ جہاں تاب
چھوڑوں گی نہ میں ہند کی تاریک فضا کو
جب تک نہ اٹھیں خواب سے مردانِ گراں خواب

وطن سے عقیدت و محبت کا عالم شدت اختیار کر جاتا ہے اور ان کی نظر میں سرزمینِ ہند خاور کی امیدوں کا مرکز بن جاتی ہے جس کی مٹی کو وہ اپنے اشکوں سے سیراب کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ دنیا ہی کو نہیں بلکہ چشمِ مہ و پروین کو بھی

ہندوستان سے روشنی ملی ہے اس سرزمین سے فواص معانی پیدا ہوئے ہیں جن کی عظمت کی مثال نہیں ملتی ان ہی احساسات کو اقبال نے نظم کا خوبصورت اور لطیف پیرہن دیا ہے۔

خاور کی امیدوں کا یہی خاک ہے مرکز
اقبال کے اشکوں سے یہی خاک ہے سیراب
چشم مہ و پرویں ہے اسی خاک سے روشن
یہ خاک کہ ہے جس کا خزف ریزہ دُرِ ناب
اس خاک سے اٹھے ہیں وہ غواص معانی
جن کے لیے ہر بحر پر آشوب ہے پایاب

اور آخر میں ہندوستان کی حالت زار بیان کرتے ہیں کہ اتنی عظمت و رفعت کے باوجود ملک کے عوام غفلت اور بے آسودگی کا شکار ہیں۔

جس ساز کے نغموں سے حرارت تھی دلوں میں
محفل کا وہی ساز ہے بیگانۂ مضراب

مذہبی علماء کا یہ حال ہے کہ انہیں قوم و ملک کی اصلاح کی کوئی فکر دامن گیر نہیں ہے بلکہ ان کی حالت تو یہ ہے کہ ؎

بت خانہ کے دروازے پہ سوتا ہے برہمن
تقدیر کو روتا ہے مسلماں تہ محراب

اقبال نے مزید ہندی کی حیثیت سے خود کو پیش کیا ان کی یہ نسبت دراصل ہندوستان سے تھی اور انہوں نے دیگر نسبتوں کے مقابلہ میں اپنے ہندی ہونے کو اہمیت دی بلاشبہ اقبال نے اپنے افکار نظریات اور جذبہ و احساس کے ذریعہ ثابت کر دکھایا کہ ہندوستان سے ان کی وابستگی کتنی اٹوٹ اور کس قدر مستحکم ہے یہ تعلق اور یہ عقیدت ایک عہد تک محدود اور مخصوص نہیں رہی بلکہ ہمیشہ انہوں نے اپنے وطن کی فکر کی اور ایک سچے محب وطن کی حیثیت سے اس ملک کی تعمیر نو میں حصہ لیا۔ ہندوستان اور ہندوستانی عوام پر اقبال کے احسانات ناقابلِ فراموش ہیں ان کی وطن دوستی اور ہندوستانیت پسندی آج بھی ہمارے لیے مینارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔ ▲▲

ایم۔ اے۔ محمود

22-2-41 نور خان بازار حیدرآباد 500024

بین الاقوامی سیاحت اور آندھرا پردیش

گذشتہ دو دہوں میں سیاحت دنیا کی عظیم ترین صنعت کی حیثیت سے اُبھر کر آئی ہے اور خاص بات یہ ہے کہ یہ انتہائی تیزی کے ساتھ بڑھتی ہوئی صنعت ہے۔ اسے بجا طور پر ایک تجارتی اور ثقافتی سرگرمی کا درجہ دیا گیا ہے۔ سیاحت ایک غیر مرئی برآمدی شئے ہے جو ترقی کے زبردست امکانات رکھتی ہے اور گہری توجہ کی مستحق ہے۔

بدقسمتی سے ہندستان میں سیاحت پر ایک موضوع کی حیثیت سے بحث زیادہ کی جاتی ہے لیکن عمل بہت کم کیا جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہر فرد ایک امکانی مسافر کی حیثیت رکھتا ہے اسلئے سفر اور سیاحت ایک ایسا موضوع ہے جس میں ہر شخص کے لیے کچھ نہ کچھ دلچسپی اور کشش موجود ہے لیکن اس کے باوجود ہمارے ذہنوں میں اسے کافی اہمیت نہیں دیگئی۔ اور ہماری ترجیحات میں اسے بہت بعد کا مقام دیا گیا ہے۔

سیر و تفریح کے مقصد سے کئے جانے والے سفر نے دوسری عالمی جنگ کے بعد ہی اہمیت اختیار کی ہے۔ ساری دنیا میں بیرونی زر مبادلہ کا دار و مدار زیادہ تر سیاحت پر ہی ہے یہ بھی کسی ملک کی آمدنی کا ایک اہم جز ہے جو معاشی ترقی کے لیے نہایت ضروری ہے۔ جنگ کے بعد کے دور میں بہت سے ممالک نے بین الاقوامی سیاحت کو ترقی دیتے ہوئے اپنے تجارتی عدم توازن کو دور کر لیا اور بیرونی زر مبادلہ کے اپنے نازک موقف پر قابو پالیا ہے۔ اسپین، اٹلی اور یونان کے معاشی ڈھانچے میں سیاحت کے ذریعہ ہونے والی آمدنی کا اہم کردار ہے۔ کئی ملکوں کے بیرونی قرضہ جات کی ادائی میں بین الاقوامی سیاحت سے قابل قدر مدد ملی ہے۔ سیاحت نے بعض ایسے ملکوں کی معیشت میں رنگا رنگی پیدا کر دی ہے جن کی برآمدات صرف ایک یا دو اشیاء تک محدود تھی۔ اب یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ سیاحت ایک بڑی برآمدی صنعت (EXPORT INDUSTRY) ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ایک خدمتی صنعت (SERVICE INDUSTRY) بھی ہے۔ اسلئے یہ ملک کو کسی لازمی جنس کی برآمد کے فوائد سے محروم نہیں کر دیتی ہے اس لئے اس مخصوص برآمدی صنعت کی ترقی کی خاطر مقامی آبادی کو کوئی قربانی دینی نہیں پڑتی ہے۔

بین الاقوامی سیاحت بیرونی زر مبادلہ کے ایک بڑے ذریعہ کی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ اسکی اہمیت جاریہ زائد کے نظریہ پر مبنی ہے۔ اس نظریہ کے مطابق کم ترقی یافتہ ملکوں میں بیرونی سیاح جو رقم خرچ کرتے ہیں اس سے ۳۶۲ تا ۳۶۳ گنی مالیت کی معاشی سرگرمی کا باعث ہوتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں ایک سیاح جو رقم خرچ کرتا ہے وہ خود اپنی جگہ مکمل معاملت نہیں ہوتی بلکہ عملی طور پر ایک مزید معاشی سرگرمی کو جنم دیتی ہے کیونکہ یہ معیشت میں زیر گشت آجاتی

غیر ترقی یافتہ ملکوں کے لیے یہ بات خصوصی اہمیت رکھتی ہے کہ سیاحت کی ترقی مجموعی معاشی ترقی کے امکانات کو اجاگر کر دیتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ بہت سی ذیلی اور امدادی صنعتوں کے فروغ میں مدد و معاون ہوتی ہے۔ سیاحتی مراکز کی ہمہ جہتی ترقی، ہوٹلوں کی تعمیر، ٹرانسپورٹ اداروں کی ترقی، دستکاری مصنوعات کی ترقی، تفریحی شعبوں میں فن کاروں کی حوصلہ افزائی۔ ان بے شمار سرگرمیوں کے چند پہلو ہیں۔ جن کو سیاحت کے جلو میں فروغ حاصل ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا صنعتوں کے علاوہ، صنعت سیاحت ایک ایسا شعبہ ہے جس میں جدید کاری کی وجہ، خود کاری اور روزگار کے مواقع کی تخفیف واقع نہیں ہوتی بلکہ یہ کثیر تعداد افراد کے لیے روزگار کے دروازے کھول دیتی ہے۔ مثال کے طور پر ہوٹل جتنی بڑی ہوگی اس میں مامور کیے جانے والے افراد کی تعداد بھی اتنی ہی زیادہ ہوگی۔

سیاحت ایک مزدور نما صنعت ہے اور ہندوستان جیسے ملک میں روزگار کے جو وسیع امکانات اس میں موجود ہیں وہ نہ صرف عام معاشی ترقی میں اضافہ کا باعث ہوں گے بلکہ ان لوگوں کو بھی خوش حال بنا سکتے ہیں جو اس میں نفع بخش روزگار سے لگے ہوئے ہیں۔ اس میدان میں تعلیم یافتہ بے روزگار افراد کے لیے بھی نہایت حوصلہ افزا امکانات ہیں۔

بدقسمتی سے سیاحت کو اکثر وہ سلوک حاصل نہیں ہوتا جس کی یہ مستحق ہے کیونکہ یہ کوئی واحد صنعت نہیں ہے بلکہ اس سے وابستہ شعبوں کی فہرست بہت طویل ہے جیسے ہوٹل کی صنعت سے لیکر ایرلائنس، ٹراول ایجنسیاں اور ٹورسٹ کاروں کے مالکین تک شامل ہو جاتے ہیں۔ اس طرح اس کے مجموعی دائرہ کار کو زیر غور لانے سے ہی سیاحت کی حقیقی اہمیت محسوس ہو سکتی ہے۔ اور اس کے امکانات سے بھرپور استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ بالفاظ دیگر صرف اسی صورت میں جبکہ سیاحت کو ہماری معیشت میں اس کا مستحقہ اہمیت حاصل ہو جائے۔ ملک کے تمام علاقے اپنے یہاں سیاحتی امکانات کو معقول حد تک ترقی دے سکیں گے۔ اس پس منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ بین الاقوامی سیاحت کے مقابلہ میں آندھرا پردیش کا مظاہرہ کیا رہا ہے۔

۱۹۸۳ء میں ایک سروے عمل میں لایا گیا تھا جس سے ظاہر ہوا کہ سال زیر بحث میں حیدرآباد میں سیاحوں کی آمد، ہندوستان آنے والے سیاحوں کی جملہ تعداد کا ۱۲ء۳ فیصد رہی۔

ریاست آندھرا پردیش سیاحوں کے لیے گوناگوں دلچسپیاں اور کشش رکھتی ہے۔ حیدرآباد آنے والے سیاح اس شہر کو اپنا مرکز بنا کر ورنگل، پالم پیٹ کے راما مندر تک کی سیاحت کرتے ہیں۔ اور ناگار جن کنڈہ اور اس سمت کے دوسرے مقامات کے بھی دورے کر سکتے ہیں۔ رتنا گیری پہنچنے والے سیاح کے لیے بھیمی پٹنم کا سفر بھی نہایت پرکشش ہوتا ہے۔ ہندوستانی نژاد بیرونی سیاحوں کے لیے جو کثیر تعداد میں ہندوستان سیاحت کیلئے آتے ہیں تروپتی، سری سیلم، سمہا چلم اور دیگر کئی متبرک مقامات بھی پرکشش ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح لیپاکشی، ہارسلے ہلز بنگلور سے آنے والے شائقین کے لیے بھی قابل سیاحت مقامات ہیں۔ عالم پور، امراوتی اور دوسرے کئی مقامات آثار قدیمہ کے نقطۂ نظر سے زبردست اہمیت رکھتے ہیں۔ اسلئے آندھرا پردیش کو بین الاقوامی سیاحت کا مرکز بنانے کے کافی امکانات ہیں۔ اس کو ترقی دینے کیلئے مندرجہ ذیل اقدامات پر غور کیا جا سکتا ہے۔

(۱) اولاً حیدرآباد کو کسی سیاحتی فضائی راستے سے مربوط کیا جانا چاہیے مثلاً بمبئی تا اورنگ آباد کی پرواز کو حیدرآباد تک بڑھایا جا سکتا ہے۔ تاکہ بمبئی پہنچنے والے سیاح اپنے سیاحتی راستے کے ایک جز کی حیثیت سے حیدرآباد کا بھی دورہ کر سکیں۔

(۲) دوسرے یہ کہ طیاروں اور ریل گاڑیوں میں نشستوں کی تعداد میں اضافہ ہونے تک آندھرا پردیش کی پڑوسی ریاستی حکومتوں نیز ٹورازم کارپوریشن آندھرا پردیش کو چاہیے کہ وہ ایرکنڈیشن آرام دہ گاڑیوں کے ذریعہ آندھرا پردیش کے تمام علاقوں تک سیاحوں کے اجتماعی دوروں کے انتظامات پر غور کریں اور انہیں ممکن بنائیں حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان میں مستقل ٹرانسپورٹ ایرکنڈیشن آرام دہ گاڑیوں کے ذریعہ ہی انجام پاسکے گا کیونکہ سیاح اسی ذریعہ سفر کو بے حد پسند کرتے ہیں اور اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں کیونکہ انہیں راستے میں دیہی اور قدرتی مناظر کو دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔

(۳) اس کا یہ مطلب ہوگا کہ ان لمبے سفر میں سیاحوں

کیلئے آرام و آسائش کے لیے مناسب سہولتیں مثلاً حمام خانے (TIOLETS) اور شب بسری کیلئے (MOTELS) بھی مہیا کئے جائیں۔ یہ سہولتیں ان سب شاہ راہوں پر حاصل رہیں جو آندھرا پردیش کے سیاحتی مراکز کو ملاتی ہیں۔

(۴) ہمارے ذاتی تجربہ کی بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ سیاحت ایک ایسی صنعت ہے جس میں رسد' نہ صرف طلب پیدا کرتی ہے بلکہ طلب اور مانگ کو مزید بڑھاتی جاتی ہے۔ مثلاً اود سے پور اور کھجوراہو جیسے تاریخی مقامات پر بھی سیاح اس وقت تک بھٹکتے نہ تھے جب تک کہ وہاں درجہ اول کی ہوٹلیں وجود میں نہ آگئیں۔ اب ان مقامات پر سیاحوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ تمام دوسرے سیاحتی مراکز پر بھی یہی صورتحال ہے۔ پہلے سال یا دوسرے سال تک بھی سیاحوں کی آمد کچھ کم رہتی ہے لیکن دو سال کے عرصہ میں تمام ہوٹلوں میں مشکل ہی سے جگہ ملتی ہے اور مزید ہوٹلوں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ بہرحال آج ساری دنیا میں سیاحوں میں یہ خاص رجحان پایا جاتا ہے کہ ان کے قیام کی سہولتیں اعلیٰ پیمانے کی اور اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اگر ہم قیام کے اخراجات بڑھے چڑھے شرحوں سے عائد کریں تو ہمیں اعلیٰ معیار کی سہولتیں بھی مہیا کرنی ہونگی۔ مختلف سیاحتی مراکز پر ہر زمرے (STAR) کی ہوٹلوں کی ضرورت ہے اور ساتھ ہی ساتھ کافی تشہیر بھی ہونی چاہیئے۔

(۵) جنوبی ہند کے مقامات کی تشہیر کے لیے حکومت ہند کا محکمہ سیاحت متعلقہ حکومتوں کے تعاون سے گذشتہ سالوں میں بیرونی سیاحتی صحافیوں کے دورے کا اہتمام کیا۔ یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ جن صحافیوں کو حیدرآباد کے دورہ کا موقعہ ملا ان سب کی یہی رائے تھی کہ یہ ان کا سب سے زیادہ کامیاب اور دلچسپ دورہ تھا۔ اسلئے توقع کیجا سکتی ہے کہ آئندہ چند ہی سالوں میں حیدرآباد میں بیرونی سیاحوں کی آمد میں اضافہ ہو جائے گا۔

(۶) اگر ریاست میں ہوٹلیں زیادہ تعداد میں قائم ہو جائیں تو آندھرا پردیش میں کسی ایک مقام کو کنونشن سنٹر (CONVENTION CENTRE) بنایا جا سکے گا۔ ہندوستان میں کنونشنی سیاحت کے مفہوم سے CONVENTIONAL TOURISM ابھی بہت کم لوگ واقف ہیں۔ عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کسی بڑے ہال میں مائیکروفون نصب کرتے ہوئے ایک بڑا اجتماع منعقد کیا جا سکتا ہے۔ لیکن کنونشنی سیاحت اس سے بالکل مختلف ہے۔ اگر ہم بیرونی کنونشنوں اور کانفرنسوں کو ہندوستان میں انعقاد کی دعوت دیں تو ہمیں ایسی ہوٹلیں درکار ہونگی جن میں کمروں کی تعداد ۳۰۰ تا ۳۵۰ ہو اور ساتھ ہی ساتھ کنونشن کیلئے بھی وسیع سہولتیں مہیا کرنی ہونگی۔

کنونشنی سیاحت ساری دنیا میں ایک بڑا ذریعہ آمدنی بنی ہوئی ہے۔ یہ ایک ایسا شعبہ ہے جس سے ہندوستان ابھی تک کوئی خاص استفادہ نہیں کیا ہے۔ اس علاقے میں جہاں حیدرآباد' بنگلور' میسور' مدراس' مہابلی پورم' ترانڈرم اور کوچین جیسے مقامات واقع ہیں کنونشنی سیاحت کے ایک سے زیادہ مراکز کو ترقی دی جا سکتی ہے۔ حیدرآباد اس مقصد کے لیے سرفہرست آتا ہے۔

(۷) آندھرا پردیش میں آثار قدیمہ اور قدیم یادگاریں واقع ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ ان مقامات تک پہنچنے والی سڑکیں اچھی اور درست ہوں اور ان کے اطراف و اکناف کو بھی صاف ستھرا رکھا جائے۔

(۸) سیاحت کی ترقی کے شوق میں ہمیں قدرتی ماحول قدرتی آب وہوا کے مطالعہ کی ضرورت کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔ ہمارے جنگلات کی' جنگلاتی علاقوں کی' جنگلی جانوروں کی خوبصورت پناہ گاہوں کی' جھیلوں اور چڑیا گھروں کی دیکھ بھال اور تحفظ کرتے ہوئے انہیں ہر قسم کے نقصان سے بچانا چاہیئے۔

(۹) جشن گولکنڈہ (GOLCONDA FFSTIVAL) بھی جب تک یہ جاری رہتا ہے عوام کو اس ریاست کی طرف متوجہ کرنے کا اچھا ذریعہ ثابت ہو رہا ہے کیونکہ اس جشن کے دوران ریاست کی مصنوعات اور فنون لطیفہ کو نمایاں کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس جشن کے دوران ریاست کی مصنوعات کے شاہکار' رقص' وموسیقی کے جو پروگرام پیش کئے جاتے ہیں اور اس علاقے کو جو تاریخی اہمیت حاصل ہے وہ کچھ بیرونی سیاحوں کے لیے اس ریاست کے دورے کی محرک ثابت ہو سکتی ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ جشن گولکنڈہ کو ایک مستقل سالانہ تقریب کی حیثیت دی جائے اسکی تاریخوں اور مدت کا تعین کیا جائے۔ نیز

اسکی دلچسپیوں رونق اور دھوم دھام بڑھاتے ہوئے اسکی اہمیت اور ضرورت کی وضاحت و تشہیر کی جائے تاکہ یہ تقریبات بیرونی سیاحوں کے لیے جاذب توجہ بن سکے۔

آندھرا پردیش میں قدرتی حسن کی بہتات ہے۔ ریاست میں سیاحوں کے لیے مناسب سہولتیں اور دلچسپیاں مہیا کرنے کی ضرورت ہے۔ سیاحت کو اس طرح بڑھاوا دینے سے نہ صرف معاشی فوائد حاصل ہونگے بلکہ ثقافتی تہذیبی مفاہمت، مقامی مصنوعات کو شہرت حاصل ہوگی۔ ساری دنیا میں مقامی عوام کی مہمان نوازی کا چرچا ہوگا۔

(۱۰) بہت سے بیرونی ٹراویل ایجنٹوں نے حیدرآباد کے دورے کئے ہیں اور نہایت ہی اچھے تاثرات کا اظہار کیا ہے۔ توقع کیجاتی ہے کہ وہ بہت جلد بیرونی سیاحوں کو حیدرآباد کی سیاحت کی ترغیب دینگے۔ اس ریاست میں بیرونی سیاحوں کی آمد بڑھانے کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ آندھرا پردیش کے محکمہ سیاحت کے موزوں عہدہ داروں کو بیرونی ممالک خاص طور پر خلیجی ممالک کے دوروں پر روانہ کیا جائے تاکہ حیدرآباد کے سیاحتی مراکز اور دلچسپیوں کی تشہیر ہوسکے اور بیرونی سیاحوں کی آمد میں خاطر خواہ اضافہ ہوسکے۔

(۱۱) یہ بات بھی نہایت ضروری اور اہم ہے کہ ریاست کی سیاحتی دلچسپیوں سے متعلق ایک رنگین دستاویزی فلم تیار کیجائے اور بیرونی ملکوں میں اسکی وسیع پیمانے پر نمائش کیجائے۔ اس مقصد کے لیے بیرونی ملکوں میں واقع ہمارے سفارت خانے اور انفارمیشن سنٹروں کا تعاون حاصل کیا جائے۔

اگر مندرجہ بالا تجاویز پر پُرخلوص طریقے پر غور کرتے ہوئے انہیں روبہ عمل لایا جائے تو توی امید ہے کہ اس کے نہایت مفید نتائج برآمد ہونگے اور ہماری ریاست آندھرا پردیش دنیا کے سیاحتی نقشے میں نمایاں مقام حاصل کرے گی۔

▲▲

ڈاکٹر جلیس سہسوانی

رستم ٹولہ، سہسوان، بدایوں

سُونی زندگی - سُونا آنگن

چمپا جب ٹرین سے اُتری، سورج مغربی افق میں ڈوب رہا تھا۔ وہ کچھ دیر تک مبہوت سی کھڑی ٹرین کو جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ جب ٹرین بہت دور نکل گئی تو اُس نے گہری سانس لی۔ آج اُسے ڈوبتا سورج بہت خوبصورت معلوم ہو رہا تھا۔ بمبئی میں کتنی ہی بار اس نے سورج کو ڈوبتے اور نکلتے ہوئے دیکھا تھا لیکن اتنا خوبصورت کبھی معلوم نہ ہوا تھا۔

اپنے قریب ایک بیل گاڑی کی آواز سُن کر اچانک اس کا تخیّل ٹوٹ گیا۔ گاڑی میں لمبا سا گھونگٹ نکالے کوئی دلہن بیٹھی تھی۔ سر پر اونچی سی پگڑی باندھے اُس کا دولہا بھی اُس کے پاس ہی بیٹھا تھا۔ بیلوں کے گلے میں بجتے ہوئے گھنگروؤں کی آواز میں کھوئی کھوئی وہ گاڑی کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ ایک بار اُس نے اپنے گاؤں کی طرف جانے والے کچّے راستے کو دیکھا۔ اس کے دل کو ایک دھکّا سا لگا اور ایک سرد لہر سر سے پاؤں تک اُسے کپکپاتی چلی گئی۔ اب اُسے تھوڑی دور بھی چلنے کی ہمت نہ رہی تھی۔ بے دم سی ہو کر راہ پر کھڑے ہوئے آم کے ایک پیڑ سے لگ کر بیٹھ گئی۔

ماضی کی یادوں میں کھوئی ہوئی چمپا کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ سردی کا موسم ختم ہو رہا تھا۔ رات ہونے کے ساتھ ساتھ فضا ٹھنڈی ہوتی جا رہی تھی۔ لیکن اس کے چہرے پر پسینے کی ان گنت بوندیں اُبھر آئی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں گاؤں کے لوگوں کے چہرے گھوم رہے تھے۔ مُنّا، گھسّو، اوشا، ریکھا، ہیرالال، رام پیاری، ہردیئی، سنتوش اور گاؤں کے دوسرے کتنے ہی عورت مرد اس کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے، تو وہ ان سب لوگوں کا کیسے سامنا کرے گی۔ نہ جانے وہ سب اس کے بارے میں کیا کیا اچھی بُری رائے قائم کریں گے؟

سب سے زیادہ اُسے اپنے آدمی بلّو کا خوف تھا۔ اب کس مُنہ سے اس کے سامنے جا کر کھڑی ہوگی۔ ایک بار گھر سے نکل کر بھاگنے کے بعد عورت، عورت نہیں رہتی۔ پھر وہ اُسے اپنے گھر میں کیوں گھُسنے دے گا۔ اس دن کی بات یاد آتے ہی وہ [illegible] سے بے چین ہو گئی۔

گاؤں سے بمبئی آ [illegible] وہ فلمی ہیروئن تو نہ بن سکی تھی لیکن نبتا رام نے بالاخانہ کی ہیروئین [illegible] بنا دیا تھا۔ ایک دن اُسے ڈھونڈتا ہوا بلّو بھی بالاخانہ پر پہنچ گیا تھا۔ [illegible] وہ ناچ رہی تھی۔ بھیڑ کے درمیان جب اس کی نظریں بلو پر پڑیں تو وہ سنّاٹے میں رہ گئی۔ اس نے بہتر کسی تامّل کے بالاخانہ کے دادا رام جی سے کہہ کر اُسے دھکّے مار کر باہر نکلوا دیا تھا۔ لیکن دن کے اُجالے میں بلّو پھر اوپر چلا آیا تھا۔ اس نے گاؤں واپس لوٹ چلنے کے لیے اس کی بہت خوشامد کی تھی۔ شراب نہ پینے کی قسم کھائی تھی۔ اس نے واپس لوٹنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

"چمپا تم گاؤں چلو، میں نے گاؤں والوں سے کہہ دیا ہے چمپا ایک دور کے رشتے دار کے ہاں گئی ہے۔ اب تم چلوگی تو کسی کو شک نہ ہوگا۔"

" اور اگر تم نے گھر سے نکال دیا تو؟ تم تو مجھے یہاں دیکھ چکے ہو نا!"

نہیں چمپا! میں تو تجھے سیتا کی طرح رکھوں گا! تیرے سوا اس دنیا

میں اور کون ہے میرا ؟ چمپا میں تیرے پاؤں پکڑتا ہوں گھر لوٹ چل۔"

اور بلّو نے آنسو بھری آنکھوں سے کسی اُمید کے سہارے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا لیکن اس نے بے رحمی سے دھکا دے کر بلّو کو پیچھے دھکیل دیا تھا۔ اس کے بعد بالا خانہ کے غنڈوں نے مار مار کر اسے لہولہان کر دیا تھا۔ وہ بہت دیر تک سڑک پر پڑا سسکتا رہا تھا۔ اُس دن کی بات کو کیا بلّو بھول گیا ہوگا۔ ؟ مجھ پر بھی نہ جانے کونسا بھوت سوار ہوگیا تھا جو اپنا گھر، اپنا آدمی، اپنا عیش اور اپنا سب کچھ چھوڑ کر بنتا کے ساتھ بھاگ آئی تھی۔ بلّو کی چھوٹی سی بات کو اتنا بڑھانا نہیں چاہیئے تھا راکھ میں دبی ہوئی چنگاری کو ہوا دے کر شعلہ نہ بنانا چاہیئے تھا۔ اس نے بلّو کو دارو پینے کو بہت بار منع کیا تھا۔ وہ نہ مانا ——— اُس کی عادت اور بڑھتی رہ گئی۔ وہ چُپ بھی ہوگئی تھی لیکن ایک دن اس نے اسے شہر سے سامان لینے بھیجا تھا تو سنتوش اسے بغل میں دبائے لوٹا تھا اور اس سے بولا تھا ——— "لو چمپا بھابی ! آج تو بھگوان نے بچا لیا، کل کی تم جانو۔ دارو پیئے نالی میں اوندھے منہ پڑے گندہ پانی پی رہے تھے۔ وہ تو اندھیرے میں مجھے بڑبڑانے کی آواز سُنائی دے گئی۔ نہیں تو رات میں کسی وقت بھی موٹر یا تیز رفتار ٹرک کچل کر چلا جاتا۔ ٹرک ڈرائیور بڑے بے رحم ہوتے ہیں بھابی !"

اگر ایسا ہو جاتا تو ؟ مستقبل کے احساس نے اُسے جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہ خون کا گھونٹ پی کر رہ گئی تھی۔ اُس دن کی بات اُس سے برداشت نہ ہو سکی تھی۔ ساری رات وہ سوچ میں ڈوبی رہی۔ ایک پل کیلئے اس کی آنکھوں میں نیند نہ آئی، دس سال ہوگئے اس کی شادی کو، گاؤں میں کتنے ہی لوگوں کے گھر شہنائی بجی، دلہنیں آئیں۔ اُن کی گودیں بھریں، گھر آنگن بچوں کی کلکاریوں سے گونجے۔ ایک کے بعد ایک بچوں سے گھر بھر گئے تو انہوں نے فیملی پلاننگ کا سہارا لیا، تاکہ اُن کے بچوں کی اچھی طرح دیکھ بھال ہو سکے۔ لیکن اس کا گھر ——— اُس کی زندگی ——— ؟ سُونی ہی رہی اس میں کوئی کلکاری نہ گونجی !

بلّو سارا دن کھیتوں میں کام کرتا، شام کو گھر لوٹتا تو روکھی سوکھی کھا پی کر پھر باہر نکل جاتا ——— پھر آدھی رات کو گھر لوٹتا۔ اس کے منہ کی بدبو سے سارا گھر بس جاتا۔ وہ کچھ کہتی تو اس کے جسم پر لاتوں گھونسوں کی بارش ہونے لگتی۔ ایک شام اس نے بلّو کا راستہ روک لیا۔ پہلے وہ زور سے چیخا۔ پھر بچوں کی طرح پھوٹ پڑا ——— "چمپا باہر نہ نکلوں تو کیا کروں ؟ اس گھر کا سُونا آنگن مجھے کاٹنے کو دوڑتا ہے۔ اس کی دیواریں مجھے گھورتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کسی دن یہ سونا پن میری سونی زندگی کو کھا جائیگا! چمپا مجھے کوئی ایسا کھلونا دیدو جس کے ساتھ میں کھیل سکوں ؟"

بلّو کھلونے کے لیے بلکتا رہا۔ اس کے آنسو بہہ بہہ کر زمین میں جذب ہوتے رہے اور چمپا ؟ وہ کسی گہرے خیال میں ڈوب گئی تھی۔ اس نے اسی رات گھر چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ نہ جانے اُسے کیا ہو گیا تھا۔ وہ کیوں بنتا رام کی باتوں میں آگئی تھی۔ بنتا رام بمبئی میں رہتا تھا اس لئے گاؤں میں رنگ برنگے نئے نئے ڈزائن کے کپڑے پہن کر آتا۔ اُسے اس کی باتیں بہت اچھی لگتی تھیں۔ وہ اس سے کہتا ——— "چمپا اس گاؤں میں کیا پڑی ہو بمبئی چل کر دیکھو تو سب کچھ بھول جاؤگی۔ اونچی اونچی عمارتیں، بیس بیس منزل کی بلڈنگیں، اور ایرکنڈیشنز سینما گھروں میں کبھی فلم دیکھو گی تو وہاں سے باہر نکلنے کا نام ہی نہ لوگی ! اور فلمی دنیا میں پہنچ گئیں تو عیش کروگی عیش ! ہزاروں لوگ تمہارے دیوانے ہو جائیں گے۔ ہیما مالینی اور راکھی کی طرح ! تم اُن سے کم خوبصورت نہیں ہو !"

ایک دن بنتا رام اپنے پلان میں کامیاب ہوگیا۔ رات کو چپکے سے گھر کی ساری پونجی اور زیورات لے کر چمپا اس کے ساتھ بمبئی چلی آئی۔ بمبئی میں سب کچھ لُٹ پٹ جانے کے بعد بھی وہ ہیروئن نہ بن سکی، البتہ بالا خانے کی رانی ضرور بن گئی۔ چند سالوں میں اس کے جسم کا گٹھاؤ ساتھ چھوڑنے لگا۔ چہرے کی رنگت بدلنے لگی۔ قیمتی پاؤڈر کاسمیٹک اور دوسرے ٹانک اس کی ڈھلتی ہوئی جوانی کو روک نہ سکے۔ تو وہ ایک دن اپنے گاؤں کی کچی سڑک پر پہنچ گئی۔

اندھیرے میں چلتی ہوئی وہ اپنے گھر کے دروازے کے سامنے جاکر کھڑی ہوگئی۔ دروازہ بند تھا۔ آگے بڑھ کر اسے کھٹکھٹانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ یکایک اس کے ذہن میں ایک سوال اُبھرا —— "کہیں بلّو نے دوسری شادی نہ کرلی ہو؟ —— اگر ایسا ہوا تو اس کی بیوی مجھے اُسے گھر میں کیوں گھسنے دیں گے ...."

ہاتھ لگتے ہی دروازہ کھل گیا۔ اندر سے کسی کے کھانسنے کی آواز آئی۔ وہ آنگن میں جاکر کھڑی ہوگئی۔ کوئی کھاٹ پہ پڑا کھانس رہا تھا۔ پاس ہی لالٹین جل رہی تھی۔ کسی چیز سے اس کے ٹکرانے پہ آہٹ ہوئی تو بلّو کھانسی کے درمیان بولا —— "کون ہے؟ اندر کون آیا ہے"۔

"میں ہوں .... چم ...... پا" وہ سر سے پاؤں تک کانپتے کانپتے اتنا ہی کہہ سکی۔

"کون ...... کون چپا!" بلّو نے ایک دم اُٹھکر دیکھا —— "چپا کیسے آسکتی ہے یہاں؟

وہ تو ندی میں ڈوب کر مرگئی"

وہ دوڑکر بلّو کے قدموں سے لپٹ گئی —— "میں چپا ہی ہوں! مجھے معاف کردو!! میں یہاں کسی بھی کونے میں پڑی رہوں گی"

چپا تو نہ آتی تو اچھا تھا —— میں نے تو اسی دن گاؤں والوں سے کہہ دیا تھا کہ چپا ندی میں ڈوب کر مرگئی۔ اب تو اتنے دنوں کے بعد واپس آکر مجھے گاؤں میں سر اٹھانے کے لائق نہیں رکھا ہے۔ میں لوگوں کو کیا جواب دوں گا؟ کیسے کہوں گا کہ اتنے سال گھر سے باہر رہنے کے بعد چپا سیتا سادتری بن کر لوٹ آئی ہے!"

چپا روئے جارہی تھی۔ اس کے منہ سے یہی نکل رہا تھا ——

"تم مجھے معاف کردو! گاؤں والے تو تھوڑے ہی دنوں میں سب کچھ بھول جائیں گے۔

"سب کچھ بھول جائیں گے؟ نہیں نہیں، چپا! گاؤں والے کبھی نہ بھولیں گے۔ وہ مجھے گھر سے نکلتے ہی طعنے دیں گے۔ تم آگ میں جل جاؤ تو بھی وہ تمہیں پتر کہنا پاپ سمجھیں گے۔ ایسے وقت میں وہ کسی مہاراجہ کو بھی معاف نہیں کرسکتے۔ میں تو غریب کسان ہوں۔ میں انہیں کیسے سمجھاؤں گا؟"

کچھ دیر تک خاموشی رہی —— بلّو نڈھال سا بستر پر گر گیا۔ ہوا کے ایک تیز جھونکے سے لالٹین بجھ گئی۔ چپا بلّو کے پیروں پر سر رکھے سسکتی رہی ...... اور بہت دیر تک سسکنے کے بعد وہ سوگئی۔

صبح گھر کے باہر شور سن کر چپا کی آنکھ کھلی تو بلّو کا بستر خالی تھا وہ تیزی سے باہر کی طرف دوڑی۔ گلی میں گاؤں کے سارے لوگ جمع تھے۔ اور ان کے درمیان کسی آدمی کی لاش کپڑے سے ڈھکی ہوئی پڑی تھی۔ چپا آگے بڑھی اور کپڑا ہٹاکر دیکھا۔ وہ چیخ پڑی —— "نہیں نہیں! تم مجھے چھوڑکر نہیں جاسکتے؟"

بلّو نے کنوئیں میں کود کر خودکشی کرلی تھی! —— اور اب تک چپا کی زندگی ہی سونی تھی، اب اس کا آنگن بھی سنسان ہوگیا تھا۔

خلیل اکمل
کیمیکل و میکانیکل انجنیئر
ریجنل ریسرچ لیبارٹری، حیدرآباد ۷

ٹکنالوجی کا روشن مستقبل

سائنس اور ٹکنالوجی کو ہماری زندگی میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ سائنس نہ صرف دائرہ انسانیت کو وسیع کرتی ہے بلکہ ایسے معلومات فراہم کرتی ہے جس سے انسان قدرت کو سمجھنے اور قدرتی وسائل سے مناسب استفادہ کرنا سیکھتا ہے۔ سائنس ہمارے قدرتی وسائل کی نشاندھی کرنے کا ذریعہ ہے جبکہ ٹکنالوجی ان وسائل کو دولت میں تبدیل کرنے کا ایک آلہ۔ سائنس ٹکنالوجی کی بنیاد ہے۔ جبکہ ٹکنالوجی سائنس کی ترقی کا ذریعہ۔ سائنس انسان کے فطری تجسس کا نتیجہ ہے جبکہ ٹکنالوجی اس تجسس کو ایجادات کی شکل دینے کا جذبہ۔ ٹکنالوجی انسانی جدوجہد میں ایک نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔ معاشرہ کو ترقی دیکر اس کے معیار کو بلند کرتی ہے۔ ٹکنالوجی کا مطلب قدرتی وسائل کو مناسب طریقہ پر کام میں لاکر سماج اور انسانی زندگی کو سنوارنا ہے بالفاظ دیگر ٹکنالوجی وہ طاقتور حربہ ہے جس سے حالات زندگی میں تغیر برپا کیا جاسکتا ہے۔ ٹکنالوجی نے ہماری زندگی کے کئی شعبوں کو اپنی مسلسل کارگذاری سے روشن اور تابناک بنایا ہے کیونکہ وہ خود ایک روشن مستقبل کی حامل ہے جس کا ثبوت زندگی کے مختلف امور میں اسکی ترقیاتی منصوبہ بندی سے ملتا ہے۔ یہ امور ہیں حمل ونقل اور ترسیل۔ مواصلات۔ تعلیم وصحت عامہ زراعت۔ دفاع وغیرہ۔ لیکن ٹکنالوجی برائے حصول رہائش، صنعت، خلائی تحقیق اور الکٹرانک ٹکنالوجی وکمپیوٹر جو وقت کا تقاضہ سمجھے جا رہے ہیں قابل ذکر ہیں۔

توانائی ہماری زندگی کا ایک لازمی جز ہے لیکن کرہ ارض پر توانائی آج دو مسائل سے دوچار ہے۔ ایک تو ہمارے بڑھتے ہوئے ضروریات سے موجودہ ذخائر میں انحطاط۔ دوسرا ایندھن کے کثرت استعمال سے فضائی اور ماحولیاتی آلودگی۔ آج دنیا کے پٹرول کا کل صرفہ کوئی دو ہزار ملین ٹن سالانہ ہے جس میں ہر سال ۵ فیصد کا اضافہ ہوتا ہے۔ اس حساب سے پٹرول کے موجودہ ذخائر سن ۲۱۰ء تک کام دے سکتے ہیں۔ اور کوئلہ کے ذخائر آئندہ ۴ سو سال کے لیے کافی ہیں۔ ہندستان میں کوئلہ کے ذخائر کا اندازہ ۱۱۲ بلین ٹن لگایا گیا ہے۔ اور سالانہ ۷۰ ملین ٹن کا صرفہ ہے جبکہ پٹرول ۳۲ ملین ٹن خرچ کیا جاتا ہے۔ جس کا صرف ایک تہائی حصہ اندرون ملک پیدا ہوتا ہے اور مابقی درآمد کرنا ناگزیر ہے۔ ہمارے توانائی کے ضروریات سن ۱۹۷۱ء میں اوسطاً فی کس ۷ سو کیلو کوئلہ کے برابر تھے۔ اور خیال کیا جاتا ہے کہ یہ اوسط ۲ ہزار عیسوی تک ۱۵ سو کیلو ہو جائیگا۔ اس تشنہ کی تکمیل ٹکنالوجی کی مدد کے بغیر ممکن نہیں اسلئے ساحلی اور سمندری علاقوں میں خام پٹرول کی کھوج بڑے زور وشور سے جاری ہے اور امید ہے کہ سن ۱۹۹۰ء تک ہمارا ملک پٹرول کی پیداوار میں خودکفیل ہو جائیگا۔ اس کے علاوہ ٹکنالوجی کی مدد سے توانائی کے غیر روایتی ذرائع جیسے شمسی توانائی۔ زیرزمین حرارتی توانائی تموجی اور ہوائی توانائی کو ترقی دے کر ایک عام آدمی تک پہنچانے کا انتظام

کیا جائے گا۔ فضائی اور ماحولیاتی آلودگی کے سدباب کے لئے کئی ایجنسیں اور تحقیقی ادارے سرگرم عمل ہیں۔ بہت جلد اس اقدام کے امید افزا نتائج برآمد ہونگے۔

ہماری رہائش کا مسئلہ آئے دن بہت پیچیدہ ہوتا جارہا ہے اور ایک عام آدمی کے لیے معمولی مکان کی تعمیر اس کے بس کی بات نہ رہی ایک اندازہ کے مطابق ہماری آمدنی کا دوتہائی حصہ صرف رہائش پر صرف ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں فولاد اور سمنٹ کے خرچ میں اضافہ ایک لازمی امر ہے۔ جو دو ہزار عیسوی تک ۳ تا ۷ گنا بڑھ جائے گا کیونکہ مکانات کی منصوبہ بند تعمیر سے ان کی موجودہ تعداد ۹ کروڑ ۳۰ لاکھ سے بڑھ کر ۱۲ کروڑ ۴۰ لاکھ تک پہنچ جائے گی۔ اسلئے سمنٹ اور فولاد کی صنعت کے ساتھ ساتھ تعمیراتی ٹکنالوجی کو بھی ترقی دینا ضروری ہے۔ تاکہ اس نئی حکمت عملی سے نت نئے تعمیری اشیاء وجود میں آئیں۔ اور ایک سستے مکان کی تعمیر بہت ہی کم وقت میں ممکن ہوسکے۔

صنعتی ٹکنالوجی کی ترقی ہمارے معاشرہ کی ترقی ہے کیونکہ اس کی بدولت درآمد کردہ اشیاء کا مناسب نعم البدل دریافت کیا جاسکتا ہے ہمارے ملک میں قدرتی وسائل کی کمی نہیں۔ ان وسائل کی صنعت کاری کے لیے گھریلو ٹکنالوجی کو فروغ دینا ضروری ہے۔ تاکہ غیر ملکی ٹکنالوجی پر تکیہ نہ کرنا پڑے۔ اب تک ہمارے بھاری مصنوعات کی پیداوار کے لیے ۳ ہزار کروڑ کا سرمایہ لگایا گیا ہے جس کے تحت ہر سال ۴ سو کروڑ کی مشنری درآمد کی جاتی ہے جسمیں زرعی۔ کانکنی۔ مٹی کھودنے اور نکالنے۔ فولاد اور پلاسٹک سازی کی مشینیں۔ ناپنے اور جانچنے کے آلات شامل ہیں۔ صنعتی ٹکنالوجی کو ترقی دینے کے لیے ہمارے کئی قومی تجربہ گاہوں اور ٹکنکی اداروں میں منصوبہ بند ترقیاتی پراجکٹ پر کام ہورہا ہے۔

یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ آج کی سائنس کل کی ٹکنالوجی کہلاتی ہے سائینس اور ٹکنالوجی کی موجودہ ترقی کی شرح سے ان دونوں کے مابین فاصلہ گھٹتا جارہا ہے خصوصاً گذشتہ دس سال کے دوران خلائی ٹکنالوجی کی مدد سے چاند سورج اور زمین کے جغرافیائی حالات سے واقفیت حاصل ہوئی ہے اور خاص کر سٹیلائٹ ٹکنالوجی کی مدد سے پانی کے ذخائر کا تعین۔ بحری وسائل کی دریافت، طوفان و باد و باراں کی پیش قیاسی۔ زمین میں زرعی موزونیت کا اندازہ لگایا جارہا ہے۔ ہندستان میں ہر سال دریاوں میں سیلاب کے سبب کوئی ۲ سو کروڑ روپیہ کا نقصان ہوتا ہے لیکن سیٹلائٹ سے ہمارے قومی سرمایہ میں کافی بچت ہوئی ہے۔

خلائی ٹکنالوجی کی ترقی کا پروگرام سنہ ۱۹۷۲ء میں بنایا گیا اور یہ کام (INDIAN SPACE RESEARCH ORGANISATION) کے تفویض کیا گیا۔ چنانچہ اس ادارے نے بہت ہی مختصر مدت میں ۹۰ کیلو وزنی پہلا مصنوعی سیارہ "آریہ بھٹ" ۱۹ر اپریل سنہ ۱۹۷۵ء فضا میں داغ کر ہندستان کو خلائی کام انجام دینے والے ملکوں کی صف میں شامل کردیا۔ اس کے بعد ۴ سو کیلو وزنی سیارہ " بھاسکر اول" ۷ر جون سنہ ۱۹۷۹ء اور "بھاسکر دوم" ۲۰ر نومبر سنہ ۱۹۸۰ء فضا میں داغدے گئے۔ بھاسکر اول سے پہاڑوں پر برف کی موجودگی کا پتہ چلایا گیا۔ ساحلی وسائل کی کھوج میں مدد لی گئی۔ دریاؤں میں سیلابی کیفیت۔ خشک سالی اور قحط کا اندازہ لگایا گیا جبکہ بھاسکر دوم سے سیاروں کی نقل و حرکت۔ سورج و چاند گہن۔ سیاروں کے میل و ٹکراؤ اور گردش کا مطالعہ کیا گیا۔ خلائی تجربات میں مصنوعی سیاروں کو فضا میں داغنے کے لیے غیر ملکی ٹکنالوجی سے مدد لی جاتی تھی۔ لیکن سنہ ۱۹۸۰ء میں سیارہ داغا گاڑی SATELLITE (S.L.V-3) LAUNCHING VEHICLE کے ذریعہ روہنی سیارہ فضا میں داغ کر ہندوستانی سائینسدانوں نے شاندار کارنامہ انجام دیا۔ کائینات کی تسخیر کے بعد خلائی ٹکنالوجی کی ترقی کا دوسرا پہلو عام آدمی کی زندگی کو خوشحال اور آرام دہ بنانا ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لیے مواصلاتی سیارہ "انساٹ" یعنی INDIAN NATIONAL SATELLITE تیار کرنے کا پروگرام بنایا گیا چنانچہ پہلا سیارہ انساٹ۔ ایک (اے) ۱۰ر اپریل سنہ ۱۹۸۲ء بمقام

کینیڈی اسپیس سنٹر، فلوریڈا سے داغا گیا۔ لیکن اس سیارہ کی کارکردگی چند فنی خرابیوں کے باعث متاثر ہوئی۔ اسکے فوراً بعد یعنی ۳۱ اگست ۱۹۸۳ء کو انساٹ (۱) ۔ بی فضا میں داغا گیا۔ جو آج تک اپنی بہترین کارکردگی کا مظہر ہے۔ جس کی بدولت ہم گھر بیٹھے ٹی۔ وی کے قومی پروگراموں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ انساٹ تعلیم کو عام کرنے کا ایک اچھا ذریعہ ہے۔ اس کے علاوہ یہ ریڈیو نشریات۔ ڈاک و تار اور ٹیلی فون ۔ ریلوے شہری ہوابازی۔ دفاع جہازرانی اور خبروں کی ترسیل میں مددمعاون ہے۔ تعلیمی پروگرام کو مزید وسعت اور مواصلاتی نظام کو ترقی دینے کے لیے "انساٹ ایک ۔سی" سنہ ۱۹۸۶ء کو فضا میں داغا جائے گا۔

ٹکنالوجی کا لازوال شعبہ الکٹرانک ہے جسکو ہماری زندگی کے ہر گوشہ میں اہمیت حاصل ہے اسکو ترقی دینے کا پروگرام سنہ ۱۹۶۶ء میں تیار کیا گیا اور صرف ۵ سال کی مختصر مدت میں الکٹرانک ٹکنالوجی نے نمایاں ترقی کی ہے۔ اسکے خوش آئند مستقبل کا اندازہ اسکی پیداوار سے لگایا جاسکتا ہے سنہ ۱۹۷۱ء میں الکٹرانک اشیاء کی پیداوار ۵۵ کروڑ روپے سالانہ تک محدود تھی۔ لیکن اسکی بڑھتی ہوئی مانگ کے سبب اسکی پیداوار میں دس گنا اضافہ ہوا۔ اور آئندہ ۵ سال میں اسکی سالانہ پیداوار ۵ سو کروڑ سالانہ تک پہنچ جائے گی تاکہ ہمارے ضروریات کی بآسانی پابجائی ہوسکے ۔

ٹکنالوجی کی لاثانی تخلیق کمپیوٹر ہے ۔ جو کم جسامتی (MINIATURE) الکٹرانک کی زندہ جاوید مثال ہے۔ کمپیوٹر کا بنیادی تصور سنہ ۱۸۱۲ء میں کیمبرج یونیورسٹی کے ماہر ریاضیات پروفیسر چارلس BOBBAGE کے ذہن میں پیدا ہوا۔ انہوں نے ایک عجیب وغریب مشین بنا کر اسکا نام تجزیاتی انجن ANALYTICAL ENGINE رکھا۔ لیکن سنہ ۱۸۷۱ء میں بابیج کے انتقال کے بعد پروفیسر (AIKEN) نے اس کام کو آگے بڑھایا۔ آخرکار انہوں نے سنہ ۱۹۳۰ء میں حسابات کے لیے ایک خودکار مشین تیار کرکے کمپیوٹر ٹکنالوجی کی ابتداء کی۔ اور پہلا کمپیوٹر دوسری جنگ عظیم کے دوران ہی تیار کرلیا گیا ۔ اب تک کمپیوٹر کی چار نسلیں وجود میں آگئی ہیں۔ اسکی پہلی نسل میں برقی ٹیوب استعمال ہوتے تھے لیکن سنہ ۱۹۶۰ء میں دوسری نسل کے کمپیوٹر میں ٹرانسسٹر استعمال ہونے لگے۔ اور آج چوتھی نسل کا دور ہے جسمیں INTEGRATED CIRCUITS (I.C.) بکثرت استعمال ہوتے ہیں۔ کمپیوٹر نے بہت ہی کم عرصہ میں غیرمعمولی مقبولیت اہمیت حاصل کرلی ہے۔ چنانچہ امریکی کمپیوٹر APPLE ہمارے یہاں ایک وقت سو کام انجام دیتا ہے بہت مقبول ہوا اور آج کمپیوٹر بنک، دفاع، طب سائنسی تحقیق اور صنعت میں استعمال ہوتا ہی ہے لیکن اس کا جدید استعمال خبروں کی ترسیل ہے جو بہت ہی اُمید افزا ثابت ہوا۔ اور مستقبل میں برق رفتار MINI اور MICRO کمپیوٹر سے اس ٹکنالوجی میں ایک نئے باب کا آغاز ہوگا۔

ٹکنالوجی کا روشن مستقبل صرف تحقیقات میں مضمر ہے۔ کیونکہ ٹکنالوجی کی اختراع کی جڑیں تحقیق میں پیوست ہیں جسکی مثال ٹرانزسٹر، نائلان اور جوہری توانائی کی دریافت سے دی جاسکتی ہے۔ ٹکنالوجی کو فروغ دینے کیلئے ہندستان میں کئی ادارے قائم ہوچکے ہیں چنانچہ سنہ ۱۹۴۸ء میں سائنسی تحقیق کا محکمہ قائم کیا گیا جسکے تحت کوئی ۴۰ تجربہ گاہیں کام کررہے ہیں جہاں پیٹرول ایندھن تعمیرات، فولاد، الکٹرانک، گلاس، کیمکلس وغیرہ پر تحقیقی کام انجام دیا جارہا ہے اسکے علاوہ ملک کے کئی یونیورسٹیوں میں بھی ٹکنالوجی کو ترقی دینے کی سعی جاری ہے۔ ٹکنالوجی کے ترقیاتی پروگراموں کو روبہ عمل لانے کے لیے کوئی ۹ سو مرکزی اور خانگی ادارے سرگرم عمل ہیں۔ جن میں انڈین کونسل آف اگریکلچرل ریسرچ زرعی ٹکنالوجی کیلئے۔ انڈین کونسل آف میڈیکل ریسرچ صحت عامہ کے لیے۔ بھابھا اٹامک ریسرچ سنٹر جوہری توانائی کے لیے ڈپارٹمنٹ آف اسپیس خلائی ٹکنالوجی کے لیے۔ ٹیلی کمیونیکیشن سنٹر ٹیلی فون، ٹیلی گراف اور وائرلیس ٹکنالوجی کیلئے کام کررہے ہیں۔ الکٹرانک ٹکنالوجی کی ترقی کیلئے ایک کونسل کا قیام عمل میں آیا ہے جہاں ۲۵۰ پراجکٹ پر کام ہورہا ہے جس پر ۲۵ کروڑ روپیہ کا سرمایہ لگایا گیا ہے۔ اسکے علاوہ کمپیوٹر ٹکنالوجی برائے دفاع اور سماج پر ۳۰ کروڑ روپے کے بجٹ سے بھارت الکٹرانک لمیٹیڈ بنگلور اور ECIL حیدرآباد میں ترقیاتی پراجکٹ روبہ عمل لائے جارہے ہیں۔ غرض ٹکنالوجی ان تحقیقاتی اور ترقیاتی پروگراموں کی وجہ سے اپنا ایک درخشاں اور خوش آئند مستقبل رکھتی ہے جو ہمارے ملک کی ترقی اور خوشحال معاشرہ کی ضمانت ہے۔

▲▲

غزل

(۱۱۹/۵ ے ۲ا) باغ آئینہ
بی بی حسین گنج لکھنؤ۔

جہاں کے غم میں خدا مجھکو مبتلا نہ کرے
تمہارا غم مرے دل سے مگر جدا نہ کرے

مجھے پکارے ہر اک شخص بے وفا کہہ کر
تری جفا کا مگر کوئی تذکرا نہ کرے

ہر ایک غم مجھے مل جائے یہ دعا ہے مری
کسی بھی غم سے خدا تجھکو آشنا نہ کرے

نہ جانے کون بچھڑنے کے بعد مل جائے
کوئی کسی کو بھلانے کی ابتدا نہ کرے

تمہاری بزمِ مسرت سے دور ہو جائیں
ہمارے حق میں کوئی ایسی بد دعا نہ کرے

ہم انتظار نہ کر پائے یہ نہ کہئے گا
ہماری عمرِ دو روزہ اگر وفا نہ کرے

میں جانتا ہوں مصیبت کا حال اے کاشف
ہو مبتلائے مصیبت کوئی خدا نہ کرے

منیر الزماں منیر (ایم اے) ریسرچ اسکالر

غزل

وہ اعتبار کی حد سے گذر گیا کب کے
جو خواب دیکھا تھا میں نے بکھر گیا کب کے

ابھی تلک ہے تو گردِ سفر میں لپٹا ہوا
یہاں سے کارواں تیرا گذر گیا کب کے

اُڑی وہ دھول کہ چہرے کی آب و تاب گئی
نشہ غرور کا سر سے اُتر گیا کب کے

حنائی ہاتھ بڑھا کر جو اس نے کھینچ لیا
دل و نظر میں وہ لمحہ اُتر کب کے

اندھیرا جس کا مقدر رہا کئی برسوں
سنا ہے وہ بھی اُجالوں میں مر گیا کب کے

تمام درد کے رشتوں نے لی ہے انگڑائی
ادھورے سپنوں میں وہ رنگ بھر گیا کب کے

ابھی تلک بھی کتابوں میں اس کی خوشبو ہے
منیر مجھ سے بچھڑ کر وہ گھر گیا کب کے

خبریں

تصویروں میں



چیف منسٹر مسٹر این ٹی راما راؤ نے نلگنڈہ اور ورنگل میں پولیس گیسٹ ہاوز کا افتتاح کیا
تصویر میں مسٹر این راجہ راؤ وزیر انڈومنٹ اور مسٹر وی۔ ناگیشور راؤ وزیر داخلہ بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔



موضع چلاپلی ضلع کرشنا میں ۲ ہزار ایکر اراضی کی تقسیم کی یادگار میں نصب کردہ پتھر کی نقاب کشائی چیف منسٹر آندھرا پردیش مسٹر این ٹی راما راؤ نے انجام دی۔



ڈاکٹر شنکر دیال شرما گورنر آندھرا پردیش نے ۲۲ مئی ۸۵ء کو شری چینا گو؟ مٹھ دیوان دیوڑھی حیدرآباد میں چیتنا مہا پربھو کی (۵۰۰) سالہ تقاریب کا افتتاح کیا۔



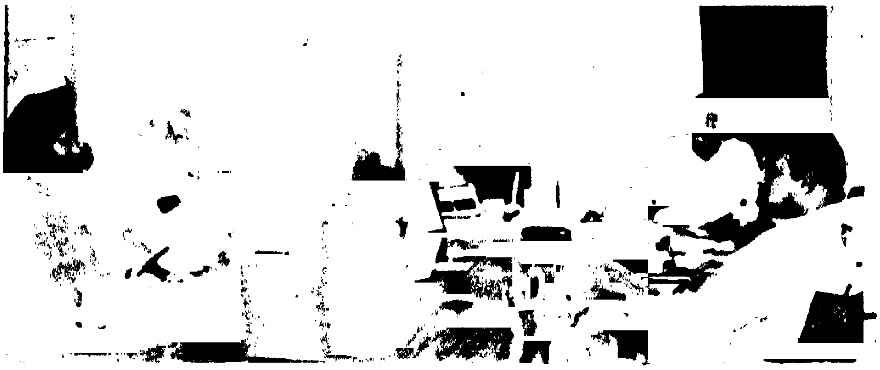
چیف منسٹر مسٹر این۔ ٹی۔ راما راؤ نے ۲۸ ویں ورسادھانتی کے موقع پر آندھرا کیسری ٹی۔ پرکاشم پنتلو کے مجسمے پر پھول چڑھائے۔



ہری کیش مکرجی صدر نشین اور معمار نیشنل فلم ڈیولپمنٹ
کارپوریشن نے ۲۴ رمئی کو حیدرآباد میں چیف منسٹر آندھراپردیش
مسٹر این ٹی۔ راماراؤ سے ملاقات کی



یوم مئی کی تقاریب کے موقع پر مسٹر این۔ ٹی۔ راماراؤ چیف منسٹر آندھراپردیش نے ٹریڈ یونین قایدین میں شرماشکتی اور پیداوار میں اضافہ کے لیے انعامات تقسیم کر رہے ہیں۔



لفٹنٹ جنرل رنجیت سنگھ دیال آرمی کمانڈر جنوبی کمانڈ نے حیدرآباد میں چیف منسٹر مسٹر این ٹی راماراؤ سے ملاقات کی۔



مرکزی ٹیم کے قائدین شری ل۔ پی سیڈ کرشری داستک ڈائرکٹر آئیل سیڈز حکومت ہند شری کرشنا مورتی جائنٹ سکریٹری وزارت فینانس مسز سچدیو اور رام پرساد نے ۱۷ر مئی کو حیدرآباد میں چیف منسٹر مسٹر این ٹی راماراؤ سے ملاقات کی۔


USHA



اندھرا پردیش



آندھرا پردیش - اعداد و شمار بہ یک نظر

رقبہ (۱۹۸۱ء) مردم شماری	(مربع کیلومیٹر)	۲۷۵٫۶۱	
اضلاع		۲۳	
ریونیو منڈل		۱۱۰۴	
پنچایت سمیتیاں		۳۳۰	
آبادی (۱۹۸۱ء) مردم شماری		۵۳۵٫۵۰	(لاکھ میں)
مرد		۲۷۱٫۰۹	"
عورتیں		۲۶۴٫۴۱	"
درج فہرست اقوام کی تعداد		۷۹٫۶۲	"
درج فہرست قبائل کی تعداد		۳۱٫۷۶	"
محنت کش افراد کی تعداد		۲۲۵٫۰۶	"
اراکین لوک سبھا		۴۲	
اراکین راجیہ سبھا		۱۸	
اراکین اسمبلی		۲۹۵	
دواخانے (آلوپیتھک)		۲۹۵	
خصوصی امراض کے دواخانے		۴۵	
بستروں کی تعداد		۲۶,۹۳۸	
یونیورسٹیوں کی تعداد		۱۰	
جملہ آبپاشی سے سیراب کیا جانے والا رقبہ		۵۰٫۵۸	لاکھ ہیکٹر
کوئلہ کی پیداوار		۱۰۰٫۸۳	لاکھ ٹن

ماہنامہ

آندھرا پردیش

حیدرآباد

اگست سنہ ۱۹۸۵ء • جلد: ۳۰ • شمارہ: ۸ • AUGUST 1985

فہرست

چیف ایڈیٹر

سی - وی - نرسمہا ریڈی

ایڈیٹر

ارشاد حسن خان بی اے (عثمانیہ)

قیمت : ۵۰ پیسے

- اس شمارہ میں اہلِ قلم حضرات نے انفرادی طور پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے اُن سے لازمی طور پر حکومت کا متفق ہونا ضروری نہیں۔
- سالانہ خریداری : ۶ روپے فی شمارہ : ۵۰ پیسے
- منی آرڈر صرف " ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ" حکومت آندھرا پردیش کے نام روانہ کیجئے۔
- تخلیقات روانہ کرنے کا پتہ : ایڈیٹر " ماہنامہ آندھرا پردیش" اردو دفتر محکمہ اطلاعات و تعلقات عامہ گرہاکلپا کرم جاہی روڈ حیدرآباد
- طباعت : گورنمنٹ سنٹرل پریس چنچل گوڑہ حیدرآباد • کتابت : ایس اے حمید

ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ حکومت آندھرا پردیش نے شائع کیا

ضلع اننت پور

تاریخ

کتبات سے پتہ چلتا ہے کہ تیسری صدی قبل مسیح میں ضلع اننت پور سلطنت موریہ کا ایک حصہ تھا۔ تیسری صدی کے دوران میں تلگو علاقہ پالواؤں کی حکمرانی میں آگیا اور یہ ضلع ان کی حکومت کا ایک حصہ بن گیا۔ بعدازاں موجودہ ضلع کا ایک حصہ "نالاواں" نے فتح کرلیا جنھیں ۶ ویں عیسوی میں مغربی چالوکیہ راجہ وکرما دتیہ نے شکست دی۔ پھر "راج کوٹوں" ۔ مغربی گنگا راجاؤں اور چولاؤں کی اس علاقائی پٹی پر حکمرانی رہی۔

علاءالدین خلجی کی فوجوں کے دکن پر حملے کے وقت ہندو پور اور مڈکاسیرا کے تعلقہ جات "ہوسلاؤں" کے زیرنگین تھے۔ دہلی سلطان کی حکومت کی آندھرائی عوام کی جانب سے مقاومت کی گئی۔ بعد کے دور میں دو صدیوں تک یہ ضلع وجیانگر راجاؤں کی عملداری میں رہا۔ سولہویں صدی کے آخری سالوں میں اس ضلع پر گولکنڈہ کے نوابوں کی حکمرانی رہی۔ ۱۶۷۷ عیسوی کے قریب مرہٹوں نے چھترپتی شیواجی کی قیادت میں اس ضلع پر حملہ کیا۔ سنہ ۱۶۸۷ عیسوی میں دکن پر اورنگ زیب کا حملہ ہوا اور نظام کو مفتوحہ علاقہ کا صوبیدار بنایا گیا جنہوں نے سنہ ۱۷۲۳ء میں اپنی آزادی کا اعلان کردیا۔ سنہ ۱۷۶۱ء میں حیدر علی نے اس ضلع پر قبضہ کرلیا۔ حیدر علی کے بعد ٹیپو سلطان اپنے والد کے جانشین ہوئے۔ انگریزوں نے تین مرتبہ ٹیپو سلطان کے ساتھ جنگیں لڑیں اور انہیں پیشواؤں اور نظام کی مدد حاصل رہی۔ سنہ ۱۷۹۲ء اور سنہ ۱۷۹۹ء کی جنگوں کے بعد اس ضلع کا پورا علاقہ نظام کی عملداری میں آگیا۔

سنہ ۱۸۰۰ء میں یہ ضلع دوسرے تین ضلعوں کے ساتھ ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے ہوگیا۔

حدود اربعہ

ضلع اننت پور کے شمال میں ضلع کرنول واقع ہے۔ جنوب اور مغرب میں ریاست کرناٹک اور مشرق میں اضلاع کڑپہ اور چتور ہیں۔ ضلع کا رقبہ ۱۹۱۲۷ مربع کیلومیٹر اور آبادی سنہ ۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق ۲۶۱۸۲۳۹ نفوس ہے اور بولی جانے والی زبانیں تلگو اور کنڑا ہیں۔ موسم کی خشکی، بارش کی قلت، درختوں کی غیر موجودگی اور عام طور پر زمین کی کم زرخیزی اس ضلع کی اہم خصوصیات ہیں۔

پاریگی تعلقہ ہندوپور۔ بکا پٹنم تعلقہ پینوکنڈہ۔ دھرماورم اور بکاراپا سمندرم تعلقہ اننت پور میں واقع تمام تالاب وجیانگر دور حکومت سے تعلق رکھتے ہیں۔

ضلع کی اہم ندیاں پنار اور اس کی معاون چترادتی ۔ کمدوتی ۔ پاپگنی، ہگاری اور تاڑ اکلیرو ہیں۔ تنگبھدرا ہائی لیول کنال اس ضلع سے گذرتی ہے۔

آب وھوا و بارش

مارچ تا مئی گرمی کے مہینے ہیں اور

بر سے جنوری تک موسم سرد رہتا ہے۔ ضلع میں بارش کا اوسط ۵۴۶۰ لی میٹر ہے۔

اراضی

اراضیات دو اقسام کی ہیں سرخ اور سیاہ۔ آخرالذکر کا قبہ غالب مقدار میں ہے۔

معدنیات

راماگیری میں موجود سونے اور وجراکرور کے ہیروں سے پوری طرح ستفادہ کرنا ہنوز باقی ہے۔ بیرائٹس اور چونے کا پتھر اس ضلع کی دوسری عدنیات ہیں۔

جنگلات

ضلع میں جنگلات کا رقبہ ۲٫۱۳ لاکھ ہیکٹر ہے جو جملہ رقبۂ راضی کا ۱۱ فی صد ہے۔

آبادی

ضلع کی جملہ آبادی ۲۶۱۸۲۳۹ میں سے ۱۳۵۳۱۶۶ رد ہیں اور ۱۲۶۵۰۷۸ عورتیں ہیں۔ ۲۰٫۵۷ نفوس مواضعات میں ور ۲٫۶۳ لاکھ شہروں میں آباد ہیں۔

مویشی

ضلع میں مویشیوں کی جملہ تعداد ۱۹۵۳۵۷۹ ہے جس میں سے ۶٫۴۳ لاکھ بیل گائیں۔ ۲٫۱۶ لاکھ بھیڑیں ۱۲۲۷۰ بھینسیں ہیں رغیوں کی تعداد ۶٫۷۹ لاکھ ہے۔ مستقر اننت پور میں ایک علاج حیوانات کا دواخانہ ہے اس کے علاوہ ۱۳ دواخانے دوسرے مقامات پر ہیں۔ اربن لائیو اسٹاک سپروائزری یونٹس ۵۳ ہیں اور رورل لائیو اسٹاک سپروائزری یونٹس کی تعداد ۶۰ ہے۔

زراعت

جملہ ۱۹٫۱۳ لاکھ ہیکٹر اراضی میں سے حقیقی زیر کاشت اراضی کا رقبہ ۸٫۸۵ لاکھ ہیکٹر ہے۔ ضلع کی اہم فصل مونگ پھلی ہے۔ دھان ارنڈی اور کپاس دوسری فصلیں ہیں۔

صنعتیں

ضلع میں ۱۱۵۵ چھوٹی صنعتیں اور ۱۹ اوسط و بڑی صنعتیں جن میں جملہ ۶۵ کروڑ روپیوں کا سرمایہ مشغول ہے اور ۳۳۰۰۰ افراد کو روزگار حاصل ہے۔ ۴۷۵ بے روزگاروں کو ۴۰٫۶۹ لاکھ کے خرچ سے "گرامودیا" کے ذریعہ روزگار کے حصول میں مدد دی گئی۔

برقی

ضلع میں تمام مالگذاری مواضعات کو برقی کی فراہمی عمل میں لائی جا چکی ہے۔ ۲۰۵۰۶ قریوں میں سے ۱۳۰۰ کو برقی توت میسر ہے۔ اب تک ۳۶۰۲۷ زرعی پمپوں کو برقیا لیا گیا ہے۔

رسل و رسائل

ضلع میں ۲۱۹۵ کیلو میٹر محکمہ شوارع و عمارات کی سڑکیں۔ ۲۳۱۸ کیلو میٹر ضلع پریشد سڑکیں اور ۴۹۰۵ کیلو میٹر پنچایت سمیتی سڑکیں ہیں۔ ۹۵ کیلو میٹر براڈ گیج ریلوے لائن ہے جبکہ میٹر گیج ریلوے لائن ۲۵۱ کیلو میٹر ہے۔ گنتکل اس ضلع کا ایک اہم اور بڑا ریلوے جنکشن ہے۔ ۵ ہیڈ پوسٹ آفس ۱۸۸ سب پوسٹ آفس اور ۳۷ برانچ پوسٹ آفس ہیں۔ (۱۵۲) ٹیلی گراف آفس۔ ۷۰ دیہی ٹیلی فون اکسچینج۔ ۱۸۳ پبلک ٹیلی فون

اور ۷۰۰۴ ٹیلی فون خانگی چندہ دہندوں کے ہیں۔

تعلیم

ضلع میں دو یونیورسٹیاں ہیں سری کرشنا دیوارایا یونیورسٹی اننت پور میں اور سری ستیا سائی یونیورسٹی پُٹا پرتی میں۔ دوسرے تعلیمی اداروں میں ایک انجینئرنگ کالج۔ ایک پالی ٹکنک۔ ایک آئی ٹی آئی ۱۳ ڈگری کالج۔ ۲۹ جونیر کالج۔ ۲۱۳ ہائی اسکول۔ ۳۸ ۱ اپر پرائمری اسکول اور ۲۴۶۷ پرائمری اسکول شامل ہیں۔

طبابت و صحت

مستقر اننت پور میں واقع گورنمنٹ ہیڈ کوارٹرس ہاسپٹل کے علاوہ ضلع میں ۱۳ تعلقہ گورنمنٹ ہاسپٹل اور ۲۲ پرائمری ہیلتھ سنٹرس موجود ہیں جن میں مریضوں کے لیے جملہ ۹۱۵ بستر ہیں اور جن میں ۱۳۹ ڈاکٹر اور ۱۸۶ نرسیں متعین ہیں۔ علاوہ ازیں آٹھ ایکسرے یونٹس بھی ہیں۔

مواضعات اور شہر

ضلع اننت پور میں ۹۳۰ مواضعات اور ۱۱ شہر ہیں جن میں ۷ بلدیات ہیں۔ اہم شہروں کے نام معہ آبادی یہ ہیں ● اننت پور (۱۱۹۵۳۶)۔ ● گنتکل (۸۴۲۴۸) ● تاڑپتری (۵۳۹۳۴) ● ہندوپور (۵۵۹۰۰) ● کدیری (۵۲۷۵۲) ● دھرماورم (۵۰۹۵۵) ● گوٹی (۲۹۳۶۹) ● اروا کنڈہ (۲۱۶۳۵) ● پنوکنڈہ (۱۲۳۰۴) ● کلیان درگ (۱۷۰۵۰) اور ● رایا درگ (۳۲۷۴۵)

پنچایت سمیتیاں

ضلع میں ۱۶ پنچایت سمیتیاں ہیں جن میں سے ۲ درج فہرست اقوام کے لیے اور ایک درج فہرست قبائل کے لیے محفوظ ہے۔ سمیتیوں کے نام یہ ہیں۔ سنگنا ملا تاڑپتری، گوٹی، وردا کونڈا، کلیان درگ، رائے درگ (ایس سی) کانیکل، کمبا دور، مڈاکاسرا (ایس سی)، ہندوپور۔ مشرقی کدیری، مغربی کدیری (ایس ٹی)، پینوکونڈا، چنا پٹہ پلی، دھرماورم، کودیر۔

ریوینو منڈل

موجودہ ضلع اننت پور میں ۲۵ مئی ۱۹۸۵ء سے سابقہ تعلقوں کی جگہ پر ۶۳ ریوینو منڈل قائم ہوئے ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں۔ اننت پور، رپٹاڈو، گارلا دینّے، آتما کور، کوڈیر، سنگنا ملا، بوکا رایا سمندرم، نرپالا، تاڑپتری، یاڈیکی، پداپپور، پتلور، ایلانور، گنتکل گوٹی پامیڈی، کنتی پاڈو، اُرواکونڈا، وجراکدور، ودا پانا کالو، دھرماورم، تاڑی مری، بٹلاپلّی، چینا کوتہ پلی، کنگنی پلی، رامگیری، کلیان درگ، بیلو گپّا، کمبا دور، کندرپی، برہما سمندرم، ستیور، رایا درگ، ڈی ہیرہال۔ گمّا گٹا، کانیکل، لومناکل، پینوکونڈہ، سومندے پلی، اوڈم، پُٹا پرتی، کُٹ چردو، بوکا پٹنم، امراپورم، گوڈی بنڈا، اولا، اگالی، ہندوپور، پارگی، لیپاکشی، چیلامتور، گورنٹلا، کدیری، مڈی گبا، نلامدا، نمبولی پولی کنٹا۔ تالوپلا، نلاچردو، ایولا دیوارا چیرو، تنا کل، امارا گور، اور گنڈلا پینٹا۔

حلقہ جات اسمبلی

ضلع میں ۱۴ اسمبلی حلقے ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ کدیری، نلا ماڈا، گورنٹلا، ہندوپور، مڈاکاسیرا، پینوکونڈا، کلیان درگ (ایس سی) رایا درگ، اُرواکونڈا، گوٹی، سنگا ناملا (ایس سی) اننت پور، دھرماورم، اور تاڑپتری۔

اس ضلع میں ۲ لوک سبھا حلقے ہیں ہندوپور اور اننت پور۔

قابلِ دید مقامات

ہندوپور منڈل میں لیپاکشی مندر میں کی گئی رنگین تصویر کاری۔

پتھر سے تراشا ہوا بیل اور سات پھنوں والا ایک سانپ جو ایک ہی پتھر میں تراشا گیا ہے۔ دور و نزدیک کے سیاحوں اور محبانِ آرٹ کی دلکشی کا حامل ہے۔ پینوکونڈا میں وجیانگر راجاؤں کا تعمیر کردہ ایک قلعہ ہے اس میں موجود گگن محل سیاحوں کے لیے بڑی دلچسپی رکھتا ہے۔ پینوکونڈا میں ہی ایک بابا درگاہ ہے جہاں حضرت بابا فخرالدین مدفون ہیں۔ یہاں جنوری اور فروری کے مہینوں میں عرس ہوتا ہے جس میں ہزاروں لوگ جمع ہوتے ہیں۔ گوٹی میں پہاڑی پر مرہٹا سردار مراری راؤ کا تعمیر کیا ہوا ایک قلعہ ہے جو سرکاری نگرانی کے تحت تاریخی یادگار کی حیثیت کا حامل ہے

سرتھامس منرو کی چادلٹری ایک دوسری تاریخی عمارت ہے۔ جو گوٹی ہی میں موجود ہے۔ تاڑپتری میں وجیانگر راجاؤں کے تعمیر کئے ہوئے مندر ہیں۔

کدیری کے قریب کٹرو پلی میں یوگی ویمنا کی قبر بھی سیاحوں کے لیے کشش کا ایک مقام ہے۔ سولی بائیلو کا عظیم الشان برگد کا درخت ایشیاء میں اپنی نوعیت کا سب سے بڑا درخت مانا جاتا ہے۔ الورو کونا ایک خوبصورت وادی ہے جس میں مستقل نوعیت کے چشمے ہیں اور ایک چھوٹا آبشار بھی ہے۔ مڈکیرا منڈل میں ہیملوتی کے مقام پر مشہور زمانہ جین مندر ہے۔ ▲▲

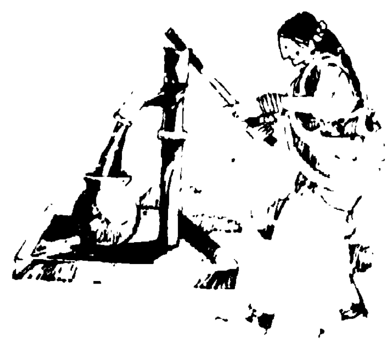


دیہی ہنر مندوں کی حوصلہ افزائی

دشوار حالات میں زندگی گذارنے والے دیہی ہنرمندوں
کو ایک نئی زندگی دینے ہر سیتی
میں دیہی ہنر کامپلکس قائم کیا جا رہا ہے۔ ان
ہنرمندوں کی باز آباد کاری کے لئے ۱۰ کامپلکس کا قیام
عمل میں لایا جا رہا ہے

دیہات کے لئے پینے کا پانی

پینے کے پانی کے لئے دور دور کی مسافت طے کرنے کی
مشقت بہت جلد ختم ہو جائے گی۔ (۱۰۰۰) افراد کی
آبادی پر مشتمل مقامات کے لئے
پانی کی سربراہی کا کم سے کم ایک ذریعہ فراہم کرنے کے
انتظامات کئے گئے ہیں اور اب ۶ ۸،۳۰ ۱۰ مقامات کو
پینے کے پانی کی سربراہی کا انتظام کیا گیا ہے۔



ریونیو منڈل

مسٹر این ٹی راما راؤ کی سرکردگی میں حکومت آندھرا پردیش نے نظم و نسق کو غیر مرکوز کرنے کا عزم کیا ہے۔ نظم و نسق کی غیر مرکوزیت اور انتظامی مرحلوں میں کمی کے باعث حکومت کی جانب سے اختیار کئے جانیوالے عوامی بہبود اور ترقیاتی پروگرام زیادہ موثر طور پر اور بہتر کارکردگی کے انداز میں روبہ عمل لائے جاسکیں گے۔ تجربہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ نظم و نسق جتنا غیر مرکوز ہوگا اتنا ہی عوامی تعاون اور شراکت خاص طور پر ترقیاتی اور معاشی بہتری کے پروگراموں کی عمل آوری میں حاصل رہے گا۔ اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے حکومت نے آندھرا پردیش ڈسٹرکٹ (فارمیشن) ایکٹ ۱۹۷۴ء میں ترمیم کرتے ہوئے منڈل نظام شروع کرنے کا تصفیہ کیا ہے جس کے نتیجہ میں ۲۵ رمئی ۱۹۸۵ء سے ریاست میں موجود ۳۰۵ تعلقوں اور ۱۰۸۴ "فرکوں" (قصبوں) کی بجائے ۱۱۰۴ ریونیو منڈل قائم کئے گئے۔

چیف منسٹر نے ریونیو منڈلوں کی تشکیل کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ "ایک مثالی حکومت کو چاہیئے کہ وہ غریب آدمی کی جھونپڑی کے دروازے تک پہنچے، دستک دے، اس کی خیریت دریافت کرے اور اس کے مسائل حل کرے، حکومت کے فلاحی پروگراموں کے فوائد ان لوگوں تک پہنچنے چاہئیں جن کے لیے یہ پروگرام مدون کئے گئے ہیں۔ بصورت دیگر غریب آدمی کی نجات نہ ہوسکے گی اس کے مسائل کا کوئی حل نہ نکل سکے گا اور زراعت پیشہ طبقہ کی مشکلات ختم نہ ہوسکیں گی۔ توقع ہیکہ یہ منڈل چھ کروڑ ریاستی عوام کی ہمہ جہتی ترقی اور بہتری کے لیے پوری لگن کے ساتھ کام کریں گے۔

ریونیو منڈل افسر ایک تحصیلدار یا نائب تحصیلدار کے مرتبہ کا حامل ہوگا۔ اسے وہ تمام اختیارات حاصل رہیں گے۔ ایم۔ آر۔ او کی مدد کے لیے ایک سرویر یا لینڈ ریکارڈس کا انچارج ایک نائب سرویر اور دوسرا موزوں عملہ مقرر کیا جائے گا۔

متعلقہ تعلقہ کی آبادی کی گنجائنیت کا لحاظ کرتے ہوئے عموماً ۳۵۰۰۰ اور ۵۵۰۰۰ کی آبادی کے لیے ایک منڈل ہے۔ قبائلی علاقوں اور دوسرے کم گنجان آبادی والے علاقوں کی حد تک مقدار آبادی کے لزوم میں نرمی رکھی گئی ہے۔

اس بات کی توقع کیجاتی ہے کہ منڈل نظام کے نفاذ کے نتیجہ میں دیہی عوام ان خدمات اور سہولتوں سے استفادہ کریں گے۔ جو اب ایک عام آدمی کی رسائی میں ہیں۔ حکومت چاہتی ہے کہ روزمرہ کی ضروریات



مسٹر این ٹی راما راؤ چیف منسٹر آندھرا پردیش نے ۱۷ رجون ۸۵ء کو جوبلی ہال میں رمضان کے موقع پر افطار پارٹی کا اہتمام کیا اور باجماعت نماز میں شرکت کی۔

جیسے علاج و معالجہ کی سہولیات، تعلیم، مراکز نوجوانان پولیس اسٹیشن ارکٹ و تجارتی مراکز۔ زرعی خدمات کے مراکز اور دیہی صنعتوں کی سہولیات منڈل کے مستقر مقام پر فراہم کی جائیں جو معاشی ترقی کے سرچشمہ کی حیثیت کا حامل ہوگا۔ منڈل کا مستقر مقام ایسی جگہ ہو گا جہاں مواضعات میں آباد عوام بڑی آسانی کے ساتھ پہنچ سکتے ہیں۔

عوامی تعاون

اس اہم اور بڑی اصلاح کے نتیجہ میں چیف منسٹر کو بہتر نظم و نسق تیز رفتار معاشی ترقی اور بہتر عوامی فلاح و بہبود کی قوی امید ہے۔ توقع ہیکہ اس اصلاح کا خیرمقدم ہر ایک اور تمام لوگوں کیجانب سے کیا جائے گا اور تمام متعلقہ اصحاب کا بھرپور تعاون اس نئی اسکیم کی بہتر کارکردگی میں حاصل رہے گا ▲▲

سید زین العابدین (جرنلسٹ)
۳۵۸-۶-۱۵ بیگم بازار، حیدرآباد

پنڈت نہرو

ایک ہشت پہلو شخصیت

پنڈت نہرو ہندوستان کی ان عظیم شخصیتوں میں سے ایک ہیں جنھیں نہ صرف ہندوستان بلکہ امن عالم کے خواہاں کروڑہا عوام آج بھی یاد کرتے ہیں وہ اپنے نام کے مصداق اور خاندانی نسب سے موتی کا جواہر اور ایک حقیقی لعل تھا ہندوستان کی تاریخ میں بہت کم شخصیتیں ایسی گذری ہیں جنہوں نے اپنے اخلاق عمل اور کردار کے نقوش چھوڑے ہیں اور تاریخ کو ان عظیم شخصیتوں کے تعارف کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ وہ خود وقت کے ساتھ متعارف ہو جاتے ہیں اور ہر حالات میں ایسے ہی لوگوں نے آگے بڑھکر پیچیدہ حالات کا مقابلہ کیا ہے۔ ملک کی قدیم تاریخ میں اشوک اعظم بدھ، چندر گپت، ظہیرالدین بابر اور اکبر اعظم جیسی شخصیتوں کا ذکر کیا جاتا ہے وہیں جدید تاریخ میں ہم صرف دو سپوت ماؤں کے نام پاتے ہیں ان میں بابائے قوم مہاتما گاندھی اور دوسری شخصیت قوم کے محبوب رہنما، موتی لال نہرو کے فرزند، آنجہانی وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کے والد اور وزیر اعظم مسٹر راجیو گاندھی کے نانا پنڈت جواہر لال نہرو ہیں جن کی ۲۷ مئی کو ہم نے (۲۱) ویں برسی منائی پنڈت نہرو نہ صرف (۱۷) سال تک ہندوستان کے وزیر اعظم رہے بلکہ جدید ہندوستان کے معمار بھی ہیں اگرچہ مہاتما گاندھی روحانی سربراہ اور جدوجہد آزادی کے سرگرم و سرکردہ رہنما تھے تو جواہر لعل نہرو وہ سیاسی قائد تھے جنھوں نے تحریک آزادی میں حصہ لینے کے ساتھ ساتھ ہندوستان کو ایک خوشحال اور ہمہ جہتی ترقی کا حامل ملک بنانے کا ایک خاکہ تیار کیا۔ ہندوستان کو ایک سیکولر سوشلسٹ اور جمہوری ملک بنانے کا سہرا صرف اور صرف پنڈت نہرو کے سر جاتا ہے ان کا شمار نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا کے ایک سچے شہری کی حیثیت سے دنیا کے عظیم رہنماؤں میں کیا جاتا ہے۔ انہوں نے عدم تشدد، باہمی اشتراک و تعاون اور عالمی امن کے پیام کا پرچار کیا۔ پنڈت نہرو سے قبل دنیا دو حصوں میں منقسم تھی یہ نہرو ہی تھے جنہوں نے تیسری دنیا کو ایک نیا راستہ دکھایا دوسرے معنی میں نہرو نے دنیا کو تیسری عالمی جنگ کے خطرات سے بچایا۔ ایک قومی ہیرو کی حیثیت سے ابھرنے والے اور بلاوقفہ (۱۷) سال تک وزارت عظمیٰ کے عہدہ پر فائز رہنے والے پنڈت نہرو ہی نے ملک کی ہمہ جہتی ترقی اور خوشحالی کے لیے ترقی یافتہ سائنس و ٹکنالوجی سے استفادہ کی بنیاد ڈالی نہرو نے کئی مصائب اور دیگر حالات کے باوجود ملک کی معاشی ترقی کے لیے کوئی کسر باقی نہیں رکھی اور سائنس اور ٹکنالوجی کے شعبوں میں امریکہ اور روس کے بعد ہندوستان کو تیسرا مقام دلایا اور آج ہندوستان کے سائنسداں، انجینئرس اور فنی ماہرین نہ صرف اپنے ملک بلکہ دوسرے ممالک کی ترقی و خوشحالی میں بھی اہم رول ادا کر رہے ہیں۔ آج کوئی بھی شخص پنڈت نہرو کے تاریخی دور کے

بغیر جدید ہندوستان کا تصور بھی نہیں کر سکتا کیونکہ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کا حصہ ہیں۔ دنیا میں ایسے کئی قایدین اور رہنما گذرے ہیں جن کے لئے لاکھوں عوام کے دلوں میں عزت اور جگہ ہے مگر پنڈت نہرو اس سے مختلف تھے۔ وہ قایدین میں ایک باوقار قائد، ہیروؤں میں ہیرو تھے ان کی مقبولیت غیر متزلزل تھی اور عصری تاریخ میں ان کے اثرات ناقابل فراموش ہیں۔ انہوں نے ہندوستان کے ساتھ ساتھ دوسرے کئی ممالک میں بھی نئی تبدیلیاں لائیں ہندوستان کی آزادی کے بعد ایشیاء افریقہ اور ساؤتھ امریکہ کے کئی ممالک کی نظریں ہندوستان پر تھیں اور اس سے ایک امید لگا رکھے تھے۔ انڈونیشیاء، مصر اور دیگر ممالک نے بھی سیاسی آزادی حاصل کرنے کے بعد معاشی آزادی اور سماج میں انصاف کے لیے نئی جدوجہد کا آغاز کیا۔ ہندوستانی قائد نے اس جانب خصوصی دلچسپی لی اور کئی طریقوں سے ان کی مدد کی۔

پنڈت نہرو کے عظیم ہونے کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ وہ غیر جانبدار ممالک کے قائدین سے اشتراک حاصل کرنے کے قابل تھے انہوں نے غیر جانبدار تحریک کو دنیا میں پھیلانے کا مل اشتراک و تعاون کیا۔ انہوں نے غیر جانبدار تحریک کے قایدین یوگاسلاویہ کے مارشل ٹیٹو، مصر کے جمال عبدالناصر، انڈونیشیا کے ڈاکٹر سکورنو، سری لنکا کے بندرانائیکے اور دوسروں سے قریبی ربط قائم کیا۔ تیسری دنیا کے قائدین کا یہ گروپ ایک علحدہ گروپ ہی نہیں تھا بلکہ دنیا والوں کے لیے قابل قبول بھی تھا انہیں نہ صرف سوویت بلاک اور دیگر سرمایہ دارانہ ممالک کی طرف سے مناسب اہمیت ملی۔ اس طرح ہمارے عظیم رہنما پنڈت نہرو نے وہ کارنامہ انجام دیا جس کا دنیا تصور تک نہیں کر سکتی تھی۔

پنڈت نہرو کے خیال کے بغیر ایک مستحکم و متحد ہندوستان کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے ہندوستانی عوام کو متحد ہونے کا راستہ دکھایا کیونکہ کثرت میں وحدت ہے اور یہ صرف اور صرف نہرو تھے جنہوں نے ایک فلسفہ اور نظریہ کو حقیقی شکل دی۔ آج اس عظیم قائد کو خراج عقیدت ادا کرنے کا واحد طریقہ یہ ہوگا کہ ہم ہندوستان کے اتحاد، اسکی سالمیت اور معاشی و صنعتی ترقی کی راہ میں حائل رکاوٹوں کا ڈٹ کر مقابلہ کریں۔ ▲▲

کابینہ کے فیصلے

اسکول کے بچوں کیلئے ہیلتھ اسکیم

ریاستی کابینہ نے یکم جولائی ۱۹۸۵ء کو اپنے اجلاس میں پرائمری سطح کے بچوں کے باقاعدہ معائنے اور انکی صحت کی بہتری کے لیے ایک اسکیم منظور کی ہے۔ اس مقصد کے لیے بچوں کی صحت سے متعلق باقاعدہ کارڈس رکھے جائینگے۔ یہ اسکیم توقع ہے کہ ۴۰ ہزار اسکولوں کے ۵ لاکھ بچوں پر محیط ہوگی اور اس اسکیم کے انتظامات پر ۱۶ء۳ کروڑ روپیوں کے اخراجات عمل میں آئینگے۔ ان بچوں کی صحت کا معائنہ پرائمری ہیلتھ سنٹرس اور دوسرے اداروں کے عملے کی جانب سے کیا جائے گا۔ اور جن بچوں کے مزید معائنے اور علاج کی ضرورت لاحق ہوگی انہیں فوراً ستقر ہسپتالوں اور دوسرے ماہر طبی اداروں کے حوالے کیا جائے گا۔

بچوں کی صحت کے موقف سے متعلق تفصیلات ایک خصوصی طور پر تیار کئے ہوئے کارڈ میں پانچ سال کی مکمل عرصہ تک مسلسل درج کئے جاتے رہیں گے۔ تاکہ ان کے جسمانی نشو و نما سے متعلق معلومات حسب ضرورت دستیاب رہیں۔ پہلے کام کرنے والوں کے بچوں کو بشمول اسکول ہیلتھ کارڈ دیا جائے گا۔ جن کا علاج تمام سطحوں پر مفت ہوگا کمپیوٹر اور موزوں آلات کے ذریعہ مختلف امراض کی موجودگی اور شدت سے متعلق معلومات حاصل کی جائیں گی جسکی بدولت علاج و معالجہ میں سہولت اور آسانی ہوگی۔

تعلیمی، نیم طبی اور طبی عملے کی مناسب تربیت کا اہتمام کیا جائے گا تاکہ اس پروگرام کو بہتر طور پر روبہ عمل لایا جاسکے۔ اسکیم پر عمل آوری ۸۶-۱۹۸۵ء کے تعلیمی سال سے شروع ہوگی اور آندھرا پردیش وہ پہلی ریاست ہوگی جہاں اس طرح کی اسکیم کو عام بنیاد پر روبہ عمل لایا جائے گا۔

خانگی انجینئرنگ کالجوں کو امداد

کابینہ نے فیصلہ کیا ہے کہ پروفیسر کے۔ کوٹیشور راؤ، پرنسپل، ریجنل انجینئرنگ کالج ورنگل کی صدارت میں قائم کردہ ماہرین کمیٹی کی سفارشات کی بنیاد پر ریاست کے خانگی انجینئرنگ کالجوں کو سال ۱۹۸۵ء کے لئے [illegible] لاکھ روپے کی امداد جاری کردی جائے۔

یونیفارم الاؤنس

ریاستی کابینہ نے صحت عامہ کے عملے کے لئے تین جوڑ یونیفارم اور دس روپے ماہانہ دھلائی الاؤنس کی ادائی سے متعلق اسکیم کی عمل آوری کا فیصلہ کیا ہے اس اسکیم پر ۲ لاکھ روپے خرچ ہوں گے۔ اسکیم پر ۸۶-۱۹۸۵ء سے تین مرحلوں میں اسکی عمل آوری ہوگی۔

مقبول احمد سراج

ایک نباتاتی عجوبہ

حیدرآباد کے مضافات میں واقع تاریخی قلعہ گولکنڈہ کے ایک تنہا گوشے میں ایستادہ "ہتھیان کا درخت" ایک نباتاتی عجوبہ ہے اور صدیوں سے اس قلعہ کے سیاحوں کو اپنی جانب دعوتِ نظارہ دیتا رہا ہے۔

یہ "نایاب"، قدیم اور انتہائی عظیم الجثہ درخت اس لحاظ سے یقیناً ایک عجوبہ ہے کہ اس کے انتہائی چوڑے تنے میں ایک غار واقع ہے جس کا رقبہ سو مربع فیٹ ہے۔

شاید اس کا نام "ہتھیان کا درخت" اس کے غیر معمولی حجم اور جسامت کی وجہ سے ہی دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی یہ کئی معاملات میں ہاتھی سے مشابہ ہے۔ اولاً اس کا تنا جو گولائی میں ۸۵ فیٹ ہے۔ انتہائی غیر معمولی حد تک قوی ہے۔ اگر دو افراد درخت کے دو مخالف سمتوں میں کھڑے ہو کر گفتگو کریں تو یہ آپس کی دھیمی آوازوں کو بھی نہیں سن سکتے۔ درخت کے تنے سے نکلنے والی شاخیں ہاتھی کی سونڈ کی مانند اوپر اٹھتی ہیں۔ ثالثاً تنے کی چھال سے جو الگ نہیں کی جا سکتی ہاتھی کی جلد کی مانند جھریاں پڑی ہوئی ہیں۔ یہ جھریاں درخت کی قدامت کی بھی غماز ہیں۔ ان تمام وجوہات کی بناء پر درخت کا یہ نام مناسب [illegible] ہوتا ہے۔

مگر ان تمام کے علاوہ جو سب سے محیر العقول چیز اس درخت سے وابستہ ہے وہ یہ کمرہ ہے جو اس کے تنے میں واقع ہے۔ کوئی درخت کو یہ دیکھ کر گمان کر سکتا ہے کہ یہ درخت کئی تنوں کے آپس میں ضم ہونے کی وجہ سے اس قدر چوڑا ہے، مگر عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبہ نباتات کے ریڈر جناب این۔ رائیہ کے بموجب یہ خیال درست نہیں۔ انہوں نے تردید کرتے ہوئے کہا کہ یہ ایک واحد درخت ہے جو "بمباکیسی" نامی نباتاتی خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ انہوں نے مزید بتایا کہ یہ درخت صدیوں پرانا ہے اور اس کا مرکزی حصہ جو تنے میں کوئی عملی کردار ادا نہیں کرتا وہ پچھلی صدیوں میں آہستہ آہستہ مڑ کر غائب ہوتا رہا ہے۔ اس کے علاوہ چڑیوں اور حشرات الارض کی یلغار اور ان کے گھونسلوں اور بلوں کے لیے بھی یہی حصہ کام آتا رہا۔ قدیم زمانے سے چلے آنے والے اس عمل کی بدولت آج یہ حصہ ایک غار نما کمرے کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ قدرت نے بھی اس میں مزید پُرکاری کی ہے اور یہ کمرہ ایک گنبد نما چھت سے ڈھکا ہوا ہے۔ اس کا دہانہ زمین سے چھ سات فٹ کی اونچائی پر واقع ہے جہاں سے اس غار کے اندر داخل ہوا جا سکتا ہے۔ اندر تقریباً ۲۰ تا ۲۵ افراد کے بیٹھنے یا پناہ لینے کی گنجائش ہے۔ قدرت کی صناعی کا ایک اور نادر نمونہ وہ سوراخ ہے جو کمرہ کی چھت میں روشن دان کی طرح واقع ہے۔ اور اس کی روشنی میں کمرہ کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔

مقامی لوگوں میں درخت سے متعلق کئی کہانیاں عام ہیں۔ جن میں سے ایک میں اس کمرہ کو سات چوروں کی پناہ گاہ قرار دیا گیا ہے۔

درخت کی عمر کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ محکمہ آثار قدیمہ اس

کی عمر کا اندازہ ساڑھے تین سو برس کرتے ہیں کیونکہ ان کے مطابق اسے قلعہ گولکنڈہ کی باہری فصیل کی تعمیر کے وقت لگایا گیا تھا۔ یہ فصیل قطب شاہی خاندان کی حکومت کو اورنگ زیب عالمگیر کی فوجی خطرے سے بچانے کے لیے تعمیر کی گئی تھا۔ یہ فوجی حملہ ۱۶ ویں صدی کے اختتام کے وقت کیا گیا تھا۔

ماہرین نباتات اس کی عمر (۷۰۰) برس بتاتے ہیں کیونکہ تنے کو اس قدر فربہ ہونے اور اندرونی حصہ کے منتشر ہونے میں یہ وقت درکار ہے۔ سیاحی گائیڈ اس کی عمر (۷۵۰) برس بتلاتے ہیں مگر اس عمر کے باوجود درخت، اب تک کسی پیرانہ سالی کے آثار سے مبّرا ہے۔ ہر برس یہ پابندی کے ساتھ خزاں کا شکار ہوتا ہے اور نئی کونپلیں نکلتی ہیں۔

ڈاکٹر راشیہ نے بتایا کہ یہ درخت وسطی افریقہ کے مرطوب علاقوں کا باشندہ ہے ہندوستان میں کسی سیاح نے اسے متعارف کرایا ہے۔ اس کا قریبی رشتہ دار لال ریشمی روئی (سیل) کا درخت ہے۔ درخت کی چھال علاحدہ نہیں کی جاسکتی۔

درخت جس ماحول میں واقع ہے اس سے اندازہ لگتا ہے کہ ہمارے ملک میں ایسے قدرتی عجائب کو محفوظ کرنے کی کوئی تدبیر نہیں کی جاتی۔ درخت کے چاروں جانب کوئی حفاظتی حصار نہیں ہے۔ درخت کی خصوصیات سیاحوں کو بتانے کے لیے اس کے قریب محکمہ آثار قدیمہ کی ایک عدد تختی لگانی چاہیے۔ سیاحوں نے انتہائی بے دردی سے درخت کے تنے اور شاخوں پر اپنے نام کھود ڈالے ہیں۔ جن سے بچانے کے لیے حفاظتی تدابیر اختیار کرنی چاہیئے۔ مگر اس قدآور درخت نے صدیوں سے ایسی یلغاریں برداشت کی ہیں اور شاید اس کی بقا صرف اس کی مضبوطی کی وجہ سے ہی ممکن ہوئی۔ جامعہ عثمانیہ اور اسٹیٹ آرکائیوز کے پاس بھی درخت کے متعلق معلومات کا کوئی ریکارڈ نہیں ▲▲

ریاست آندھرا پردیش کی نمایاں خصوصیات

۱۔ رامپا ٹینک
۲۔ پاکھالا ٹینک
۳۔ تنگبھدرا انی کٹ
۴۔ دولیشورم انی کٹ
۵۔ سنگم انی کٹ
۶۔ نیلور انی کٹ
۷۔ ٹرما پلی
۸۔ عثمان ساگر
۹۔ نظام ساگر
۱۰۔ تنگبھدرا پراجکٹ
۱۱۔ اپور
۱۲۔ پرکاشم بیراج
۱۳۔ رالا باڈ
۱۴۔ بالائی پینار
۱۵۔ بھیرادانی تیا
۱۶۔ موسیٰ ندی
۱۷۔ ناگرجنا ساگر
۱۸۔ وسطی پینار
۱۹۔ بوچم پاڈ
۲۰۔ سری سیلم
۲۱۔ دسا دھارا
۲۲۔ سرما سلہ

چاول بشرح ۲ روپے فی کیلو : ۹۶۶۵۴ لاکھ خاندانوں کو فائدہ پہونچا ہے

ادیب حیدرآبادی

۱۷-۳-۴۸۴ یاقوت پورہ، حیدرآباد ۵۰۰۰۲۳

شاہانِ دکن کا ذوقِ تعمیر

سرزمین دکن کے مشرقی خطّے میں گولکنڈے کی سلطنت قائم ہوئی تھی جو قرونِ وسطیٰ میں تلنگانہ کہلاتی تھی اور آج کل آندھرا پردیش سے موسوم ہے۔ اس خطّے پر تیرھویں صدی عیسوی میں کاکتیا خاندان کے راجاؤں کی حکومت تھی۔ یہ علاقہ شمال میں سکاکول سے شروع ہوتا اور جنوب میں چتوڑ پر ختم ہوتا ہے اس کے مشرق میں ساحل سولی پٹنم اور موٹ پلی اور مغرب وشمال مغرب میں کرہیر دکولاس واقع ہیں۔ مشرقی گھاٹ کے پہاڑی سلسلے حائل ہوکر اسے شمالی ہند سے جدا کرتے ہیں۔ ان دونوں خطوں کی آب وہوا میں کافی فرق پایا جاتا ہے۔ شمالی ہند کی طرح یہاں سخت سردی اور سخت گرمی نہیں پڑتی البتہ بارش کافی ہوتی ہے۔ اس سرزمین پر گوداوری، کرشنا، تنگبھدرا اور چنار جیسی بڑی ندیاں بہتی ہیں۔ اسی سبب سے یہاں دو فصلہ زراعت ہوتی ہے۔ قدیم زمانے سے اس علاقے میں تلنگو، اور تلنگی زبان وتمدن کا سراغ ملتا ہے۔ پلیکیسن ثانی کے بھائی کبجا وشنو وردھن اور اس کے جانشینوں کی خودمختاری کے نتیجے میں جب تلنگانے کی اکائی اُبھر گئی تو تلنگی زبان وتہذیب کو خاصا فروغ حاصل ہوا۔ تلنگانے میں کاکتیا خاندان کی عملداری کے قائم ہونے کے بعد بارھویں اور تیرھویں صدی عیسوی کا زمانہ تلنگانے کی غیرمعمولی ترقی کا عہد سمجھا جاتا ہے مگر چودھویں صدی عیسوی میں خلجی اور تغلق حملہ آوروں نے یہاں ترکی عملداری قائم کردی سنہ ۱۳۴۵ء میں دکن کی خودمختار سلطنت قائم ہوئی اور دو سال بعد اس نئی سلطنت نے علاؤالدین بہمن شاہ کی سرکردگی میں بہمنی روپ اختیار کرلیا چنانچہ سنہ ۱۳۴۷ء میں بہمنی سلطنت قائم ہوئی۔ اس حکومت کا پہلا حکمراں علاؤالدین حسن بہمن شاہ تھا۔ بہمنی حکومت کی ارتقائی رفتار فیروز شاہ بہمنی کے آخری دورِ حکمرانی تک کم وبیش سو سال برقرار رہی لیکن فیروز شاہ کے جانشین احمد ولی بہمنی کے زمانۂ حکمرانی (سنہ ۱۴۲۲ء) سے یہ سلطنت طبقہ واری کشمکش کا شکار ہونے لگی اور یہی کشمکش احمد شاہ کے لیے پیامِ مرگ ثابت ہوئی اور خلفِ بصری اور محمد شاہ لشکری کے وزیر محمود گاواں کو بھی اسی کشمکش کے نتیجے میں جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔ سنہ ۱۴۸۱ء میں محمود گاواں کو قتل کیا گیا اور اس کے بعد ہی بہمنی حکومت کا شیرازہ بکھرنے لگا۔ سنہ ۱۴۹۰ء میں مختلف صوبوں کے حاکم خودمختار ہوگئے اور نظام شاہی، عادل شاہی، اور عماد شاہی سلطنتیں قائم ہوگئیں۔ سلطان قلی سنہ ۱۴۹۶ء میں تلنگانے کا صوبہ دار ہوا تھا۔ نظام شاہی اور عادل شاہی سلطنتوں کے بانی، محمد شاہ لشکری کے عہدِ حکومت کے صوبہ دار تھے جو سنہ ۱۴۹۰ء میں خودمختار ہوگئے مگر سلطان قلی نے اپنے محسن ومربّی سلطان محمود شاہ کے انتقال کے بعد سنہ ۱۵۱۸ء میں اپنی خودمختاری کا اعلان کیا۔ قطب شاہی دور کا تمدن اپنی جگہ اس قدر مضبوط تھا کہ گولکنڈہ کے زوال کے بعد بھی برابر یہ قائم وبرقرار رہا چنانچہ آج تک اس کے کچھ نہ کچھ آثار یہیں دستیاب ہوتے ہیں اور اس سلطنت کے شاعروں اور ادیبوں نے اپنے ٹھوس ادبی خدمات کا جو قابلِ قدر سرمایہ چھوڑا وہ قطب شاہوں کی بیش بہا یادگار ہے گولکنڈے کی علمی سرگرمیوں کا آغاز ابراہیم قطب شاہ کے دورِ حکومت میں ہوا جب کہ سلطنت کے استحکام کی بدولت وہ مطمئن سا تھا اور اس کے جانشینوں محمد قلی قطب شاہ

اور سلطان محمد کے ادوار کا فن پرامن اور علمی و تمدنی ترقیوں کے آئینہ دار رہے ہیں۔ محمد قلی قطب شاہ اور سلطان محمد دونوں اچھے شعر گو تھے جن کے کلام سے ان کے خوش ذوق اور بلند خیال شاعر ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ سلطان محمد اپنے اردو کلام میں سلطان تخلص کرتا تھا اور فارسی میں ظلّ اللہ۔ اس کے علاوہ وہ مصنف بھی تھا چنانچہ تصوّف، اخلاقیات، سائنس اور فلسفہ کے موضوعات پر حسبِ ذیل نو کتابیں خود اسی کی لکھی ہوئی ہیں۔ روح القدس، ظفر القلوب، قدرت نامہ، مصباح الارواح، احکام المحبین، نہایت الحکم، ہدایت المحبت، ہدایت اللمعہ، فتح ابواب۔ اس کے عہدِ حکومت میں اسی کی فرمائش کی بنا پر تاریخ قطب شاہی بھی لکھی گئی۔

کلچرل نقطۂ نظر سے دکن کی سلطنتوں کا سرسری جائزہ لیا جائے تو پتہ چلے گا کہ بیدر کے عالم المخاطات کے سوا فنونِ لطیفہ اور خاص کر فنِ تعمیر میں بہمنیوں نے کوئی قابلِ لحاظ حصہ نہیں لیا۔ البتہ قاسم برید نے فنِ خوشنویسی میں تھوڑا بہت امتیاز حاصل کر لیا تھا۔ بیدر کا مدرسہ محمود گاواں اور بیجاپور و احمد نگر کی عمارتیں بھی اگرچہ اپنی کچھ نہ کچھ حیثیت رکھتی ہیں لیکن قطب شاہی سلاطین کی بنائی ہوئی متعدد عمارتوں کا جواب نہیں۔ سلطان محمد قلی قطب شاہ کے عہدِ حکومت میں تعمیری کام اتنا زیادہ ہوا کہ مورخین نے سلطان محمد قلی کو سرزمین دکن کی تعمیرات کا باوا آدم" تحریر کیا ہے۔

اس بادشاہ نے سب سے پہلے چارمینار کا سنگِ بنیاد وسطِ شہر میں رکھا۔ یہ (۱۸۹) فیٹ بلند عمارت سنہ ۹۹۰ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچی جس کا مادّہ تاریخ "یا حافظ" ہے۔ اس کے بالائی حصے میں ایک مسجد اور اس مسجد کا ایک حوض بنایا گیا تھا۔ اس حوض میں جل پلّی کے تالاب سے پانی پہنچایا گیا تھا۔ سنہ ۱۱۸۵ھ تک تو یہ حوض موجود تھا مگر اب نہیں پایا جاتا۔ فنِ تعمیر کی شاہکار اور نادر عمارت" چارمینار" کی تیاری میں دو لاکھ باوان ہزار یا تین لاکھ روپیے صرف ہوئے تھے۔ عالی حوصلہ سلطان نے شہر حیدر آباد کے بسنے کے لیے متعدد قصر اور کئی مختلف عمارتیں بنوائیں۔ چارمینار کی شمال مغربی جانب" دولت خانۂ عالی" تعمیر کیا گیا جس کے جلو خانے میں چاروں جانب چار اونچی اونچی کمانیں بنائی گئیں اور جلو خانے کے درمیان سواروں اور رہواروں کو سیراب کرنے کے خیال سے ایک ہشت پہلو حوض تیار کیا گیا۔ اس جلو خانے کی مغربی سمت میں شاہی محلات کا سلسلہ پڑنا شروع ہوا چنانچہ اس طرف کی کمان کو دروازۂ دولت خانہ کہا جاتا تھا جس کی چوکھٹ کے تیار کرنے کے لیے یہ اہتمام کیا گیا تھا کہ کمان میں چھ فیٹ چوڑے اور ساٹھ فیٹ اونچے صاف و سیاہ دو سنگِ خارا نصب کر کے ان پر چھتیس ۳۶ فیٹ کا پتھر رکھا گیا۔ اس چوکھٹ میں صندل کی لکڑی، ہاتھی دانت اور سونے کا ایک دروازہ لگایا گیا جس میں داخل ہوتے ہی ایک وسیع و عریض رقبے میں متعدد قصر دعوتِ نظارہ دیتے تھے جس کی جنوبی جانب دفتر خانۂ شاہی اور مغربی سمت میں جاندار خانہ اور کارخانہ ہائے عامرہ وغیرہ بنائے گئے۔ اس وسیع فضا کے شمال میں ایک اور دروازہ نصب کیا گیا تھا جس میں داخل ہونے کے بعد ایک اور وسیع میدان ملتا جس کے چاروں جانب سپاہیوں، حوالداروں، سلحداروں اور شب نویسوں کے لیے بڑے بڑے ہال تعمیر کئے گئے تھے۔ ان سے گزرنے کے بعد ایک عالی شان عمارت" چندن محل" سے موسوم تھی جس میں چند سلحدار باری باری اپنے فرائض منصبی ادا کیا کرتے تھے۔ چندن محل کے آگے ایک اور قصر تھا جسے "گگن محل" کہتے تھے جس میں خاص ترک، عرب اور دکنی سلحدار حاضر رہا کرتے تھے اس کے بعد "صدر صُفّہ" تھا جس میں خاص خاص مقرب ملازمین شاہی ٹھیرتے تھے صدر صُفّہ کے بعد سجن محل تھا جو چند خوبصورت عالی شان عمارتوں پر مشتمل تھا اور جس میں اعیان دربار اور عُلما و فُضلا ٹھہرتے تھے۔ اس محل کی مشرقی سمت میں ایک بہت بڑا ہال تھا جہاں شاہی مطبخ کے پکے ہوئے انواع و اقسام کے کھانے روزانہ دس ہزار سادات علما فضلا اور امراے دربار وغیرہ کو دن رات کھلائے جاتے مذکورۂ بالا عمارتیں باعتبارِ محل وقوع بیرونی تھیں۔ اصل شاہی قیام گاہ "خداداد محل" سے موسوم تھی جس پر محمد قلی قطب شاہ نے ایک نظم کہی۔ داد محل کے نام سے بھی سلطان نے ایک محل بنوایا تھا جس کا رُخ اس سڑک کی طرف رکھا گیا تھا جو گولکنڈے سے چارمینار کو آتی ہے۔ بادشاہ اس محل کے بیرونی جھروکے میں اس غرض سے بیٹھا کرتا تھا کہ فریادیوں اور مظلوموں کا دکھڑا خود سن کر ان کے حق میں انصاف کرے۔ داد محل چار منزلہ تھا جس کے بظاہر چار جُدا جُدا

محل نظر آتے تھے۔

شہر حیدرآباد ایک خاص نقشے کے مطابق تشکیل دیا گیا تھا۔ شہر کے بیچوں بیچ چارمینار کی خوبصورت عمارت تعمیر کر کے اس کی چاروں جانب سیدھی سڑکیں بنائی گئیں۔ چبوترے متساوی الاضلاع بنا کر بازار اور دکانیں اس طرح تعمیر کی گئیں کہ ہر دکان کا برامدہ بنایا گیا تاکہ خوشنمائی کے ساتھ بیوپاری اور گاہک دھوپ اور بارش کے پانی سے محفوظ رہیں۔ شہر میں ابتداً چودہ ہزار دکانوں پر مشتمل چار بازار بنائے گئے جہاں شہری زندگی کی ہر چھوٹی بڑی چیز بہ آسانی دستیاب ہو جاتی تھی۔ اہلِ شہر کی مذہبی اور سماجی ضروریات کے لیے بے شمار محلے خانقاہیں حمام، مساجد، مدارس اور لنگر خانے اور کاروان سرائیں تعمیر کی گئیں۔ بیماروں کے علاج معالجہ کے لیے دارالشفا کے نام سے ایک بڑا اسپتال بنایا گیا جہاں شاہی طبیب اور جراح اپنے فرائض انجام دیتے تھے مریضوں کو دوا اور غذا مفت دی جاتی تھی۔ شہر میں جا بجا پانی کی نہریں جاری کی گئیں اور راستوں پر سایہ دار درخت اگائے گئے۔

بادشاہِ وقت کے علاوہ گولکنڈے کے امرائے بھی شہر میں متعدد عمارتیں بنوائیں اور باغ لگوائے۔ اس طرح چند سال کے اندر اندر حیدرآباد ایک پر رونق شہر بن گیا جس کی تعریف و توصیف میں اس زمانے کے مورخین رطب اللسان رہے۔

حیدرآباد میں عبداللہ قطب شاہ کے عہدِ حکومت میں بھی بڑی بڑی عمارتیں بنائی گئیں مثلاً ایک بڑی چار منزلہ عمارت کے علاوہ نبی باغ اور باغ لنگم پلی بنوایا گیا نیز ابوالحسن نے موسیٰ ندی کے کنارے چار محل کے نام سے ایک بہت بڑا محل بنوایا تھا لیکن محمد قلی قطب شاہ کا فطری ذوقِ تعمیر خود اس کے کلام سے ظاہر ہے چنانچہ اس کی کہی ہوئی مناجات کا ایک شعر ہے۔ ؎

مرا شہر لوگاں سوں معمور کر
رکھیا جوں توں دریا میں من یا سمیع

خداداد محل کی تعریف میں اس کے یہ شعر ہیں۔

خداداد محل کوں محمدؐ سنوارے ؛ تو اس میں جنت کے نگاراں نگارے
بلندی محل کا اسماں جیسا ؛ سورج چاند تارے سو اس تھے سنگارے
نہ اس جگ میں دیکھے کوئی ایسے محل کوں ؛ مگر دھشت بر قدسیاں لا کے تھارے

کوہِ طور کی تعریف میں کہتا ہے،

کہ طور پر سدا ہے سبحان کا اجالا ؛ تو خلق سر سرمہ کرتی رحمان کا اجالا
اس طور کا سو تھارا مانند بہشت ہے ؛ اس نور تل چھپیا ہے اسمان کا اجالا

"سجن محل" اور "اعلیٰ محل" پر جو نظمیں کہیں ان کا ایک ایک شعر درج ذیل ہے۔

ساجنی سجن محل میں ساج کر چھنداں سو آئی ؛ جان جانی ہو کے جان کا پیالہ سو مجکو پلائی
اعلیٰ محل اعلیٰ دِسے اعلیٰ خوشیاں منتر گھڑی ؛ اعلیٰ سکی، اعلیٰ دِسے جوبن گھڑی دو دو ابھری

قطب شاہی سلاطین کی دو سو سال کی حکمرانی کے بعد تقریباً دو ہی صدیوں تک حیدرآباد دکن، تاجداران آصفی کے زیرِ نگین حکومت رہا۔ اس اثنا میں یکے بعد دیگرے سات شاہانِ آصفیہ حکمران رہے۔ آخری بادشاہ میر عثمان علی خاں (آصفِ سابع) کا دورِ حکومت سب سے زیادہ درخشاں ثابت ہوا۔ اس عہدِ آخریں دور میں ان کے زمانۂ تخت نشینی سے آخری وقت تک سرکاری اور نجی حیثیت کے چھوٹے بڑے تعمیری کام بہ احسن وجوہ پایۂ تکمیل کو پہنچے جو آج ان کی شہرۂ آفاق یادگار بنے ہوئے ہیں۔ محمد قلی قطب شاہ کی طرح عثمان علی خاں کو بھی تعمیر کے فن سے غیر معمولی شغف رہا ہے جو ان کے اس اقتباسِ فرمان سے ظاہر ہے۔

"مجھے خوب یاد ہے کہ اب سے چار پانچ سال پہلے میں نے اس عمارت کا سنگِ بنیاد رکھا تھا اور خدا کا شکر ہے کہ اس بنیاد پر یہ عالیشان عمارت قائم ہو گئی جو اپنی وضع کی خوبصورتی شان اور عظمت میں غالباً ہندستان بھر میں اپنا نظیر نہیں رکھتی اور جس طرح جامعۂ عثمانیہ میرے عہدِ حکومت کا ایک اعلیٰ کارنامہ ہے اسی طرح یہ عمارت بھی میرے عہد کی ایک شاندار یادگار ہے جو صدیوں تک آئندہ نسلوں کو اس زمانے کی تہذیب، تمدن اور ذوقِ تعمیر کو یاد دلاتی رہے گی ـــــ" اس عمارت کا طرزِ تعمیر بھی اردو زبان کی طرح ہندو اور مسلمان قوموں کے طرز سے مرکب ہے اور اس کے ستونوں اور در و دیوار کے نقش و نگار میں دونوں قوموں کی کاریگری اور تمدن و تہذیب کی جھلک نظر آتی ہے"

مذکورۂ بالا سطور میں جو تاریخی مواد پیش کیا گیا ہے اس کی حیثیت محض مشتے نمونہ از خروارے کی ہے۔ اور تفصیلات سے تو کتابوں کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

؎ سخن ہر چہ گویم ہمہ گفتہ اند
برِ باغِ دانش ہمہ رُفتہ اند

▲▲

وقار خلیل

حیدرآباد کے شاعروں کا سخنِ آزادی

آزادی اور مادرِ وطن کے لیے مصائب جھیلنے اور دار و رسن کے شدائد برداشت کرنے کا والہانہ جذبہ اردو شاعری میں سنہ ۱۸۵۷ء سے روشن نظر آتا ہے۔ عہد بہ عہد قومی تحریکوں کا ساتھ دیتے ہوئے جب اردو شاعری کا قافلہ ۱۵ اگست سنہ ۱۹۴۷ء کی منزلِ یقین پر پہنچ گیا تو اس کاروان نے جی کھول کر آزادی کے ترانے گائے۔

سنہ ۱۹۴۲ء میں ہماری قومی تحریک سب سے اہم موڑ پر پہنچی اور ہماری تاریخِ آزادی کا سب سے اہم آندولن شروع ہوا جو اپنی نوعیت کا پہلا اور آخری آندولن تھا، جس نے سامراج کی چولیں ہلا دیں۔

آزادی کے لیے اردو کے شاعروں اور ادیبوں نے سنو سال تک اپنے قلم ہی وقف نہیں کیے تھے بلکہ قید و بند، جلا وطنی اور موت کی سزائیں تک ہنستے ہوئے برداشت کی تھیں۔ آزادی کے بعد جب نئی زندگی مژدۂ روح پرور بن کر طلوع ہوئی تو اردو نظم خوشی سے سرشار ہو اٹھی۔ آزادی کے خیر مقدم کے لیے کتنے ہی اردو شاعروں نے نظمیں لکھیں۔ ملک کے ہر حصے کے شاعروں نے ملک کی آزادی کا خیر مقدم کیا۔ آندھرا پردیش کے بزرگ اور نئے ہر دو فکر و نظر کے شاعروں کے کلام میں وطن کی آزادی، سامراجیت سے نجات اور حب الوطنی کے جذبات نے قومی شعور کی شمع کو روشن رکھا۔

ترقی پسند تحریک کے عالمی شہرت کے حامل قائد اور عوامی شاعر مخدوم محی الدین، دکن دیس میں اس قافلۂ رنگ و نور کے سالار کی حیثیت سے یاد کیے جاتے رہیں گے، مخدوم نے آزادی کی لڑائی میں عملی طور پر صعوبتیں جھیلیں، روپوشی اور قید و بند کی سختیاں اٹھائیں مگر ہر گام آزادیٔ ہند کے پرچم کو سربلند ہی رکھا۔ مخدوم کی نظم "کہو ہندوستاں کی جئے" آج بھی دلوں میں امنگ پیدا کرتی اور حوصلوں کو مہمیز دیتی ہے۔ مخدوم کی ذہانتِ فکر نے ایسا معلوم ہوتا ہے ملک کی ذہنی تحریک آزادی کو اس مختصر نظم میں پوری ہنرمندی سے قلمبند کیا ہے۔ ایسی بلیغ اشاریت اور ایسی واضح حقیقت پسندی ان کے معاصر شاعروں کی موضوعاتی نظموں میں مشکل سے ملتی ہے۔ نظم کے یہ چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

کہو ہندوستاں کی جئے، کہو ہندوستاں کی جئے، کہو ہندوستاں کی جئے

قسم ہے خون سے سینچے ہوئے رنگیں گلستاں کی
قسم ہے خونِ دہقاں کی، قسم خونِ شہیداں کی
وہ ہندی نوجواں یعنی علم بردارِ آزادی
وطن کا پاسباں وہ تیغِ جوہر دارِ آزادی
وہ پاکیزہ شرارہ، بجلیوں نے جس کو دھویا ہے
وہ انگارہ کہ جس میں زیست نے خود کو سمویا ہے
وہ شمعِ زندگانی آندھیوں نے جس کو پالا ہے
اک ایسی ناؤ، طوفانوں نے خود جس کو سنبھالا ہے

وہ ٹھوکر جس سے گیتی لرزہ براندام رہتی ہے
وہ دھارا جس کے سینے پر عمل کی ناؤ بہتی ہے
چھپی خاموش آہیں، شورِ محشر بن کے نکلی ہیں
دبی چنگاریاں خورشیدِ خاور بن کے نکلی ہیں
بدل دی نوجوانِ ہند نے تقدیر زنداں کی
مجاہد کی نظر سے کٹ گئی زنجیر زنداں کی
کہو ہندوستاں کی جے، کہو ہندوستاں کی جے، کہو ہندوستاں کی جے

اور جب نوجوانِ ہند نے زنداں کی تقدیر بدل دی تو بہار آ گئی۔ آزادی کا سورج طلوع ہوا اور ایک دلنواز خواب حقیقت میں ڈھل گیا۔ ایسے میں سکندر علی وجد نے "آفتابِ تازہ" لکھی۔ اس نظم کے ایک ایک مصرعے سے حیات کی شعاعیں پھوٹتی، پھیلتی اور سرچشمۂ رنگ و نور بنتی نظر آتی ہیں ؎

شمعِ یقیں کے دم سے شکستوں کی شب کٹی
مہرِ مبیں پیمبرِ فتح و ظفر ہے آج
سامانِ صد ہزار بہاراں لئے ہوئے
اپنی جلو میں گردشِ شمس و قمر ہے آج
مُردہ دلوں میں دوڑ گیا خونِ زندگی
چہروں پہ حریت کی شفق جلوہ گر ہے آج
اُڑتی ہیں گردِ راہ کی مانند منزلیں
بے باک رخشِ عمر جو گرمِ سفر ہے آج
محسوس ہو رہا ہے انوکھا سہانا پن
اک سادہ جھونپڑا ہی سہی اپنا گھر ہے آج
جب تاجرانِ طوق و سلاسل چلے گئے
اے وجد! لطفِ عرضِ متاعِ ہنر ہے آج

آزادی کی مسکراتی سحر قدم قدم آرزوؤں کے مراحل طے کرتی اپنی منزل فتح و نصرت کی طرف گامزن ہے۔ اس احساس کو شاہد صدیقی نے دلکش پیرائے میں نظم کیا ہے۔ درخشاں رہگزر کی تب و تاب ان اشعار میں قوسِ قزح کے نقوش ابھارتی نظر آتی ہے ؎

سیاہ رات کے جادو میں وہ اثر نہ رہا
چمک رہی ہے فضا، مسکرا رہی ہے سحر
نفس نفس میں پرافشاں ہے بوئے منزلِ شوق
قدم قدم پہ درخشاں ہے اپنی راہگزر
نئی فضا میں نئے ذہن کا یہ عالم ہے
تمام علم و تدبر، تمام ہوش و خرد

خورشید احمد جامی: آزادیٔ ہند کو عہدِ استوار کا نام دیتے ہوئے جشنِ بہاراں کا اہتمام کرتے ہیں۔ جامی کی نظموں میں قومی شعور اور جذبۂ حریت کا صحت مند، روشن اور مثبت تصور جلوہ افروز نظر آتا ہے۔ یہ چند اشعار اسی سلکِ مروارید کے نگینے ہیں ؎

شہرِ وفا میں جشنِ بہاراں کی دھوم ہے
آئے ہیں زندگی کے سفیرانِ خوش جمال
اے صبحِ زرنگار کی نازک بدن پری
ہم اور اعتبارِ محبت بڑھائیں گے
گُل پیرہن، جوان اُمیدوں کے نام پر
اپنے تصورات کی جنت بسائیں گے
ہے عزمِ تیشہ زن تو دلِ کوہسار پر
تاروں کی طرح نقشِ قدم جگمگائیں گے

ڈاکٹر وحید اختر نے اپنی طویل نظم "جمہور نامہ" میں نہایت گہرائی اور گیرائی سے آزادی کی برکات اور عہدِ نو کی تاریخ کے جگمگاتے ابواب پر ایسا محسوس ہوتا ہے شہیدوں کے خون میں قلم ڈبو کر لکھا ہے اور رندانِ پرجنوں پسندوں کے آدابِ میکشی کا عرفان عطا کیا ہے۔ اس نظم کا ایک ایک شعر قومی شعور کا ستارۂ سحری معلوم ہوتا ہے ؎

گردش میں آئے جام کہ حالات اور ہیں
اب میکدے کی رسم و روایات اور ہیں

اہلِ جنوں کو دل کے پیامات مِل گئے
رندوں کو میکشی کے مقامات مِل گئے
ہندوستاں کے رُخ پہ نیا رنگ آگیا
بڑھنے کا زندگی کو نیا ڈھنگ آگیا
محنت کے معجزے سے ہیں سرشار کھیتیاں
دستِ عمل سے ہوگئیں تسخیر ندیاں
ہم آشنائے بادۂ امنِ دوام ہیں
ہم گوتم اور اشوک کے دل کا پیام ہیں
اکبر کے ورثہ دار ہیں، ٹیپو کے ہم زباں
زندہ ہے ہم سے تیرے شہیدوں کی داستاں
ہم ہیں کبیر و تلسی و میرا کے فن کا راز
میر، و نظیر و غالب و اقبال کا جواز
ہم تاج کی شگفتہ محبت کی طرح پاک
راہِ طلب میں مثلِ اجنتا ہیں سینہ چاک
ساقی! یہ ساعت آئی ہے صدیوں کے بعد آج
جمہور لے کے اُٹھیں گے میخانے سے خراج

سلیمان اریب کے خواب یہاں حقیقت کی برأت سجاتے ہیں، وطن کی آزادی پر اریب نے ایک خوبصورت نظم لکھی۔ اور حریت پسندوں کے جیالے جذبات اور مچلتے ولولوں کو محسوس کیجئے ؎

ذرا آزاد بازوؤں کا یہ کس بَل کوئی دیکھے
چراغوں کی لَووں میں جاگتے جنگل کوئی دیکھے
سرِ گردوں بہاروں کے گھنے جنگل کوئی دیکھے
زمیں پر خُلد لانے کے لیے ہلچل کوئی دیکھے
کہ اب خاکسترِ ہستی شرر انگیز ہوتا ہے
کہ اب تہذیب کے نغمے کی لَے پھر تیز ہوتا ہے

کنول پرشاد کنول اس زرکار اجالے کے دروازے پر کھڑے ترانۂ آزادی سنا رہے ہیں ؎

آج دنیا کی نظروں کا مرکز ہیں ہم
امنِ عالم کا ہے ہاتھ اپنے عَلَم
آج ہر پھول پر ہے نرالی پھبن
آج ہے ہر کلی میں نیا بانکپن
آج بلبل کے نغموں میں رس ہے نیا
آج آزاد ہے پھر سے روحِ چمن

ابن احمد تاب نے "پرچمِ نور کھلا" لکھکر ملک کی تحریکِ آزادی کو ان الفاظ میں زبردست خراج ادا کیا ہے ؎

حلقۂ ظلمتِ شب ٹوٹ گیا، پرچمِ نور کھلا
زندگی جاگ اُٹھی، روشنی پھیلی ہر سُو
ذہن بیدار ہوئے، زاویے فکر و نظر کے بدلے
کامرانی کی ہر اک راہ پہ مصروف قدم
ایک خوشحال زمانے کا پتہ دیتے ہیں
دستِ محنت کو دعا دیتے ہیں

اور امیر احمد خسرو نے وطن کے تاریخی حقائق، عہد بہ عہد ارتقاء کو خوبصورت پیرایہ میں نظم کا جامہ پہنا کر وطن دوستی اور جذبۂ حُریت کی توقیر افزائی کی ہے۔ اس نظم کا یہ اقتباس ستاروں کی رہگزر جیسا روشن سفر ہے ؎

مرا وطن، جس کی نرم مٹی کی مست خوشبو
مجھے ہے سرے قلب و جاں سے پیاری
مرا وطن، جس کی وسعتوں میں بہار کی زرنگار پریاں
حیات کے بے شمار نغمے
محبتوں کی حسیں فضاؤں میں آرزوؤں کے خواب لے کر
نگر نگر اپنے بانکپن سے، عجیب جادو جگا رہی ہیں
مرا وطن، جس کی نرم مٹی سے کونپلوں کی طرح ہزاروں
کہانیاں سی اُبھر رہی ہیں
پہاڑ، میدان، دشت، دریا: تمام امیدوں کا ہیں خزانہ

نئے زمانے کا نیر سورج، جو رازداں ہے، جو ہم سفر ہے
مرا وطن، جس کا ذرہ ذرہ ہے رشکِ صد مہر و ماہ و انجم
مرے خیالوں کی رہگزر میں، کھڑا ہے یوں جیسے کہہ رہا ہوں
میں ایک تہذیب کی سحر ہوں، میں ایک نغمہ ہوں زندگی کا
ہر ایک دل میں دھڑک رہا ہوں،

آزادی کا سورج اپنی برکات سے عوام الناس کو یکساں طور پر فیضان پہنچاتا ہے، اور اسی آزادی کے سورج کے مقدس ورثہ کو ملک الشعراء جناب اوج یعقوبی نے اپنی نظم میں یوں روشن کیا ہے ؎

ہمارے واسطے یہ صبحِ آزادی کا سورج
زمانے کی ہر اک شئے سے مقدس ہے
یہ سورج مشترک میراث ہے سب کی
مساوی حق ہے ہر ذرہ کو اس سے فیض پانے کا
عزیزانِ وطن سورج کی کرنوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا
کہ سچے دل سے پھر تجدید پیمانِ وفا کرلیں
رواداری سے جینے کا مکرر فیصلہ کرلیں

افتخار احمد اقبال کی نظم "پیامِ نو" کا یہ حصہ نئی رہگزر کی طرف بھرپور اشارہ کرتا ہے۔ اور اہلِ وطن کو شعورِ سفر کا ادراک بخشتا ہے ؎

منائو آج کچھ اس طرح جشنِ دورِ طرب — کہ ہر زباں پہ نئی زندگی کا نام رہے
اگر شعورِ سفر ہے تو پاس ہے منزل — صدائیں دے کے بلاتی ہے رہِ مستقبل
سجا رہا ہے کوئی مہر و ماہ کی محفل — یہی وقار، یہی حسنِ اہتمام رہے

اور اسلم عمادی، مشینی عہد کے نوجوان جدید شاعر ہم وطنوں کے ساتھ آزادی کے سفر میں ان ابیاتِ ظفریات کے ساتھ ہم قدم ہیں ؎

ٹیپو کے ہم نواؤ، تم سر اٹھا کے چلنا — گاندھی کے ہم سفیرو، تم مسکرا کے چلنا
نہرو کے اے عزیزو، نقشے بنا کے چلنا — ذاکر کی طرح دانش کے گل کھلا کے چلنا
اسلم وطن کا سونا خوشبو جگا رہا ہے
آزادیوں کا نغمہ جادو جگا رہا ہے

اہلِ قلم حضرات!

آندھرا پردیش کی معاشی، زرعی، صنعتی، تعلیمی اور سماجی ترقی پر اپنے موضوعاتی مضامین، ماہنامہ "آندھرا پردیش" (اردو) میں اشاعت کے لئے روانہ فرمائیے۔ صرف غیر مطبوعہ تخلیقات ہی روانہ فرمائیے
ناقابلِ اشاعت مضامین واپس نہیں کئے جاتے

"ایڈیٹر"

حمید آلوری

ترس (HYAENA)

حال ہی میں وساکھاپٹنم سے ترس (HYAENA) کے دو بچوں کو نہرو زوالوجیکل پارک میں منتقل کیا گیا ہے۔ یہ حیوان برصغیر ہندو پاک کے مختلف حصوں میں مختلف ناموں سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ مثلاً پاکستان میں چرخ، شمالی ہند میں لگڑ بھگا اور دکن میں ترس کے نام سے مشہور ہے۔ اسے "تسمانیہ کا شیر" بھی کہتے ہیں۔ اس کا انگریزی نام ہائنا (HYAENA) ہے۔

ترس بھیڑیئے سے ملتا جلتا جانور ہے۔ قد میں تیندوے سے مماثلت رکھتا ہے۔ اس کے جسم پر لمبے لمبے سخت بالوں کی کھال کوٹ کی طرح دکھائی دیتی ہے اس کی رنگت کیچڑ کی سی گدلی ہوتی ہے۔ مگر گردن اور ٹانگوں پر سیاہ دھاریاں پائی جاتی ہیں۔ اس کا سر بڑا اور کھڑے کان ہوتے ہیں۔ گردن پر چھدری جھاڑی کی طرح سخت بال ہوتے ہیں۔ اس کی جسامت عموماً تین چار فٹ کے قریب ہوتی ہے۔ جس میں اس کی ایک فٹ لمبی موٹی دُم بھی شامل ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ دُم کے نیچے تھیلی نما گوشت کا ابھار ہوتا ہے۔ اس کی گول اور اُبھری ہوئی زرد آنکھیں بڑی خوفناک لگتی ہیں۔ جن میں غیر معمولی چمک ہوتی ہے۔

ترس کے ہر پیر میں چار چنگل ہوتے ہیں۔ اس کے اگلے پیروں کے نشان پچھلے پیروں کے نشانوں سے بڑے ہوتے ہیں۔ جو کتّوں کے پنجوں کے نشانوں سے بآسانی ممیز کئے جا سکتے ہیں۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ترس کا شمار نہ تو بلّی کے خاندان میں ہوتا ہے اور نہ کتّے کے خاندان میں۔ مگر بعض ماہر حیوانیات اس کا ذکر بلّی کے خاندان کے جانوروں کے ساتھ علاحدہ خصوصی طور پر کرتے ہیں۔

ترس کی تین اقسام ہیں۔ ایک بھورے رنگ والا۔ دوسرا دھاری دار اور تیسرا دھبّوں والا (SPOTTED) دھاری دار قسم ہندوستان پاکستان، افغانستان، ترکی، مغربی ایشیا، برما اور سیلون میں عام ہے۔ یہ دھاریاں سیاہ ہوتی ہیں۔ اور پشت سے لیکر گردن تک لمبے لمبے بالوں کی ایک جھالر سی ہوتی ہے۔ جنوبی افریقہ، رہوڈیشیا اور موزمبیق کے ترس بھورے رنگ کے ہوتے ہیں۔ افریقہ میں پائے جانے والے دھبے دار ترس تو شیر سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ ببر شیر بھی ان سے پریشان ہوتا ہے۔

نر اور مادہ ترس ہو بہو ایک جیسے ہوتے ہیں۔ مگر ان دونوں کے وزن میں کافی فرق ہوتا ہے۔ چنانچہ نر ترس کا وزن ۲۷ سے ۵۵ کیلو گرام تک ہوتا ہے۔ جب کہ مادہ کا وزن ستّر کیلو گرام کے قریب ہوتا ہے۔ لیکن بظاہر نر اور مادہ میں فرق کرنا ممکن نہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بعض افریقی وحشی قبائل ترس کو دونوں جنسوں کا حامل سمجھتے ہیں۔ کچھ قبائل تو اسے اپنا جدِّ امجد مانتے ہیں اور احترام کرتے ہیں۔

ترس ٹولیوں میں بٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ جنھیں قبیلے یا غول کہا جاتا ہے ایک قبیلے میں کئی کئی ترس ہوتے ہیں۔ قبیلوں پر مادہ کی حکمرانی ہوتی ہے۔ نر کے ایک قبیلے سے منحرف ہو کر دوسرے قبیلے میں شامل ہونے کی مثالیں تو ملتی ہیں لیکن کبھی کسی مادہ کو اپنا قبیلہ چھوڑ کر دوسرے قبیلے کا رُخ کرتے نہیں

دیکھا گیا۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک تر بیک وقت دو قبیلوں سے تعلق رکھتا ہے۔

مادہ ترس ایک جھول میں دو سے چار تک بچے جنتی ہے۔ پیدائش کے چند ماہ بعد اس کے جسم پر دھبے نمودار ہوتے ہیں۔ پورا ترس بننے کیلئے دو سال کا عرصہ درکار ہوتا ہے۔ اس کی عمر کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ کوئی پچیس برس تک زندہ رہتا ہے۔

عام طور پر ترس تنہائی پسند ہوتا ہے۔ اور اپنے گھومنے پھرنے کے لیے ویرانوں، سنسان جگہوں اور بنجر میدانوں کو منتخب کرتا ہے۔ غار اور پہاڑوں کی گپھائیں بھی اس کے خاص مسکن ہوتے ہیں۔ دن میں غاروں اور چٹانوں میں اپنا وقت گذارتا ہے۔ اور دوپہر میں خوراک کی تلاش میں نکلتا ہے مُردار گوشت اسے بہت مرغوب ہے۔ قبرستان سے گڑے مُردے نکال کر کھاتا ہے۔ چراگاہوں میں گھس کر مویشی چُرا لیجاتا ہے۔ اگر آسانی سے بھیڑ، بکری، کُتا یا کوئی چھوٹا موٹا جانور ہاتھ آجائے تو اسے بھی اٹھا لیجاتا ہے گارے کے جانور کو چرا لیجانے میں بڑا ماہر ہوتا ہے۔

آفریقہ کے گاؤں میں شام کے وقت بچوں کو گھروں سے نکلنے نہیں دیا جاتا کیونکہ یہ ظالم چھوٹے بچوں کو اٹھا لیجاتے ہیں۔ اتنی احتیاط کے باوجود وہ بچوں کا لقمۂ تر بناتا رہتا ہے۔ ترس جنگل کا واحد جانور ہے جو شیرنی کی نظر بچا کر اس کے جھول کے جھول اٹھا لیجاتا ہے۔

کچھ عرصہ پہلے تک اس کے بارے میں صرف یہی سمجھا جاتا رہا کہ وہ ایک نہایت ہی ڈرپوک جانور ہے۔ جو جیفہ خور ہوتا ہے یعنی دوسرے بڑے جانور جیسے شیر، چیتا وغیرہ کے مارے ہوئے جانوروں کا بچا کچا سڑا گلا گوشت کھا کر اپنا پیٹ پالتا ہے۔ مگر جدید تحقیقات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ترس بھی ایک ماہر شکاری درندہ ہے جو رات کی تاریکی میں زیبرا جیسے قوی الجثہ جانوروں کا شکار کرتا ہے۔

کئی کئی ترس مل کر زیبرا کے غول کا تعاقب کرتے ہیں۔ زندگی اور موت کی اس دوڑ میں ترس کی انتہائی رفتار فی گھنٹہ چالیس میل ہوتی ہے یہ خونی ڈرامہ جو رات کی تاریکی یا چاندنی راتوں میں کھیلا جاتا ہے تین منظروں پر مشتمل ہوتا ہے۔

تعاقب ——— گرفتاری ——— اور خاتمہ

اس حیوان کا حملہ بہت ہی خطرناک اور مہلک ہوتا ہے۔ تب ہی تو زیبرا جیسا جانور بھی اس کی تاب نہیں لاسکتا۔

ترس اپنے شکار پر عقب سے حملہ آور ہوتا ہے۔ اور پہلے شکار کو زمین پر گرا دیتا ہے۔ بعد ازاں پھاڑ کر کھاتا ہے۔ درندوں کی ایک خصلت ہوتی ہے کہ وہ اپنے شکار پر حملہ آور ہوتے وقت ایک دوسرے کے معاملات میں دخل نہیں دیتے۔ ترس اس اصول کا بہت پابند نظر آتا ہے۔ چنانچہ ترس کے اپنے علاقے مخصوص ہوتے ہیں۔ اور وہ ان علاقوں کی سرحدوں کا جوان کے ذہن میں محفوظ ہوتی ہیں بڑا احترام کرتے ہیں۔ جب ترس اپنے شکار کا تعاقب کرتے کرتے دوسرے ترسوں کی سرحد تک پہنچ جاتے ہیں تو فوراً رُک جاتے ہیں۔ شکار ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ مگر وہ ہرگز دوسروں کی سرحد میں داخل نہیں ہوتے اور اگر کبھی ایک قبیلے کے ترس شکار کا تعاقب کرتے ہوئے دوسرے قبیلے کی حدود میں داخل ہوجائیں تو ان قبیلوں کے ترس کے مابین ایسی خون آشام جنگ ہوتی ہے کہ خدا کی پناہ — اس وقت وہ شکار کو بھی بھول جاتے ہیں۔ شکست خوردہ ترس دُم دبا کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔

ترس کی چال بھی خاص ہوتی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے اگلے پیر نسبتاً بڑے ہوتے ہیں۔ اور اس کی ٹانگوں میں جوڑ بھی نہیں ہوتے اسی مخصوص چال کو دیکھکر دیہاتی اسے پہچانتے ہیں۔ ورنہ دور سے دیکھنے میں تو وہ بالکل بھیڑیا لگتا ہے

ترس کی آوازیں کئی سُر ہوتے ہیں۔ عام طور پہ اس کے چیخنے کی ابتدا ایسے سُروں سے ہوتی ہے جیسے کوئی دھیمی آواز میں آہ وزاری کر رہا ہو۔ پھر یہ بڑھتے بڑھتے ایک دل دوز چیخ اور آہ وبکا میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ رات کی ہولناک تاریکی میں جنگل میں اس کے چیخنے چلانے کی آوازوں سے کلیجہ دہل جاتا ہے۔ ترس غراتا بھی ہے۔ بھونکتا بھی ہے۔ اور ببر شیر کی گرجدار

آواز کی کامیاب نقل بھی اتارتا ہے۔

تڑس کی نظر جب کسی مُردار پر پڑتی ہے تو وہ خوشی سے پھولا نہیں سماتا اور ایسا چلاتا ہے جیسے کوئی پاگل آدمی زور زور سے قہقہے لگا رہا ہو۔

ایک خاص بات یہ ہے کہ تڑس دوسرے جانوروں کی چھوڑی ہوئی ہڈیاں تک نہیں چھوڑتا ــــ قدرت نے اس حیوان کو اس قدر تیز اور مضبوط دانت عطا کئے ہیں کہ سخت سے سخت ہڈی کو بھی موم کی طرح چبا جاتا ہے یہ درندہ غلاظت بھی بڑے شوق سے کھاتا ہے۔

آفریقہ میں حبشہ کے ایک شہر ہرار میں دوپہر کے وقت جبکہ سڑکیں سنسان ہوتی ہیں۔ کئی کئی تڑس ٹولیوں کی شکل میں سڑکوں پر کتّوں کی طرح آوارہ گھومتے اور سوروں کی طرح بستی کی غلاظت کھاتے نظر آتے ہیں۔ اس طرح بستی کی صفائی کا کام انجام دیتے ہیں۔ یہ جانور جنگل میں بھی جنگلی جانوروں کے فضلے کو بھی نہیں چھوڑتا۔ اس لیے یہ "جنگل کا خاکروب" مشہور ہے۔

تڑس کوڑا کرکٹ بھی کھاتا ہے۔ چنانچہ افریقہ کے دیہاتوں کی چاردیواری میں اس کی آمد ورفت کے لیے راستے بنائے گئے ہیں تاکہ یہ حیوان گاؤں میں داخل ہو کر بستی کی صفائی کر سکے۔

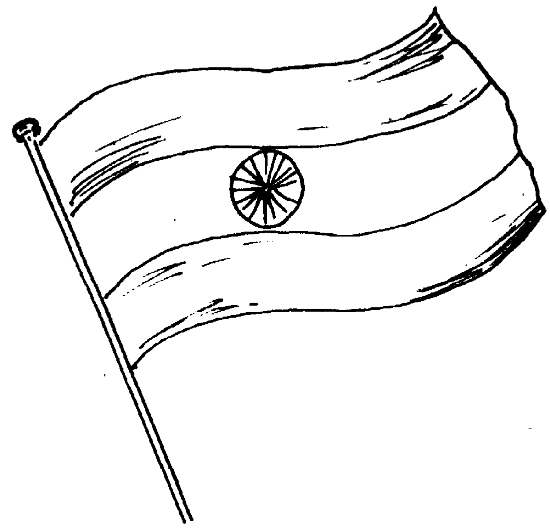
اس میں کوئی کلام نہیں کہ تڑس ایک بزدل اور ڈرپوک جانور ہے۔ اور کتّوں کے بھونکنے کی آوازوں سے سہم کر آبادیوں کا رُخ نہیں کرتا مگر اس عفریت کو دیکھ کر کوئی یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ وہ اس قدر بزدل اور ڈرپوک جانور ہوگا ــــ!

یہ بھی کتنی عجیب بات ہے کہ یہی بزدل اور ڈرپوک حیوان اس وقت بے پناہ جسارت کا مظاہرہ کر بیٹھتا ہے۔ جب درندوں کا بادشاہ ببر شیر اس کے مارے ہوئے شکار کو ہتھیا لینے کی غرض سے آتا ہے تو وہ ببر شیر کو اتنا تنگ کرتا ہے کہ ببر شیر پریشان ہو جاتا ہے اور اسے وہاں سے چلے جانے کے سوا اور کوئی چارہ ہی نہیں رہتا۔ ہاں اگر بیک وقت دو ببر شیر وہاں آ جائیں تو تڑس اپنے مارے ہوئے شکار کو چھوڑ کر خاموشی سے ہٹ جاتے ہیں۔ ببر شیر جب شکار کھانے لگتے ہیں تو یہ ان کے گرد بے ترتیب نیم دائرہ بنا کر گھاس پر گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتے ہیں۔ اور ان کے چلے جانے کا انتظار کرتے ہیں۔ تاکہ بچا ہوا کھا سکیں۔

افریقہ میں تو اکثر ببر شیر تڑس کے مارے ہوئے شکار کو کھا کر ہی اپنا گذارا کرتے ہیں۔ کبھی کبھی نوجوان ببر شیر بھی تڑس کے شکار میں حصہ دار بننے چلے آتے ہیں مگر تڑس انہیں کاٹ کھاتا ہے۔ اور وہ بھاگ جاتے ہیں۔ تڑس کی دلیرانہ غضبناکی کا شکار وہ ببر بھی بنتے ہیں جو بوڑھے یا معذور اور تنہا ہوتے ہیں۔

تڑس کی فریب کاری بھی مشہور ہے۔ ایک مرتبہ راجہ صاحب گت پورا نے بیلی بھیت کے علاقے میں ایک تڑس پر گولی چلائی اور یہ جان کر کہ یہ مر گیا ہے اسے کار کے پیچھے ڈگی میں ڈال دیا۔ مگر تڑس جو سانس روک کے مُردے کی طرح پڑا تھا موقع پا کر فوراً اٹھ بیٹھا اور ڈگی سے چھلانگ لگا کر فرار ہو گیا۔ راجہ صاحب اس واقعہ سے کافی متاثر ہوئے اور اس حیوان کی فریب کاری کے قائل ہو گئے۔

شکاری تڑس پر گولی نہیں چلاتے۔ کیونکہ اس کا گوشت ہی کسی مصرف کا ہوتا ہے اور نہ کھال ہی کسی کام آتی ہے۔ البتہ وہ شکاری جنہیں جانوروں کو لڑانے میں لطف آتا ہے اس کو زندہ پکڑ کر عوامی تفریح کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ کتے اور تڑس کی لڑائی ریچھ اور کتے کی لڑائی سے زیادہ دلچسپ ہوتی ہے۔ پاکستان کے بعض علاقوں میں یہ کھیل اونٹ اور بھیڑوں کی لڑائی کا سا مقام رکھتا ہے۔ لیکن اس حیوان کو زندہ پکڑنا ہر ایک شکاری کے بس کی بات نہیں۔ بعض دفعہ یہ حیوان اتنا بگڑ جاتا ہے کہ شکاری خود اس کا شکار ہو جاتا ہے۔ ▲▲



یومِ آزادی

بہار اور مکمل بہار کا دن ہے
سکونِ قلب، شکیب وقرار کا دن ہے

پکارتے ہیں سبھی پندرہ اگست جسے
ہماری جیت کا دشمن کی ہار کا دن ہے

جدھر بھی دیکھیے بکھری ہوئی ہے رعنائی
کہ آج غنچہ و گُل پر نکھار کا دن ہے

ہر ایک رنگ ترنگے کا دے رہا ہے پیام
بڑھاؤ دستِ محبت کہ پیار کا دن ہے

نشاط وکیف سے سرشار ہیں وطن والے
اس اعتبار سے یہ دل قرار کا دن ہے

ہیں اپنے جام وسبو، اور اپنا میخانہ
سرور وکیف کا دن ہے خمار کا دن ہے

رہِ وطن میں جو جانوں پہ اپنی کھیلے تھے
انہیں شہیدوں کا یہ یادگار کا دن ہے

دلوں میں بغض وکدورت حرام ہے اس دن
گلے لگاؤ سبھی کو کہ پیار کا دن ہے

خوشی سے جھوم اٹھے خار وگل گلستاں میں
خزاں کا دور گیا اب بہار کا دن ہے

مری نگاہ میں کشور یہ یومِ آزادی
وطن کے واسطے عزّ و وقار کا دن ہے

کِشور سُلطانہ
۱۳۹۷، افغانان، سرتپو
(بجنور) - یو - پی

زاھد رضوی
3-5-782/10 کنگ کوٹھی،
حیدرآباد 500029

آشیاں اپنا

خودی ہے جب سے قوی بخت ہے جواں اپنا
اسی سبب سے تھا آساں ہر امتحاں اپنا

ہر انقلاب پہ ہم تو یہی سمجھتے ہیں
زمین خلاف ہے دشمن ہے آسماں اپنا

کھلا ثبوت ہے یہ رہزنی کا رہبر کی
پہنچ گیا ہے جو مقتل پہ کارواں اپنا

اسی وجہ سے قدم چومتے ہیں فتح و ظفر
قدم قدم پہ جو تھا عزم کامراں اپنا

اُجالا صحنِ چمن میں تو ہو گیا ہر سُو
مگر ہے برق کے دامن میں آشیاں اپنا

خرد کے کیا ہیں منازل کوئی سمجھ نہ سکا
ہوا جنوں میں بھی دامن نہ دھجیاں اپنا

کیا فسانۂ غم اتنا مختصر میں نے
تھا ایک اشک میں سمٹا ہوا بیاں اپنا

تغیراتِ زمانہ کی ایک مثال ہے یہ
وہی ہے دشمنِ جاں تھا جو رازداں اپنا

ہر اک نفس میں ہے موت و حیات کی پکار
میں کس زباں سے کہوں دل ہے شادماں اپنا

شعارِ عشق کی توہین ہو نہیں سکتی
ہر ایک درد رہا قلب میں نہاں اپنا

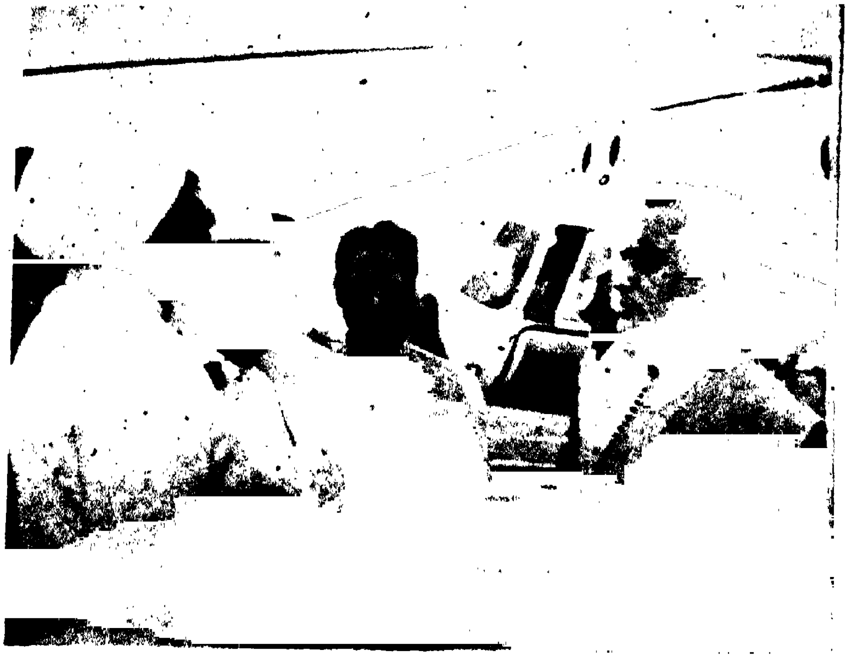
ہم اپنی جان کی بازی لگائیں جب زاھد
نہ کیوں جہاں میں ہو پھر کام جاوداں اپنا

خبریں

تصویروں میں



مسٹر این ٹی راما راؤ چیف منسٹر نے ہندو پور میں ۲۴ جون کو کمزور طبقہ سے تعلق رکھنے والوں میں سلائی مشینیں وغیرہ تقسیم کیں۔



۲۴ر جون ۱۹۸۵ء کو اننت پور میں صدر جمہوریہ مسٹر ذیل سنگھ کی آمد پر گورنر آندھرا پردیش ڈاکٹر شنکر دیال شرما اور چیف منسٹر مسٹر این ٹی راما راؤ نے اُن کا استقبال کیا۔



چیف منسٹر مسٹر این ٹی راما راؤ نے ۱۲ر جون ۱۹۸۵ء کو سکریٹریٹ میں صدرنشین و اراکین سنہ کاریہ کمیشن سے ملاقات کی۔



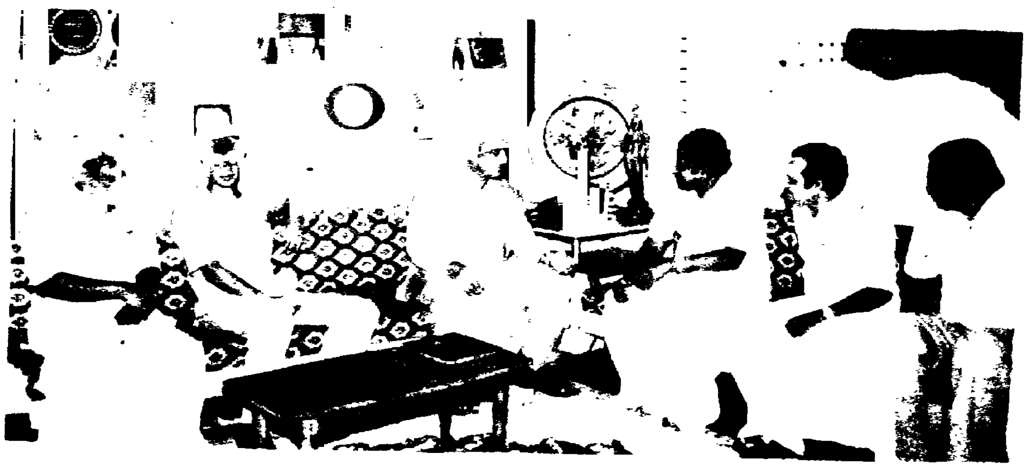
مسٹر بی شنکرانند مرکزی وزیر آبپاشی نے مسٹر این ٹی راما راؤ چیف منسٹر سے ۱۵ رجون ۸۵ء کو سکریٹریٹ حیدرآباد میں ملاقات کی۔



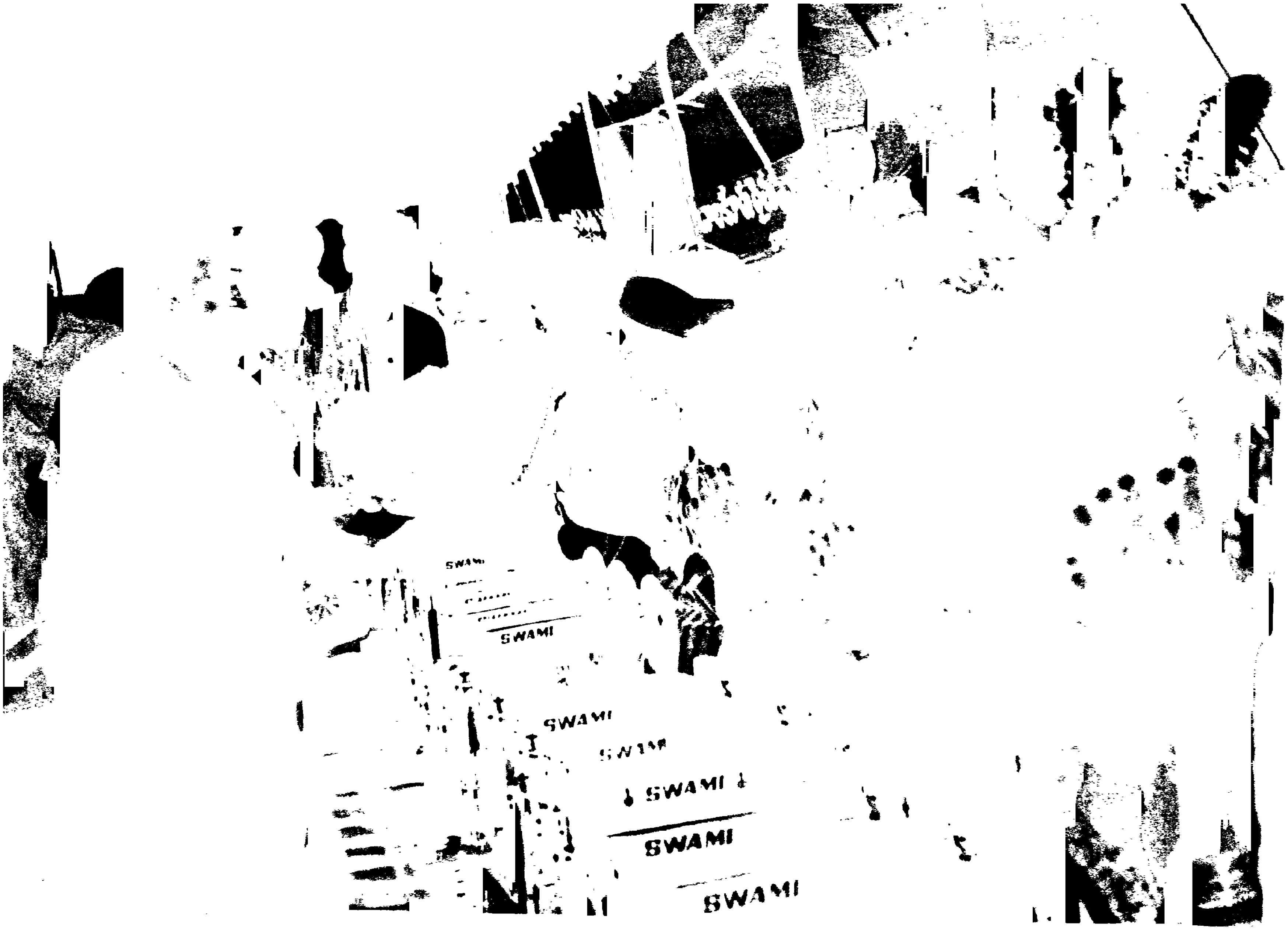
مسٹر ڈی آر اہوجہ چیرمین و مینجنگ ڈائرکٹر وساکھاپٹنم اسٹیل پلانٹ نے چیف منسٹر آندھراپردیش مسٹر این ٹی راما راؤ سے ۳۱ رمئی ۸۵ء کو سکریٹریٹ میں ملاقات کی۔



چیف منسٹر این ٹی راما راؤ نے نہرو زولاجیکل پارک حیدرآباد میں ۱۲ جون کو " برانٹوسارس " کے ماڈل کا افتتاح کیا۔ مسٹر مہی پال ریڈی وزیر جنگلات بھی ساتھ ہیں۔



جنوبی منطقہ کے وزرائے اسپورٹس و یوتھ آفیسرس کی کانفرنس میں آئے ہوئے وزرأ مسٹرس بی کے جتے چندرا سنگھ (مرکزی حکومت) ڈاکٹر جیوراج (کرناٹک) جیکوب و نورالدین (کیرالہ) ایم کرشنا نائیڈو اور انیا پتھ وڑو (اسمبلی) نے ۷ رجون ۸۵ کو چیف منسٹر این ٹی راما راؤ سے ان کی رہائش گاہ پر ملاقات کی۔


SWAMI
SWAMI
SWAMI
SWAMI
SWAMI
SWAMI

